

خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

# حسپا

ماہنامہ

جمادی الثانیہ 1439ھ مارچ 2018ء



لکھی واس  
طبقاتی تفریق کی مذمت کرتی تحریر

واٹس ایپ کا استعمال  
کیسے کریں؟

جامعہ ہاشمیہ اردن کی بائیولوجسٹ پروفیسر،  
فلسطینی نژاد  
ڈاکٹر ناد جانی سے ایک ملاقات

کردار  
بت عبدالحی کا پیمانہ



ماہنامہ حسپا کراچی،

جمادی الثانیہ 1439ھ مارچ 2018ء

جلد: 14، شمارہ: 03

قیمت: 80 روپے

NEW  
PRISMA  
PACK



PREMIUM  
QUALITY  
PREMIUM  
PACKAGING



ROZ ROZ *good milk* JIYA KARO

shakarganj®



/RozRoz.Goodmilk

| shakarganjfood.com

# بینک اسلامی



## Islami Mahana Munafa Account



## Monthly Profit, Halal Returns

Enjoy the freedom of Halal monthly gains by opening **Islami Mahana Munafa Account**, with BankIslami for a prosperous present while building your wealth for a secure future.

**Islami Mahana Munafa Account** provides security, convenience and flexibility of investment tenures to suit your financial needs.

- Monthly Halal profit payment
- Investment tenure from 1– 5 years
- Minimum investment amount of Rs.10,000/-
- Early encashment facility with no penalty

Serving you, the Right way

**BankIslami Pakistan**  
www.bankislami.com.pk



24/7 Phone Banking  
111-ISLAMI (111-475264)







Aik Chammach **Sucral** Se Milay  
Aik Chammach Cheeni Ki Mithas

Zero Calorie



Ideal in diabetes & obesity  
Approved by: FDA-USA

میٹھا کھانا تو سب چاہیں مگر،  
کوئی احتیاط دکھائے تو کوئی ہاتھ ہی نہ لگائے۔  
وجہ ہے چینی۔۔۔

چینی کو کروچینج سکرال سے۔ یہ بے زیرہ کیلوری  
صرف سکرال سے میٹھا بنائیں  
اور بے دھڑک کھائیں

Cooking Se  
Baking Tak



...CHEENI KARO CHANGE

**REVIVE ENERGY**  
play it out with...

**Fruiti-O®**

*Made with  
Real Fruits*



*Carelle*  
**All  
Clear**

HAIR REMOVAL  
CREAMS & LOTIONS

EXPERT IN  
FEMININE CARE



 /ALLCLEAREXPERT



تمام بڑے اسٹورز  
پر دستیاب ہے۔

# Honey Slim

اسکا پہلا ٹارگٹ:۔ وزن کم کرنا اور موٹاپا دور کرنا ہے

موٹاپا انسانی صحت کا نمبر ”ون“ دشمن اور ہنی سلیم موٹاپے کا

چند خاص طبی فوائد:-

ہنی سلیم:- اضافی چربی کو تحلیل کر کے جسم کو سلیم کرتی ہے۔

ہنی سلیم:- وٹامن پروٹین اور آئرن سے بھرپور ہے۔

ہنی سلیم:- گردے، دل، دماغ اور جگر کیلئے اکسیر ہے۔

ہنی سلیم:- گلے کی سوزش اور انفیکشن کا موثر علاج ہے۔

ہنی سلیم:- ہر قسم کے زردوں، خصوصاً عرق النساء کیلئے بہترین دوا ہے۔

ہنی سلیم:- جلد اور پیٹ کے تھلے امراض، قبض اور اچھاڑہ میں مفید ہے۔

ہنی سلیم:- خون اور معدے کی صفائی کے علاوہ نظامِ انہضام کو بہتر کرتی ہے۔

ہنی سلیم:- انرجی لیول میں خاطر خواہ اضافہ کرتی ہے۔

ہنی سلیم:- مدافعتی نظام کی خامیاں دور کر کے اسے تقویت بخشتی ہے۔

ہنی سلیم:- میں ایلیویرا کی موجودگی چہرے کی جھریوں کو ختم کر کے اسے شاداب بناتی ہے۔



2 Months Course  
2500/- Rupees Only  
(INR ONLY RECOMMENDED)

ہنی سلیم کھائیں  
صحت پائیں  
اور  
وزن گھٹائیں  
سلیم نظر آئیں

## ہنی سلیم میں شامل چھ قدرتی اجزاء



گھیکوار



کلونجی



لیموں



سناء کی



ادرک



خالص شہد

یاد رہے ہنی سلیم قدرتی اجزاء سے بنی ہوئی غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے

ہنی سلیم کو ایک بار ضرور آزمائیں اور سو فیصد نتائج سے مطمئن ہو جائیں

ہنی سلیم لینے یا ہنی سلیم کے بارے میں مزید معلومات کیلئے ان نمبر پر رابطہ کریں

0321-3217782

0345-2131913

0333-2231300

Website:

Email:

Facebook:

Whatsapp:

www.BinRomani.com

BinRomani@gmail.com

www.facebook.com/BinRomani

+92312-8909476





**Vanadium Water Company Pakistan**

**MR. FUJI Vanadium Mineral Water for Healthy Life**



**DIABETES?  
I'M NOT WORRIED**

**4 glasses/day**

**Vanadium Mineral Water  
keeps my**

**SUGAR LEVEL  
Under Control**



**100% Natural Mineral Water  
Packed at Mt. Fuji Japan**



**PROMOTES DIGESTION  
& CONTROLS BLOOD SUGAR**



**LOWERS  
BLOOD PRESSURE**



**CONTROLS CHOLESTEROL  
& IMPROVES BODY SHAPE**



**REDUCES  
CHOLESTEROL LEVELS**



**DEFENDS  
OUR BODY**



**DEMYTIGES OSTEOPOROSIS  
& IMPROVES FERTILITY**

**KARACHI : 0343 - 2200666, 0300 - 6092000, 0342 - 0024414**

**PUNJAB : 042 - 36883970, 0300 - 9462870**

**ISLAMABAD/RAWALPINDI/KPK : 0335 - 0600111, 0333 - 9915074**

● [info@vcpak.com](mailto:info@vcpak.com) ● [www.vcpak.com](http://www.vcpak.com) ● Vanadium Water ● Vanadium Water Company Pakistan

خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

# ماہنامہ حیاتِ کراچی

جمادی الثانیہ 1439ھ، مارچ 2018ء

سب سے پہلے  
مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی  
مفتی اعظم پاکستان

## مجلس مشاورت

- مولانا عبدالرزاق اسکندر
- مولانا محمد حنیف جالندھری
- مولانا عزیز الرحمن ہزاروی
- مولانا مفتی غلام الرحمن
- مفتی معتمد باللہ

## مجلس ادارت

- مدیر مسئول — محمد ساجد مینمن
- مدیرہ — حیا کریم
- معاون مدیرہ — صبا یونس قریشی
- ترجمین و آرائش — محمد عامر

فی شمس 80 روپے

سالانہ زر تعاون پاکستان 1100 روپے

سعودی عرب، عرب امارات، چین، یورپ، بھارت، انڈونیشیا، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، امریکا 70 ڈالر

صدر دفتر: میز انائن فلور، فریئر بزنس سینٹر، فریئر روڈ، نزد فریئر مارکیٹ کراچی 74200

خط و کتابت کا پتہ: ادارہ ماہنامہ حیات کراچی، پی او بکس نمبر 15009، جی۔ پی۔ او، صدر کراچی

Cell: 03131165569 Hya.diegest@gmail.com

(رابطہ: دوپہر 4 تا 5)

## شعبہ اشتہارات

کراچی شیخ اجمل احمد  
0321-2111320  
لاہور شاقب بخاری  
0323-5352523  
0307-4400851

## تقسیم کاربرائے پاکستان و بیرون ملک

نیشنل نیوز ایجنسی،  
اسد جمیل، گراؤنڈ فلور، صدر کراچی  
92 21 35688828  
92 21 35681520  
nnagency1@hotmail.com

ناٹل ڈیزائن: محمد فیضان  
0345-6415123  
m.fazangraphics@hotmail.com



ناشر: مسعود باللہ | پبلشر: ابن حسن پریس | مقام اشاعت: کراچی



## فَرَمَانِ اِلٰہِی

### سب سے ضروری کام نماز

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس پر پابند رہیے، ہم آپ سے روزی نہیں چاہتے، ہم آپ کو روزی دیتے ہیں اور (اچھا) انجام تقویٰ (والوں) کا ہے۔ (القرآن) اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حکم نماز کا ہے۔ جو نہ سفر میں معاف ہے، نہ حضر میں، نہ بیماری میں معاف ہے، نہ تندرستی میں، نہ میدان جنگ میں معاف ہے، نہ عام حالات میں، نہ سخت سردی میں معاف ہے اور نہ شدید گرمی میں۔ یہ نماز ہمارے کاروبار، دکان، گھریلو کام کاج اور اولاد کا پیٹ پالنے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا بھر کے گورنروں کے نام سرکاری حکم نامہ جاری فرمایا تھا کہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے، جس نے اس کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی، تو اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا، تو وہ دوسرے دنیاوی کاموں کو اور زیادہ ضائع کرے گا۔ آج کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں، جو کھیل کود اور کہانی کے بہانے نمازیں ضائع کر دیتے ہیں اور سوائے جمعہ و عیدین کے مسجدوں میں آتے ہی نہیں، اور کتنی خواتین ایسی ہیں، جو کتنے کتنے دنوں بلا وجہ نمازیں چھوڑے رہتی ہیں۔ حالانکہ جو آدمی نماز قضا کر دے، اگرچہ بعد میں اسے پڑھ بھی لے، مگر وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال دوزخ میں جلے گا۔ (فضائل اعمال)

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہم میں سے کوئی ماچس کی جلتی ہوئی تیلی پر انگلی رکھنے کے لیے تیار نہیں، مگر بہت سے ایسے بھی ہیں، جو وہاں کروڑوں سال جلنے پر آمادہ ہیں۔ باوجود یہ کہ وہاں کی آگ یہاں کی آگ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

واضح رہے کہ مؤذن کی اذان مردوں کو مسجد کی طرف بلاتی ہے اور خواتین کو اطلاع دیتی ہے کہ اٹھو اور نماز پڑھو، لہذا اذان کے فوراً بعد نماز کی تیاری میں لگ جانا چاہیے۔ نماز وہی ہے، جو شروع وقت میں پڑھی جائے، آخری وقت میں پڑھی جانے والی نماز چلتے چلاتے کے سر پر سے اتارنے والی نماز تو ہو سکتی ہے، لیکن خشوع خضوع والی نماز نہیں ہو سکتی۔ نماز کے لیے ایسی بڑی چادر لیں، جو پورے بالوں سمیت سر پا کو چھپالے، جارجٹ کے باریک دوپٹے میں نماز نہیں ہوتی۔ نماز میں غیر ضروری حرکت سے بچیں اور خود آداب والی نماز کے اہتمام کے ساتھ ساتھ گھر والوں اور بچوں کو بھی نماز کی تاکید کرتی رہیں۔ اس لیے کہ اگر ہم نے گھر میں نمازوں والا ماحول نہ بنایا، تو ایک نہ ایک دن ہمارے لیے بھی نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ یا کریم! تمام مسلمانوں کو نمازوں کی پابندی نصیب فرما۔

## نَوَاصِیۃ

### نظر کی حفاظت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”اللہ کی لعنت ہو بری نظر ڈالنے والے پر اور جس پر بری نظر ڈالی جائے اس پر“ (شعب الایمان للبیہقی)  
مطلب یہ ہے کہ نامحرم مرد و عورت اور ہر اس چیز کو دیکھنے سے اپنی نگاہوں کو بچایا جائے، جس کے لیے اللہ رب العالمین نے، ان آنکھوں کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مثلاً برا منظر تصویر وغیرہ۔

موجودہ زمانے میں بالخصوص، جب کہ فحاشی و بے حیائی کا طوفان زوروں پر ہے، جدت پرستی اور فیشن پرستی کے دور میں شرعی حدود کو پھلانگتے ہوئے، ہر عورت دوسرے سے آگے نکلنے کی فکر میں ہے۔ خواتین اسلام پر بالخصوص یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرنے کے ساتھ ہر اس برے انداز اور نامناسب روش سے اپنے آپ کو بچائیں۔ جو نامحرم مرد کی ہوس ناک نگاہیں اور ان تمام افراد کے گناہوں کی سزاوار ہوں گی کہ جنہوں نے ان پر بری نظر ڈالی۔ اس سلسلے میں درج ذیل اسلامی تعلیمات ہمارے لیے انتہائی کارآمد ہوں گی۔ غور سے پڑھیے اور اپنے پلوں میں باندھ لیجیے۔

- (1) بوقت ضرورت گھر سے نکلتے وقت شرعی حجاب کا مکمل لحاظ رکھیں۔
- (2) گھر میں رہتے ہوئے بھی نامحرم رشتہ داروں سے پردہ کا اہتمام کریں۔
- (3) زیب و زینت اور خوشبو کے بغیر راستے کے کنارے چلیں، تاکہ مردوں سے احتلاط نہ ہو۔

- (4) گھر میں، گھر سے باہر اور بازار میں نامحرموں سے بے تکلفی، ہنسی مذاق اور نرم و نازک آواز میں بات کرنے سے سخت احتیاط کریں، کھر دری آواز اور روکھے لہجے میں گفتگو کریں۔
- (5) طویل سفر تنہا کرنے سے احتیاط کریں، اسی میں ہر طرح کی عافیت ہے۔
- (6) اجنبی مرد سے تنہائی، دین و ایمان کے لیے خطرہ ہے، اس سے کوسوں دور رہیں۔

واللہ ولی التوفیق

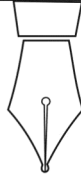
# آئیہ رحیا

21 اسلامی حجاب ابلیہ عتی محمد قاسم	16 مسجد اقصیٰ کی پکار فتح عبدالرحمن سدیس	13 وضو کے فضائل رضوان اللہ	9 حضور ﷺ کے اخلاق حمید اللہ قاسمی
40 دیکھنا کہیں کوئی..... رضی الدین سید	37 صاحبوروٹی بنانا محمد حامی بشر	32 جنات اور شیاطین قاری رشید احمد	26 فتنہ قادیانیت عائشہ سرخراز
55 روحانی ڈاک قاری رشید احمد	51 دربار میں حاضر ہے محمد عمران حکیم	46 سروے فارم ادارہ - سعدیہ خان	43 انٹرویو حیا حریم
74 ہمارا دین پہچان ہماری نوزیہ شہزاد	70 کردار حیا حریم	64 تعزیت خانہ بیانور	59 اے بنت حوا بنت محمد عارف
103 صراطِ مستقیم صابر قریشی	98 شک کی راہ امامہ عبداللہ	96 اللہ کا ڈر محمد عصفی عثانی	84 الہی تیری چوٹ پہ کرن سلطان

# آئیے سہیا

123 ساہبان انٹرنیٹ	120 تلخیاں عبدالباسط ذوالفقار	118 دور کی کوڑی مریم شہزاد	112 تربیت ہنت سیف اللہ
149 چارہ گر ہما جاوید	144 انتخاب عالیہ شمیم	135 قدر دان فرحی نعیم	126 جنونی ہما جاوید
174 وہ ایک راز تھا ہنت نجم الدین	170 اوقات رفیقہ عبدالمجید	161 پکھی واس صدقت حسین ساجد	150 کتاب زیت کے چند اوراق منفی توقیر الحسن
198 حسین یادیں المیہ سولانا اصغر نعمانی	196 آپ کے مسائل منفی محمد ساجد مین	190 واٹس اپ کا استعمال منفی محمد مرشد	183 خواتین اسلام کی درخشاں ادارہ
206 میری پسند ادارہ	204 باورچی خانہ ایمن یونس قریشی	202 طب و صحت کرن حیا	
216 حیا کی محفل ادارہ	208 گلدستہ حیا ادارہ		

# آوازِ حیا



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے، کاغذ قلم ہاتھ میں ہے، اور آوازِ حیا لکھنے کا سوچ رہی ہوں، ہر بار سوچتی ہوں کہ اس بار کوئی کھٹا میٹھا سے مضمون ہو، جو یوں پر مسکراہٹ بکھیر دے، لیکن ذہن کسی نا کسی حادثے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور پھر مسکرانے سے بھی دل اُچاٹ ہو جاتا ہے، پھر خیال آتا ہے کہ چلو اگلی بار کوئی مزے دار اور چٹخارے دار عنوان لکھیں گے اور خوب ہنسیں گے، مگر وائے رے حسرت.....!! اگلی بار کے آوازِ حیا سے پہلے ہی کوئی حادثہ ہمیں جھنجھوڑنے کو منتظر ہوتا ہے۔

اب کی بار بھی یہی حال ہے..... میرے کمرے کی کھڑکی سے باہر برستی دھیمی دھیمی سی بارش ہے، مٹی کی سوندھی سوندھی سی خوشبو ہے لیکن پھر بھی دل ہے کہ اداس ہوا ہی جا رہا ہے، صاف شفاف پانی کی یہ بارش مجھے شام میں ہونے والی خون کی بارش کی طرف لے جا رہی ہے، ننھے ننھے بارش کے قطرے زمین پر لگنے سے ٹپ ٹپ کی سی آواز کا جو سرور ہے وہ شام کے شہر غوطہ سے اٹھنے والی بچوں کی چیخوں میں گم ہو رہا ہے، تیز ہوا کے جھونکے سے شجر سے کٹ کر گرنے والا پتا مجھے جھنجھوڑ کر شام میں سمار ہوتی کسی عمارت کی طرف لے جاتا ہے..... نگاہوں میں تباہی ہی تباہی ہے، ایسے میں کہاں دل چاہے گا کہ کوئی مسکراتی سی تحریر لکھی جائے۔

امت مسلمہ کے تمام شہر ہی تقریباً پٹ پٹ رہے ہیں، سوشل میڈیا نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ کرب کی ہر تصویر ہم تک پہنچ جاتی ہے، روتے چیتے بچوں کی چیخیں، ماؤں کے نوے، باپ کی آنکھ سے برستے بے بسی کے آنسو، اور نو جوانوں کے لہو لہان لاشے، ہم تک پہنچتے ہیں، لیکن دماغوں اور حواسوں پر چھایا ہوا جمود ایسا ہے کہ وہ ہمیں مزید بے حس کرتا چلا جا رہا ہے۔ وقت ہے کہ ہم امت مسلمہ کے لئے آواز بلند کریں، اور انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

گھروں میں اور بالخصوص مساجد میں دعاؤں کا اور قوت نازلہ کا اہتمام کروایا جائے۔ دردی اس گھڑی میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون کیا جائے، ان کی مالی امداد کی بھی حتی الامکان کوشش کریں، مسلمانوں کے ساتھ بھجتی کا اظہار کریں، وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم متحد ہو جائیں ورنہ باطل کی طرف سے اٹھنے والی یہ آگ اور بھڑکی تو ہمارے گھروں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔

اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی امان میں رکھیں اور عالم اسلام کی غیبی نصرت فرمائیں۔

والسلام، آپ کی بہن

حیا حریم

معزز قارئین! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ قارئین کی دعاؤں سے ”ماہنامہ حیا“ ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ ”ماہنامہ حیا“ کا سالانہ ہدیہ مع ڈاک خرچ 1100 روپے ہیں، زیادہ تعداد میں منگوانے کی صورت میں رعایتی پیکج بھی موجود ہیں۔

اگر آپ سالانہ ممبر شپ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنی رقوم درج ذیل طریقہ میں سے کسی ایک طریقہ سے ہمیں بھیج سکتے ہیں:

رقوم بھیجوانے کا طریقہ کار

(۱)..... بذریعہ بینک اکاؤنٹ:

Title: National News Agency

Acc#0100 946222

Meezan bank , Saddar branch . code: 0132

(۲)..... بذریعہ منی آرڈر

بنام: سرکولیشن نیچر ماہنامہ حیا، پی او بکس 15009 جی پی او صدر کراچی

نوٹ: مذکورہ کسی بھی ذریعہ سے رقم بھیجوانے کے بعد موبائل نمبر

0313 1165569 پر میسج بھیج کر اطلاع دے دیں۔

## ادارہ ماہنامہ حیا سے رابطہ اب آسان

قارئین کی سہولت اور رابطے میں آسانی کے لیے ادارہ ماہنامہ حیا نے درج ذیل ترتیب بنائی ہے، قارئین اور نیوز ایجنٹ ماہنامہ حیا سے متعلق اپنی آراء و تجاویز اور شکایات متعلقہ افراد تک پہنچانے کے لیے مذکورہ نمبروں پر رابطہ کریں۔

شعبہ	فون نمبر/ای میل	اوقات
ادارتی امور	0313-1165569 hya.diegest@gmail.com	دوپہر 1:00 تا 4:00
مدیرہ (برائے خواتین)	0304-5311241 haya.hareem22@gmail.com	شام: 00 6 تا 7:00
سرکولیشن	0321-1229890 nnagency1@hotmail.com	صبح 11:00 تا شام 5:00

**گزارش:**.....(۱)..... متعلقہ شعبہ سے اس کے شعبہ کے حوالے سے رابطہ کریں۔ (۲) براہ مہربانی ان اوقات مذکورہ کا پابندی کریں۔ دیگر اوقات میں میسج کر دیں۔  
شکریہ

ماہنامہ حیا کے facebook پیج کو like کیجیے اور اپنی قیمتی آراء سے بروقت آگاہ

کیجیے۔

[Facebook.com/hayamonthly](https://www.facebook.com/hayamonthly)





# حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے چند اہم پہلو

حمید اللہ قاسمی

کر لیتا ہے، مسلم شریف کی روایت ہے کہ ”نیکی

حسن اخلاق کا نام ہے اور برائی وہ ہے جو  
تیرے دل میں کھٹکے اور تمہیں ناپسند ہو کہ لوگ  
اسے جانیں۔“

(رواہ مسلم، ابوداؤد)

ترمذی شریف میں ایک جگہ نبی کریم صلی  
اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”تم میں سب  
سے بہتر وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب  
سے اچھا ہو۔“

اخلاق اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

چنانچہ عظمت اخلاق آخری نبی کریم صلی  
اللہ علیہ وسلم کا امتیاز ہے، سارے انبیاء اخلاق  
کی تعلیم دینے کے لیے دنیا میں آئے، مگر آپ

اخلاق کی اہمیت

اخلاق کا لفظ ذہن میں آتے ہی ایک ایسا  
خاکہ ابھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ جس کو ہر آدمی  
اپنانے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ اخلاق انسان  
کا ایک ایسا جز ہے کہ جس کے اندر یہ صفت پائی  
جاتی تو سمجھ لیجئے کہ وہ کامل انسان ہے، اخلاق  
ایک ایسی دوا ہے جو دل و دماغ دونوں کو غذا  
پہنچاتا ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علم  
اور عبادت کی زینت اخلاق کو قرار دیا ہے،  
قیامت کے دن مومن کے میزانِ عمل میں کوئی  
چیز حسن اخلاق سے زیادہ باوزن نہیں ہوگی،  
اسی طرح مومن اپنے حسن اخلاق ہی کی وجہ  
سے ہمیشہ روزہ رکھنے اور تہجد گزار کا مرتبہ حاصل

صلی اللہ علیہ وسلم اس ہدایت کے آخری رسول ہیں، یا یوں سمجھئے کہ قرآنی نظریہ اخلاق ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ اخلاق ہیں، جب نظریہ عمل میں ڈھلتا ہے تو کی بیشی عموماً ہو جاتی ہے، مگر اخلاق کا نظریہ جتنا معقول اور مستحکم ہے اتنا ہی مستحکم اخلاق کا نمونہ بھی ہے، اسی لیے دنیا کے بیشتر مفکرین اور معتمنین کی نظر میں اخلاق کا درس خوشنما نظر آتا ہے، مگر جب ان کے قریب جاییے تو فکر و عمل کا تضاد اور گفتار و کردار کا اختلاف سامنے آتا ہے؛ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی گفتار جتنی پاکیزہ ہے، کردار اتنا ہی پاکیزہ نظر آتا ہے، تعلیم جتنی روشن نظر آتی ہے، سیرت اتنی صیقل دکھائی دیتی ہے، کہیں پر کوئی جھول یا کسی قسم کا کھوٹ نہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ واقعی اس اعزاز کے مستحق تھے، کیوں کہ وہ کون سا خلق حسن ہے جو آپ کی ذات گرامی میں نہیں تھا، حیاء جس کو تمام اخلاق میں سب سے افضل اور عظیم ترین خلق قرار دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں اس کے دخل کا یہ حال تھا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنواری اور بے نکاح لڑکی اپنے پردے میں جس قدر حیا کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیا دار تھے۔“

### غصہ اور اخلاقی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

غصہ کو دبانا اور ضبط کرنا بڑی اعلیٰ صفت ہے جو برسوں کی ریاضت کے بعد کسی کو حاصل ہوتی ہے، اس کے فضائل بیان کر دینا تو آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ اعلیٰ صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اگر سیرت کا مطالعہ غور سے کیا جائے تو اس کی مثال قدم قدم پر ملیں گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا جب مکہ سے ہجرت کر کے (اونٹ پر سوار ہو کر) مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو رہی تھیں، تو راستہ میں ہبار بن اسود نامی ایک شخص نے انہیں اتنی تیزی سی نیزہ مارا کہ وہ اونٹ سے گر پڑیں، حمل ساقط ہو گیا، اس صدمہ سے تاب نہ لاسکیں اور اللہ کو پیاری ہو گئیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس حادثہ کی خبر ہوئی تو آپ بہت غضب ناک ہوئے اور آپ کو اس بات سے بہت صدمہ ہوا، جب بھی اس حادثہ کی یاد تازہ ہو جاتی تو آپ دیدہ ہو جاتے؛ لیکن جب ہبار بن اسود اسلام لے آئے اور معافی کی درخواست کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف کر دیا۔

اسی طرح وحشی بن حرب جن کی ذات سے اسلامی تاریخ کے تلخ ترین حادثہ کی یاد وابستہ ہے، کہ جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

محبت بیٹھ گئی، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم اب میں یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہ تو میں وعدہ خلافی کرتا ہوں اور نہ عہد شکنی کرتا ہوں اور نہ ہی غلاموں کو روکتا ہوں، فی الوقت تم واپس چلے جاؤ البتہ اگر تمہارے دل میں یہی جذبہ، یہی ارمان، یہی تمنا، یہی خواہش رہی تو پھر واپس چلے آنا“ چنانچہ میں اس وقت تو چلا گیا؛ لیکن بعد میں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق حسنہ کی دولت سے تڑپتی انسانیت کی غمخواری کی، اپنے ازلی وابدی دشمنوں کو پتھر کے جواب میں پھولوں کا گلہستہ پیش کیا، نفرت کے اندھیروں میں الفت و محبت کی شمع روشن کی، آپسی تفرقہ بازی اور دائمی بغض و عداوت کی تیخ کٹی کر کے بھائی چارگی اور الفت و محبت کے چشمے بہائے، یہی نہیں بلکہ ذرا دو قدم آگے بڑھ کر فتح مکہ کی تاریخ کے اوراق کو الٹ کر دیکھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہیں، صحابہ کرام کی دس ہزار جمعیت آپ کے ساتھ ہے، مسلمان گویا کہ یہ اعلان کر رہے ہیں ”آج بدلے کا دن ہے، آج جوش انتقام کو سرد کرنے کا دن ہے، آج شمشیر و سناں کا دن ہے، آج گزشتہ مظالم کے

کے محبوب و مشفق چچا کو قتل کیا تھا؛ لیکن جب وہ اسلام لا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام تسلیم فرمالیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی، جب انھوں نے واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا وحشی! تمہارا قصور معاف ہے؛ لیکن تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تمہیں دیکھ کر پیارے شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

### وفا اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

وفا، انسانی اور ایمانی صفت ہے جس کے اندر وفانہ ہو وہ یقیناً انسانیت اور ایمان کے کمال سے محروم ہے۔ قرآن میں بدعہدی کو یہود جیسی مردود قوم کی صفت بتایا گیا ہے اور ایفائے عہد کو مومنوں، متقیوں اور اللہ کے نبیوں کی صفت قرار دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ میں ایک اخلاق یہ بھی ہے کہ آپ ہمیشہ وفائی کرتے تھے بے وفائی اور عہد شکنی نہیں کرتے تھے، حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کام سے بھیجا (یہ اس وقت کی بات ہے جب میں اسلام سے محروم تھا) جب میں نے آپ کی زیارت کی تو فوراً میرے دل میں اسلام کی

لہذا جو مکارم اخلاق آپ کو خالق کو نین کی طرف سے مرحمت ہوئے تھے اور جن کی تکمیل کے لیے آپ کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مکلف مخلوق کی فطرت کے جملہ مقتضیات کے عین مطابق تھے اور جن کا مقصد صرف یہی نہ تھا بلکہ ان کے ذریعہ روحانی مریضوں کو ان کے بستروں سے اٹھایا جائے اور اٹھنے والوں کو چلایا جائے اور چلنے والوں کو تیزی سے دوڑایا جائے اور دوڑنے والوں کو روحانی کمال اور اخلاقی معراج کی انتہا تک اور سعادت دنیوی ہی نہیں؛ بلکہ سعادت دارین کی سدرۃ المنتہی تک پہنچایا جائے۔

بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اخلاق حسنہ سے بھری پڑی ہے، جسے آج ہمیں اس نازک ترین حالات میں اپنانے کی ضرورت ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اخلاق کی تعلیم دوسروں کو دیں اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل پر اپنی زندگی کو سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کو اپنانے کے بعد ہمارے لیے بھی اخلاقیات کی بلند اور دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنا آسان ہو جائے گا۔

☆.....☆.....☆

زخموں پر مرہم رکھنے کا دن ہے، آج ہم اپنے دشمنوں کے گوشت کے قیے بنائیں گے، آج ہم ان کی کھوپڑیوں کو اپنی تلواروں پر اچھالیں گے، آج ہم شعلہ بوالہ بن کر خرمن کفار کو جلا کر بھسم کر دیں گے اور گزشتہ مظالم کی بھڑکتی چنگاری کو ان کے لہو سے بجھائیں گے۔“

لیکن تاریخ شاہد ہے اور زمین و آسمان گواہی دیتے ہیں کہ ایسا کچھ نہیں ہوا، رحمت نبوی جوش میں آئی اور زبان رسالت کی صدائیں لوگوں کے کانوں سے ٹکراتی ہیں ”جاؤ تم سب آزاد ہو، تم لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائیگا“..... یہ تھا آپ کا اخلاق کریمانہ، یہ تھا آپ کے اخلاقی حسنہ کا اعلیٰ نمونہ، جس کی مثال سے دنیا قاصر ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت کو اخلاقیات کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا جس کی گواہی باری تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: ”انک لعلی خلق عظیم“ ایک جگہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اخلاقیات کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں ”مجھے تو اس لیے بھیجا گیا ہے تاکہ میں نیک خصلتوں اور مکارم اخلاق کی تکمیل کروں“۔ اسی کو سراہتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے اخلاقی حسنہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ”آپ کے اخلاق قرآن ہیں۔“

## وضو..... فضیلت اور طریقہ

مولانا رضوان۔ پشاور

نماز کے لئے وضو ایسی ضروری چیز ہے کہ اسکے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں بلکہ جان بوجھ کر بغیر وضو نماز ادا کرنے کو علماء نے کفر لکھا ہے، یہ اس لیے کہ اس بے وضو یا ناپاک انسان نے عبادت کی بے ادبی اور توہین کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جنت کی کئی نماز ہے اور نماز کی کئی طہارت ہے۔“

**فضائل وضو احادیث کی روشنی میں:**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی مؤمن وضو کرتا ہے تو جس وقت چہرہ دھوتا ہے تو جیسے ہی چہرہ سے پانی گرتا ہے، یا پانی کا آخری قطرہ گرتا ہے تو اس کے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے اپنی آنکھوں سے کیے تھے۔ جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو جیسے ہی ہاتھوں سے پانی کے قطرے گرتے ہیں یا پانی کا آخری قطرہ گرتا ہے تو اس کے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے ہاتھوں سے کیے تھے اور جب وہ اپنے پاؤں کو دھوتا ہے تو جیسے ہی اس کے پاؤں سے پانی گرتا ہے یا پانی کا آخری قطرہ گرتا ہے تو اس کے وہ تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے اپنے پاؤں سے کیے تھے، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔“ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن تم اس حال میں اٹھو گے کہ تمہارا چہرہ اور ہاتھ، پاؤں وضو نہ کرنے کی وجہ سے سفید اور چمک رہے ہوں گے، لہذا جو شخص تم میں سے طاقت رکھتا ہو وہ اپنے ہاتھوں، پاؤں اور چہرے کی سفیدی اور چمک کو زیادہ کرے۔“ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”میرا حوض مقامِ عدن سے لے کر ایلہ تک کے فاصلہ سے زیادہ بڑا ہے۔ اس کا پانی برف سے زیادہ سفید، شہد ملے دودھ سے زیادہ میٹھا اور اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں سے زیادہ ہے۔ میں دوسرے لوگوں کو اس حوض سے اس طرح روکوں گا جیسے کوئی شخص اپنے حوض سے پرانے اونٹوں کو روکتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ہمیں اس دن پہچان لیں گے؟ فرمایا: ہاں تم میں ایک ایسی علامت ہے جو دوسری کسی امت میں نہیں ہوگی۔ تم جس وقت حوض پر میرے پاس آؤ گے تو تمہارے چہرے اور پاؤں آثارِ وضو کی وجہ سے سفید اور چمک دار ہوں گے۔ (مسلم شریف)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ”ایک دن صبح کو حضور اقدس ﷺ نے حضرت بلال کو بلایا اور فرمایا: ”اے بلال! کس عمل کے سبب جنت میں تو مجھ سے آگے آگے جا رہا تھا، میں رات جنت میں گیا تو تیرے پاؤں کی آہٹ اپنے آگے پائی۔ بلالؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں جب اذان کہتا ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں اور میرا جب کبھی وضو لوٹتا ہے تو وضو کر لیا کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسی سبب سے“۔ (ابن خزیمہ)

### با وضو رہنے والے کے لیے سات انعامات:

جو شخص ہمیشہ با وضو رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سات خصلتوں کی عزت بخشا ہے:

☆..... فرشتے انکے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔☆..... اعمال لکھنے والے فرشتے اس کا سارا وقت عبادت میں لکھتے رہتے ہیں۔☆..... بدن کے تمام حصے تسبیح کرتے ہیں۔☆..... جماعت میں اسکی پہلی تکبیر کبھی نہیں چھوٹی۔☆..... فرشتے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔☆..... اللہ تعالیٰ جان نکلنے کے وقت کی مشکل کو آسان فرماتا ہے۔☆..... جب تک وضو میں رہے اللہ تعالیٰ کی امان میں رہتا ہے۔

### وضو کا طریقہ:

پہلے پاکی حاصل کرنے اور ثواب پانے کی نیت کرے۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر تین بار دونوں ہاتھ کلائی تک دھوئے اور پھر تین بار کلی کرے اور مسواک کرے۔ پھر تین بار ناک میں پانی چڑھائے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرے، پھر تین بار منہ دھوئے اس طرح کہ پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کی لونت کوئی جگہ خشک نہ رہے۔ پھر تین بار دونوں ہاتھ کہنٹیوں تک دھوئے، پہلے دایاں پھر بائیں، پھر نئے پانی سے دونوں ہاتھ تر کر کے پورے سر کا ایک بار مسح کرے اس طرح کہ پیشانی کے بالوں سے دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں پھیرتا ہوا گدی تک لے جائے اور پھر گدی سے ہتھیلیاں پھیلتا ہوا واپس لائے، پھر شہادت کی انگلی سے کان کے اندرونی حصہ اور انگوٹھے کے پیٹ سے کان کی بیرونی سطح اور انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے، پھر تین بار دونوں پاؤں دھوئے اور انگلیوں کا خلال کرے، پہلے

دایاں پاؤں ٹخنوں تک بائیں ہاتھ سے دھوئے۔

### وضو کے فرائض:

وضو کے چار فرائض ہیں، جن کے بغیر وضو نہیں ہوتا: ☆..... منہ دھونا ☆..... دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا ☆..... چوتھائی سر کا مسح کرنا ☆..... دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔

### وضو کی سنتیں:

وضو کی تیرہ سنتیں ہیں: ☆..... نیت کرنا ☆..... بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا ☆..... دونوں ہاتھ کلائی تک دھونا ☆..... انگلیوں میں خلال کرنا ☆..... کلی کرنا ☆..... مسواک کرنا ☆..... ناک میں پانی چڑھانا ☆..... داڑھی کا خلال کرنا ☆..... پورے سر کا مسح کرنا ☆..... کانوں کا مسح کرنا ☆..... پے درپے وضو کرنا کہ پہلا عضو خشک ہونے نہ پائے ☆..... ترتیب قائم رکھنا ☆..... دھوئے جانے والے ہر عضو کو تین بار دھونا۔

### وضو کے بعد کلمہ شہادت سے جنت میں داخلہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اس کے بعد کہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو۔“ (مسلم شریف)

### وضو کی برکتیں:

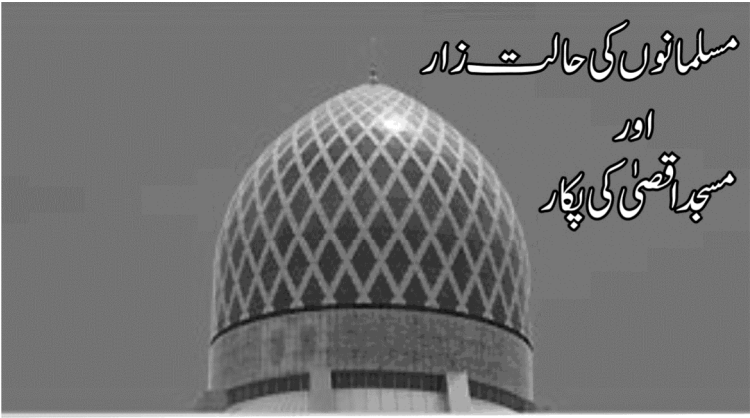
وضو ایک مقدس عمل ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرما دیتا ہے، تمام قارئین سے گزارش ہے کہ ہر وقت با وضو رہیں۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ گھر میں، جسم و جان میں، مال و اولاد میں برکات نازل فرما دے گا۔ مرد حضرات کام پر جاتے وقت، سفر کے لیے روانگی کے وقت وضو کریں۔ اسلامی بہنیں جب گھر میں کھانا پکائیں تو با وضو ہو کر آٹا گوندھیں اور ہنڈیا بنائیں، اللہ کریم کھانے میں برکت عطا کر دے گا اور اس وضو کی برکت سے پیٹ میں اللہ کا نور بھر جائے گا، روحانی علاج طلب کرنے والے سب لوگ اپنے اوپر وضو لازم کر لیں، دن رات چوبیس گھنٹے با وضو رہیں۔ انشاء اللہ ایسی برکتوں کا ظہور ہوگا کہ آپ کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اللہ کریم ہم سب کو جسمانی و روحانی طہارت و پاکیزگی عطا کرے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین)

☆.....☆.....☆



# مسلمانوں کی حالت زار

## اور مسجد اقصیٰ کی پکار



امام کعبہ شیخ ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس

حمد و صلاۃ کے بعد:

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، یہی اللہ کی نصرت اور مدد کا ذریعہ ہے اور اسی میں ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے تمام انسانوں کو بہترین دین دینے اور سچا راستہ دکھانے کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی ذمہ داریوں کو کامل احسن انداز میں نبھایا، امانت کا حق ادا کیا اور امت کے ساتھ مکمل بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ کیا۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی، آپ نے انسانوں کو روشنی دکھائی اور آپ کی نورانی تعلیم سے ساری دنیا جگمگا اٹھی۔ اس عظیم الشان مقصد کی کامیابی کیلئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین صحابہ کرام کی جماعت عطا کی۔ ان بزرگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا حق ادا کیا اور شریعت کو

دور دور تک پہنچایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق کی آواز ہر طرف پھیلائی، دعوت اور جہاد کا علم بلند کیا، اللہ نے انہیں زبردست کامیابی عطا فرمائی اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ہر طرف فتوحات بلاد سے نوازا۔ ان کے قدم جہاں جہاں پڑے شرک اور بت پرستی کا خاتمہ ہوا۔ اس دین اور اس کے ساتھ اخلاص کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان اونٹوں کے چرواہوں کو انسانیت کا قائد اور رکھوالا بنا دیا۔ انہوں نے کرۂ ارض سے ظلم کا خاتمہ کیا، انصاف کو عام کیا، عدل و انصاف اور حکومت کے ایسے نقوش چھوڑے کہ اس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی لیکن کتنے قلق کی بات ہے کہ یہ سنہرا دور ابتدائی تین صدیوں تک جاری رہا، پھر مختلف قسم کے فتنوں نے جنم لیا، ہوائے نفسانی اور ذاتی اغراض کی کثرت سے ان کی صفوں میں انتشار پھیل گیا۔ ان میں گروہ بندیوں اور فرقہ واریت نے سر اٹھایا

پھر وہ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ اس طرح انہوں نے خود آپس میں ایک دوسرے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”اور ہر وہ گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اتر رہا ہے۔“

پھر اختلافات شدید تر ہوتے گئے، انسانیت اور خود پسندی نے مزید ہوادی، لوگوں نے اپنے قد بلند کرنے کیلئے اپنے اصل مقصد کو پیچھے ڈھکیلنا شروع کیا، اصل مشن سے توجہ ہٹ گئی، پھر دشمنوں کے دل سے ان کا رعب ختم ہو گیا، انہیں مختلف محاذوں پر پسپائی ہونے لگی۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ کا دین ہمارا محتاج نہیں، وہ ہر صورت میں پھیل کر رہے گا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ اپنا نور پورا کرے، خواہ کافروں کو برا ہی لگے۔“

جہاں تک ہماری حالت ہے، وہ سب پر عیاں ہے۔ ہمارے اختلافات اور دین سے بیزاری کے سنگین اثرات ہر میدان میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ عقائد و اعمال، افکار و خیالات اور امکان مقدسہ ہر جگہ مخالفینِ اسلام کی در اندازی ہو رہی ہے۔ ہمارے خلاف ان کی ریشہ و انیاں بڑھ رہی ہیں۔ مختلف بہانوں سے شعائرِ اسلامی کے خلاف پروپیگنڈہ ہو رہا ہے۔ نتیجے میں ہم نے اسلاف کی میراث گنوا دی ہے، احکامِ دین کو کھودیا ہے۔ جن علاقوں کو ہمارے اسلافِ کرام نے اپنی محنت شاقہ

سے حاصل کیا، وہ ہم نے تن پروری اور اسلام بیزاری کے باعث گنوا دیے، پھر جن بزرگوں نے زمین میں دینِ حق، امن و امان اور عدل و انصاف کی آبیاری کی، آج ان کی نسلیں اپنی عزت کی بھیک مانگ رہی ہیں، آج انہیں ان کے علاقوں کے مال و دولت سے محروم حتیٰ کہ ان کے مقدس مقامات سے بے دخل کیا جا رہا ہے، وہ در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور پھر زمانے اور زندگی کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ہمارے ان رستے ہوئے زمنوں پر مرہم رکھنے کے بجائے اقوامِ عالم نمک پاشی کر رہی ہیں، عدل و انصاف کے پیانے بدل گئے ہیں، ظالم کو مظلوم اور خونخوار کو غنچوار کے روپ میں پیش کیا جا رہا ہے اور عالمی ادارے مسلمانوں کے حقوق سے گویا اپنی آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔ یہ تو مخالفینِ اسلام کی داستانِ الم ہے لیکن خود ہم کیا کر رہے ہیں؟..... یہ بات اقوامِ عالم اور بین الاقوامی اداروں کے کردار سے زیادہ الم انگیز ہے، یعنی ایک طرف تو دشمنانِ اسلام کی ہمارے خلاف یہ کارستانیاں زور و شور سے جاری ہیں اور دوسری طرف ہماری بے حسی کا عالم یہ ہے کہ ہم آپس میں دست و گریباں ہیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں سرگرداں ہیں، ہماری توانائیاں ایک دوسرے کو ذلیل کرنے میں صرف ہو رہی ہیں۔ جو اسلحہ مظلوم کا تحفظ کا ذریعہ بننا چاہیے اب اس کی زد میں خود ہمارے ہی بھائی کا سینہ ہے۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے۔

برادرانِ عزیز! نقشہٗ عالم پر پھیلے ہمارے

میں دی تھی، نتیجہ دکھائی دیا تو انہیں اس راہ میں دی جانے والی اپنی قربانیاں کارگر دکھائی دے رہی تھیں۔ اچانک جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ بدلا، مجاہدین کی گولیوں کا نشانہ خود مجاہدین بننے لگے بلکہ ایسی تباہ کن خوزیزی ہوئی اور ہورہی ہے جو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ انہیں چاہیے تھا کہ اپنے اختلافات کا قابل عمل حل ڈھونڈتے، آپس میں بیٹھ کر مسئلے سلجھاتے اور اسلامی شریعت کو بطور قانون نافذ کرتے لیکن انہوں نے ان خفیہ ہاتھوں کو نہیں پہچانا جو انہیں لڑا کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ملک کو برباد کیا، اس کا امن تاراج کیا اور لوگوں کو کنگال کر ڈالا..... ہم افغان بھائیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ امت مسلمہ کی اُن امیدوں پر جو آپ سے وابستہ کی گئی تھیں، پانی نہ پھیریں، اسلام کی لاج رکھ لیں، عقیدہ توحید باری تعالیٰ کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی اُنا اور شخصیت پرستی سے باز آئیں، قومی فائدوں کو ذاتی مفادات پر ترجیح دیں، اپنے عہدوں اور منصب کی خاطر قوم و ملت کا سودا نہ کریں، اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

عربی اشعار

”عالم اسلام کا حال کٹے ہوئے درخت کے تنے کی طرح ہے جس پر کفر کا غلبہ ہے، ان مساجد کے مینار مرثیہ خواہ ہیں اور ان کے بوسیدہ منبر شکوہ کننا ہیں۔ بہت سے کمزور فریادی ہم سے مدد

مختلف مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مسجد اقصیٰ کا معاملہ ہے جو قبلہ اول ہے، جو اسلام کی تین مقدس مساجد میں سے ایک ہے۔ اس وقت وہاں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، دنیا اس کی چشم دید گواہ ہے۔ ہر چند صیہونی لوگ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کتنی ہی کوشش کریں، صیہونی کی تاریخ مکرو فریب، چالاکی و سفاکی اور جارحیت سے بھری پڑی ہے۔

بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ سربوں و رندوں نے کیا، وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ بوسنیا، بالخصوص سرائیوو اور سربرینیکا کے مسلمانوں اور ان کی مساجد و مدارس کے ساتھ عیسائیت پرستاروں نے جو وحشیانہ سلوک کیا، دنیا اس کا تماشا دیکھ رہی ہے، صومالیہ پر جو قیامت ٹوٹی اس سے کون واقف نہیں! صومالیہ کے غریب مسلمان اپنے ہی ملک میں امن و سلامتی کیلئے پریشان ہیں۔ افغانستان کی جو صورتحال ہے اُسے دیکھ کر رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کون کس کا دشمن ہے؟ کس کی گولی کا کون نشانہ بن رہا ہے؟ کون کس کا سینہ چھلنی کر رہا ہے؟ اس المیے پر غور کیجئے۔ اس کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیجیے، افغان باشندوں کی جرأت اور بہادری کو دیکھیے کہ انہوں نے وقت کی عظیم طاقت کمیونسٹ سوویت روس سے مقابلہ کر کے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی جس سے تمام مسلمانوں کے سرفر سے بلند ہو گئے۔ انہیں اپنی قربانی کا، جو انہوں نے مال و دولت اور افراد کی شکل

کیا ہے۔ یہ کسی پراحسان نہیں بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے جو ہم انجام دے رہے ہیں لیکن اس میں کامیابی کیلئے ضروری ہے کہ ہم خیر کے کاموں میں ایک دوسرے کے ہمدرد اور مددگار بنیں اور شر کی روک تھام کی کوشش کریں۔

امت مسلمہ جن حالات سے دوچار ہے ان سے عہدہ برآ ہونے اور اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم لفاظی اور بیان بازی سے بلند ہو کر عملی اقدامات کریں۔ یہ تمام مسلمانوں کی اہم ذمہ داری ہے، ہر شخص اپنی ذمہ داری محسوس کرے، اپنے ایمان کو مضبوط کرے، تعلیمی میدانوں میں ترقی کرے، عقلمندی اور حکمت کا مظاہرہ کرے تاکہ وعدہ ربانی پورا ہو کیونکہ اللہ کا وعدہ، جو اس نے عالمین دین اسلام سے کیا ہے، پورا ہو کر رہے گا، شب تاریک سے صبح روشن نمودار ہو کر رہے گی، انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ”جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کیلئے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائدار کر دے گا جو اس نے ان کیلئے چنا اور یقیناً ان کی حالت خوف بدل کر وہ ضرور انہیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“

طلب کرتے ہیں، جن میں سے بعض کو قتل کیا جا چکا اور بعض کو قیدی بنالیا گیا لیکن کوئی انسان ظالم قوتوں سے نپٹنے کیلئے تیار نہیں۔ یہ وہ صورتحال ہے جس پر انسان کا دل پگھل جائے بشرطیکہ دل میں اسلام اور ایمان کا نور ہو۔“

مسلمان حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اقتدار سے نوازا تاکہ عدل وانصاف کو عام کریں، ظلم کا خاتمہ کریں، شرعی قوانین نافذ کریں اور امت مسلمہ کے مسائل حل کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

علماء کرام جو وارثین انبیائے کرام ہیں، جنہیں حق بات کے اعلان و اظہار کی تاکید کی گئی ہے وہ کتمانِ حق کے مجرم نہ بنیں، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کریں، اپنے فرائض ادا کرنے میں کسی طرح کی مدہ انت نہ کریں، بصیحت کرنے کی ذمہ داری پوری کریں، خیر خواہی کریں اللہ کے دین سے، اس کی کتاب سے اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمان ائمہ اور عوام کے ساتھ۔

واعیان دین کو چاہیے کہ وہ منہج سلف صالحین کو سمجھیں اور اس کے مطابق دعوتی فرائض انجام دیں، دعوت دین کا پرچم بلند کرنے کیلئے گروہ بندی، فرقہ واریت اور ذاتیات کو ترک کریں، خیر خواہی اور بھلائی کو عام کرنے میں تعاون کریں ورنہ ان کی نافرمانی بدترین نتائج کا سبب بنے گی۔ الحمد للہ! اس ملک کا امتیاز ہے کہ یہاں کے حکمرانوں اور علماء نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں نمایاں کردار ادا

شاعر کہتا ہے:

ترجمہ:..... ”بہت سے ننگ و تاریک مقامات سے، جہاں امیدیں جواب دے جاتی ہیں اور مایوسیوں ڈیرے ڈال لیتی ہیں، اللہ تعالیٰ نکلنے کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔“

اللہ ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

☆.....☆.....☆

اتابعد:

”ہر قسم کی حمد کیلئے ہے جس نے مسجد اقصیٰ کے اطراف کے علاقے کو بابرکت بنایا اور جس نے اللہ کی بندگی سے منہ موڑا وہ اس کے دربار سے دور ہوا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے رب کے پیغام کو بلا کم و کاست دوسروں تک پہنچایا۔ اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر اور قیامت تک آنے والے ان سب لوگوں پر جو آپ ﷺ کی اتباع کریں۔“

حمد مصلۃ کے بعد:

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ سب سے سچی کتاب، اللہ کی کتاب ہے، بہترین راستہ حضرت محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بری بات یہ ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کی جائے، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

برادرانِ اسلام! مسجد اقصیٰ کے بارے میں یہ بات ہر ایک کے ذہن میں ہونی چاہیے کہ یہ خالص اسلامی مسئلہ ہے، اس پر کوئی خفیہ سمجھوتہ کبھی نہیں ہو سکتا، نہ کوئی اس حقِ اسلامی سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کا معاملہ مسلمانوں کے اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے، مسجد اقصیٰ اسلام کی تین مقدس مساجد میں سے ایک ہے، مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے، مسجد اقصیٰ سفر معراج کا اسٹیشن ہے لیکن افسوس! اس وقت وہاں جو حالات ہیں انہیں دیکھ کر کبچہ منہ کو آنے لگتا ہے اور دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے کہ کس جرأت اور بیباکی سے بندروں اور خنزیریوں کے بھائی بنداس کو منہدم کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہاں بزعم خود ہیکل تعمیر کر سکیں۔ اللہ محفوظ رکھے۔ اس حالت میں جب کہ مخالفین کے یہ ناپاک عزائم ہیں دوسری طرف انقاضہ اسلامی سے وابستہ ہمارے بھائی ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ مسجد اقصیٰ کے دفاع کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں اور ان سے ہر طرح کا تعاون کریں تاکہ وعدہ حق پورا ہو۔

(وَمَا ذَلِك عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ)

”اور اللہ پر کچھ مشکل نہیں“

دروودِ سلام پڑھیے صاحبِ اسراء و معراج رسول معظم پر۔ ﷺ



# اسلامی حجاب اور موجودہ دور کے فیشنی برقعے

اہلیہ مفتی محمد قاسم

پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے تو اس کے لیے سخت عبرت ناک سزاؤں کا اعلان کیا، یہ سب اس لیے کیا، تاکہ معاشرہ سے بے حیائی اور آوارگی ختم ہو جو انسانیت کے لیے نہایت ہی مہلک ہے اور معاشرہ میں عصمت و عفت کے پھول کھلیں اور انسان ایک صالح زندگی گزار سکیں، یہ حقیقت ہے کہ فحاشی و بے حیائی اور جنسی انارکی کے خاتمہ کے لیے پردہ ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے؛ اسی لیے اسلام نے پردہ پر بہت زور دیا۔

قرآن کریم نے عورتوں کو غیر محرم اور اجنبی مردوں کے سامنے بے تکلف نکلنے سے روکتے ہوئے ہدایت دی:

ترجمہ: ”تم اپنے گھروں میں رہا کرو اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نہ پھرو۔“

اس آیت کریمہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عورت کی جو عادت پسند ہے وہ یہ ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں، ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لیے ہوئی ہے، وہ انہیں میں مشغول رہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب کہ انسانیت دم توڑ رہی تھی، فحاشی و بے حیائی اور جنسی انارکی بھی عروج پر تھی، پردہ کا ماحول بالکل ختم ہوتا جا رہا تھا، سوائے عرب کے کچھ شریف خاندانوں کے جو اس آوارگی سے دور تھے اور اس کو معیوب سمجھتے تھے؛ لیکن اکثریت فحاشی اور بے حیائی کے اس سیلاب میں بہتی جا رہی تھی اور یہ بے حیائی اس حد تک بڑھ رہی تھی کہ عورتیں بے شرمی کے ساتھ بلا جھجک اجنبی مردوں کے سامنے بازاروں اور گلی کوچوں میں بے پردہ بن ٹھن کر پھرا کرتی تھیں، کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا، اسلام نے اس آوارگی اور بے حیائی پر سختی سے روک لگائی، عورتوں اور مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، خواتین کو گھروں کی چہاردیواری میں محدود رہنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لیے بھی برقع یا لمبی چادروں سے پورا بدن چھپا کر اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگا کر، بجنے والا زیور پہن کر باہر نکلنے کی ممانعت کی اور پھر جو ان سب حدود و قیود اور

اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ گھروں میں رہنا ہے۔ (معارف القرآن ۷/ ۱۳۳)

پردہ کی ابتداء ازواجِ مطہرات کے گھروں سے کی گئی اور عام لوگوں کو حکم ہوا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں اور اگر امہات المؤمنین سے کوئی سامان وغیرہ لینا چاہتے ہیں تو پردے کے پیچھے سے لیا کریں۔

ترجمہ: ”اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔“ (سورہ احزاب: ۵۳)

آیت کریمہ کی پرواز صاف بتا رہی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان دلی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے پردہ کا اہتمام نہایت ہی ضروری ہے، جب دل صاف ہوں گے تو معاشرہ میں فحاشی اور بے حیائی کا فروغ نہیں ہوگا، امت کی پاکیزہ ترین خواتین یعنی ازواجِ مطہرات اور امت کے پاک باز ترین افراد یعنی صحابہ کرامؓ کو یہ تاکیدِ حکم دیا جانا پردہ کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔ پھر یہ حکم ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کے ساتھ خاص نہیں رہا، بلکہ ساری امت کے لیے عام ہوا۔ یعنی مردوں کو عورتوں سے اگر کوئی استغالی چیز برتن کپڑا وغیرہ لانا ضروری ہو تو بے پردہ آکر نہ لیں؛ بلکہ پردہ کے پیچھے سے مانگیں اور پردہ کا حکم مردوں اور عورتوں کو نفسانی وسوسے سے پاک رکھنے کے لیے ہے۔ جب نفوس محفوظ ہوں گے تو معاشرہ بھی محفوظ ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے دنیا سے بے حیائی اور آوارگی کو ختم کرنے کے لیے اور عفتِ مآب معاشرہ عطا کرنے کے لیے حجاب کا حکم دیا ہے، اسلامی حجاب ہی وہ واحد شے ہے جس سے عورتوں کا صحیح معنی میں تحفظ ہو سکتا ہے، اس حجاب کو اپنائے بغیر نہ تو فواحش و منکرات پر بند لگ سکتا ہے اور نہ بے حیائی اور آوارگی ختم ہو سکتی ہے۔ حجاب کے بغیر عورتوں کے تحفظ کا خیال ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا، یقیناً اسلامی حجاب پوری انسانی برادری کو پرسکون اور باوقار زندگی عطا کرنے کی فطری تدبیر اور یقینی ضمانت ہے؛ اسی لیے اسلام نے پردہ کی بہت زیادہ تاکید کی ہے، قرآن کریم میں سات آیتیں پردہ نسواں اور اس کی تفصیلات کے متعلق نازل ہوئیں اور ستر سے زیادہ احادیث میں قولاً اور عملاً پردے کے احکام بتائے گئے۔

اسلامی حجاب کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام نے عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا کہ وہ ہمیشہ اندر ہی رہیں کبھی باہر نہ نکلیں، جیسا کہ آج کے نام نہاد روشن خیال اور جدید تہذیب کے جھوٹے علمبرداروں کا خیال ہے؛ بلکہ اسلام نے خواتین کو ضرورت کے وقت پردہ کے ساتھ باہر نکلنے کی اجازت دی ہے؛ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: ”اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہہ دیجیے کہ وہ اپنی چادریں تھوڑی سی اپنے اوپر لٹکائیں، اس میں یہ قریب ہے کہ پہچانی جائیں اور کوئی ان کو نہ ستائے اور اللہ تعالیٰ



مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”تمہارے لیے اس کی اجازت ہے کہ تم اپنی ضرورت کے لیے گھر سے باہر نکلو“، (مسلم شریف) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل آیت حجاب نازل ہونے کے بعد اس پر شاہد ہے کہ ضرورت کے مواقع میں عورتوں کو گھروں سے پردہ کے ساتھ باہر نکلنے کی اجازت ہے جیسا کہ حج و عمرہ کے لیے ازواج مطہرات کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس کی کیفیت کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

”قافلے ہمارے پاس سے گذرتے تھے اور ہم بحالت احرام نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے تو جب قافلہ کے لوگ ہمارے سامنے آتے تو ہم اپنی چادر سر سے چہرے پر لٹکا لیتے تھے اور جب قافلے آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول لیتے تھے۔“ (ابوداؤد شریف ۱/۲۵۳)

دیکھیے! امت کی سب سے پاکیزہ ترین خواتین ازواج مطہرات پردہ کا کس قدر اہتمام فرما رہی ہیں۔ اسی طرح بہت سی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ازواج مطہرات اپنے والدین وغیرہ سے ملاقات کے لیے گھروں سے نکلتی تھیں اور عزیروں کی بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ میں بھی شرکت کرتی تھیں؛ لیکن ان تمام صورتوں میں پردہ کا مکمل اہتمام رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح مومن عورتیں جب ضرورت کے وقت گھروں سے باہر نکلا کرتی تھیں تو برقع اور موٹی لمبی چادریں لپیٹ کر نکلا کرتی تھیں،

بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ (احزاب: ۵۹) آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ اگر خواتین کو ضرورت کے وقت باہر نکلنا پڑے تو وہ لمبی چادریں (یا برقعہ وغیرہ) پہن کر باہر نکلیں۔ اس سے پردہ شرعی کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور بہت سہولت کے ساتھ اوباش اور شریر لوگوں سے حفاظت بھی۔

جلایبب جلباب کی جمع ہے، جو عربی لفظ ہے، ’لمبی چادر‘ کو کہا جاتا ہے، جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے، جس کی ہیئت کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ وہ چادر ہے جو دوپٹہ کے اوپر اوڑھی جاتی ہے (ابن کثیر) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی ہیئت یہ بیان فرمائی:

”اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے چادر لٹکا کر چہروں کو چھپالیں اور صرف ایک آنکھ (راستہ میں دیکھنے کے لیے) کھلی رکھیں۔“ (تفسیر ابن کثیر)

امام محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ مشہور تابعی حضرت عبیدہ نے اس آیت کی عملی تفسیر فرماتے ہوئے چادر کو چہرے پر اس طرح لپیٹا کہ صرف ایک آنکھ نظر آرہی تھی (احکام القرآن ۳/۳۷۱) گویا موصوف نے آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ عورت پورے بدن کو چہرے سمیت ڈھانک لے اور صرف بہ قدر ضرورت ایک آنکھ کھولے رکھے؛ تاکہ راستہ میں دیکھ کر چلنے میں دشواری نہ ہو۔

خود نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازواج

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

ترجمہ: ”جب یہ آیت نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں اس حالت میں کالا لباس پہنے ہوئے گھر سے نکلیں گویا ان کے سروں پر کالے کوٹے بیٹھے ہوں۔“ (ابوداؤد شریف: ۲/۵۶۷)

ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے: ”ایک عورت کا لڑکا جنگ میں شہید ہو گیا، تو تحقیق کے لیے اس کی والدہ برقع کے ساتھ پورے پردے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، مجلس میں موجود صحابہ کرام تعجب سے کہنے لگے کہ اس پریشانی میں بھی نقاب نہیں چھوڑا، صحابیہ نے جواب دیا کہ میرا یتیم ہو گیا میری شرم و حیا تو نہیں گم ہوئی۔“ (ابوداؤد شریف: ۱/۳۷۷)

### اسلامی حجاب اور دورِ حاضر کے فیشن برقع

اسلامی حجاب عورت کا وقار ہے، خواتین میں جو برقع پہننے کا رواج ہوا ہے یہ دورِ نبوت کی پاکیزہ خواتین اسلام کے عمل سے ہی ماخوذ ہے، برقع بھی اسی چادر کے قائم مقام ہے جس کا تذکرہ قرآن کریم میں لفظِ جلباب سے کیا گیا ہے؛ البتہ پہلے زمانے میں برقع کالے رنگ کے ڈھیلے ڈھالے ہوا کرتے تھے اور خواتین اسی قسم کے برقعوں کو پسند کرتی تھیں، جو پورے بدن کو بھی چھپا لیتے تھے اور عورت کی شرافت کو بھی ظاہر کرتے تھے؛ لیکن آج کے دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ مارکیٹ میں ایسے برقعے آگئے ہیں جن سے برقع کا مقصد ہی فوت ہو رہا ہے، کپڑا اتنا باریک کہ جس سے اندر تک کالاس نظر

آتا ہے۔ سائز اتنا تنگ کہ جس سے جسم کی ساخت بھی ظاہر ہوتی ہے، رنگ برنگ دھاگوں کے پھول، ڈیزائن، رنگوں، چمکیوں اور موتیوں وغیرہ سے مزین بڑے بڑے قیمتی اور جاذبِ نظر برقعے آج مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ جن کے پہننے سے کبھی برقع کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو بجائے حیا کے بے حیائی کو ظاہر کرتے ہیں اور ساتھ ہی بہت سی خواتین پورا چہرہ یا آدھا چہرے کھلا رکھتی ہیں اور برقع پہننے کے باوجود سر کے بال برقع کے باہر ڈالے رکھتی ہیں اور بعض خواتین نوزائیدہ لگاتی ہیں کہ پیشانی، بھوئیں اور ناک کا حصہ کھلا رہتا ہے، جو کھلی ہوئی بے حجابی اور بے غیرتی ہے۔

مشہور مفسر علامہ آلوسیؒ اپنی معرکۃ الآراء تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

”یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ میرے خیال میں جس طرح کی زینت کا اظہار شریعت میں منع ہے اس میں یہ بھی ہے جو ہمارے زمانہ کی مال دار عورتیں اپنے کپڑوں کے اوپر پہنتی ہیں اور گھر سے باہر نکلتے وقت ان کپڑوں سے پردے کا کام لیتی ہیں؛ حالانکہ وہ رنگ برنگ ریشمی دھاگوں سے بنا ہوا برقع ہوتا ہے جس میں سونا یا چاندی کی نقش نگاری ہوتی ہے جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ شوہر وغیرہ کا ان عورتوں کو اس انداز میں گھر سے نکلنے اور اجنبی مردوں کے درمیان آنے جانے پر روک ٹوک نہ کرنا بے غیرتی پر مبنی ہے جس کا چلن آج کل بہت عام

ہو گیا ہے۔ (روح المعانی ۱۸/۱۴۶)

ان فیشن ایبل برقعوں کے متعلق مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ”جب زیور کی آواز تک کو قرآن کریم نے اظہارِ زینت میں قرار دے کر ممنوع کیا ہے تو مزین رنگوں کے کامدار برقعے پہن کر نکلتا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔“ (معارف القرآن ۶/۴۰۷)

احمد بن مالک لکھتے ہیں:

”فتنے کے اندیشہ کی وجہ سے عورتوں پر واجب ہے کہ وہ مزین اور نقش و نگار والے برقعوں کے بجائے سادہ برقع پہن کر اجنبی مردوں سے پردہ کر کے باہر نکلیں۔“ (حاشیہ الصاوی ۵/۵۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”اے لوگو! تم اپنی عورتوں کو زینت اور اترانے والے برقعے اور چادر پہن کر مساجد جانے سے روکو؛ اس لیے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں پر زینت اور اترانے والے لباس پہن کر مسجدوں میں جانے کے سبب لعنت ہوئی تھی۔“ (فتح القدیر ۱۰/۳۷۶)

لہذا لازم ہے کہ خواتین ڈھیلے ڈھالے، سادے اور غیر جاذبِ نظر برقعے پہن کر ہی باہر نکلیں اور یہ بات یاد رکھیں کہ برقعے زینت کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ زینت کو چھپانے کے لیے ہیں۔

### چند امور کا اہتمام

خواتین درج ذیل امور کا خاص طور سے خیال رکھیں:

(۱)..... اصل پردہ گھر میں رہنا ہے، لہذا اپنے گھریلو کاموں میں مشغول رہیں بغیر کسی ضرورتِ شدیدہ کے باہر ہرگز نہ نکلیں، حدیث میں

ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”عورت کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں، سوائے

اس کے کہ کوئی مجبوری کی صورت پیش آجائے۔“

(کنز العمال: ۸/۲۶۳)

(۲)..... اگر کسی شدید ضرورت کی وجہ سے باہر نکلتا پڑے تو برقع وغیرہ پہن کر ہی نکلیں۔

(۳)..... برقع کا کپڑا سادہ ہو، نقش و نگار اور

پھول پتیوں سے مزین بھڑک دار نہ ہو، اتنا باریک نہ ہو جس سے اندر تک کا لباس نظر آئے۔

(۴)..... برقع کا سائز اتنا بڑا ہو کہ مکمل بدن

ملبوس کپڑوں کے ساتھ چھپ جائے، اتنا چست نہ ہو کہ جس سے جسم کی ساخت ظاہر ہونے لگے۔

(۵) نقاب اس طرح لگائیں کہ پیشانی،

بھویں اور ناک کا حصہ نظر نہ آئے، بہتر یہ ہے کہ آنکھوں پر جالی دار کپڑا لگالیں۔

(۶)..... اوڑھنی اتنی بڑی ہو کہ جس سے گردن

بال اور سینے کا حصہ اچھی طرح چھپ جائے۔

(۷)..... اوڑھنی کے ذریعہ سر کے بالوں کو

چھپانے کے ساتھ ساتھ چوٹی کے بالوں کو بھی اندر کر لیں؛ کیوں کہ سر اور بال دونوں ستر میں داخل

ہیں جن کا چھپانا ضروری ہے۔ (ہندیہ ۱/۵۸)

نیز ایسی عورتیں جو اپنے بال وغیرہ مردوں کو

دکھاتی ہیں وہ قیامت کے دن سخت سزا کی مستحق ہوں گی جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کی

توفیق عطا فرمائے، آمین! ☆.....

# فتنہ قادریانیت کو کچپاؤ

عائشہ سرفراز

پیچھے سے حملہ کرتا ہے۔ شیطان بھی بنیادی طور پر بزدل اور نامراد قسم کی چیز ہے اسی لئے وہ ہمیشہ انسان کو دوستی کے روپ میں آکر ورغلاتا اور بہرکاتا ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ اس کا یہ حربہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی چلا آ رہا ہے، جب شیطان نے عبداللہ بن ابی منافق کی شکل میں آپ ﷺ کا اعتماد حاصل کر کے دینی اور اہل دین کے خلاف سازش کا جال بٹا، جس کی اطلاع ہمارے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی دے دی گئی اور یوں اس منافق اعظم کی اصلیت سامنے آئی۔

عبداللہ بن ابی منافق کے جہنم رسید ہونے کے بعد شیطان نے اس کی نسل کو اپنے جال میں پھنسانے کا کام اپنے ذمے لے لیا اور ہر دور میں اس کی نسل کے بڑے بڑے منافقوں کو نئے نئے طریقوں سے انسانیت کے خلاف کھڑا کیا تاکہ

ہمیشہ یاد رہتی ہے حدیث ”لا نبی بعدی“ میرے ایمان کی بنیاد ہے ختم نبوت پر شیطان روزِ ازل سے انسان کے تعاقب میں ہے اور اُسے تباہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ دھوپ کے ساتھ جیسے سایہ، صحت کے ساتھ بیماری، نیکی کے ساتھ بدی، اچھائی کے ساتھ بُرائی کی عداوت و دشمنی ایک تو اتر سے چلی آرہی ہے مگر ان سب سے بڑھ کر جو عداوت مستقل اور قدیم ہے وہ ہے ہدایت کے ساتھ گمراہی کی عداوت و دشمنی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں ﷺ تک جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے شیطانی طاقتوں نے ان کے ساتھ دشمنی کا رویہ اپنایا، یہاں تک کہ انہیں جان تک سے مار دینے کی کوششیں کیں۔

بزدل اور عیار دشمن کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ گھلے عام وار کرنے کے بجائے ہمیشہ پیٹھ

نسلِ انسانی کو گمراہ کر کے اپنے جال میں پھسانے کی کوشش پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

برصغیر میں شیطان نے عبداللہ بن اُبی کی نسل کے جس فرد کو چنادنیا اُسے مرزا قادیانی کے نام سے جانتی ہے۔ جس نے پوری دنیا میں غلاظت اور جنسیت کی وبا پھیلا دی، جس پر شیطان بہت خوش ہوا کہ اُس کے شاگرد نے شاگردی کا حق ادا کر دیا۔

نصرانیت کی کوکھ سے جنم لینے والے مرزا قادیانی کی پرورش یہودیت کے گہوارے میں ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک سست ترین کاہل ”بجّو“ جیسے شخص کو مہدی، مسیح موعود یہاں تک کہ نعوذ باللہ ظلی نبی تک کہا جانے لگا۔ دُنیا کی ہر زبان میں جس قدر بھی گالیوں کا ذخیرہ ہے اسے اکٹھا کر لیا جائے تب بھی مرزا قادیانی کیلئے ناکافی بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔

آج کل کمپیوٹر کے دور میں اس فتنہ قادیانیت نے جس جدید انداز میں کمزور ایمان کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے اس کا توڑنا اور ان کی مکروہ سازشوں اور تدبیروں کے بے نقاب کر کے ان کا اصلی چہرہ سامنے لانا نہایت ضروری ہے تاکہ یہ ذلیل گروہ عام مسلمانوں کی متاعِ زیست، عقیدہ ختم نبوت پر ایمان کو ڈاکہ زنی کا شکار نہ بنا سکیں۔

☆.....☆.....☆

قادیانیت:

قادیانیت کیا ہے؟

قادیانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کا نام ہے..... قادیانیت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بعض وعناد کا ایک دہکتا ہوا آتش و فشاں ہے..... قادیانیت شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ڈاکہ زنی کا نام ہے..... قادیانیت جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور سچی نبوت کے متوازی مرزا قادیانی کی مکروہ انگیریزی نبوت کا نام ہے..... قادیانیت، یہودیت کا دوسرا نام ہے اور بقول شاعر علامہ اقبال ”قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے“..... قادیانیت مسیلمہ کذاب کے غلیظ اور پلید مشن کا نجس اور منحوس نام ہے.....

فتنہ قادیانیت کے بانی مرزا قادیانی نے ۱۹۰۱ء میں فرنگیوں (انگریزوں) کے اشارہ پر نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا۔ اس کذاب نے نہ صرف نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ یہ بد بخت کبھی عالم کے روپ میں سامنے آیا، کبھی اپنے آپ کو محمدؐ دکھا، کبھی مامورِ من اللہ بنا، کبھی خود کو محمدؐ دکھا، کبھی اپنے آپ کو زمانے کا امام لکھا تو کہیں مہدی کا بہروپ اختیار کیا، کبھی مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا، کبھی ظلی و بروزی نبی بنا۔ کبھی ظلی طور پر محمد رسول اللہ بنا (نعوذ باللہ) اور آخر ۱۹۰۱ء میں تمام حدود پھیلا گئے ہوئے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کر دیا.....

اُف یوں ہوتو ہین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ملک

ہمارا ہو

کیوں نہ جگر ہو ٹکڑے ٹکڑے اور دل پارہ

پارہ

ہو

مرزا قادیانی اور اس کی امت خبیثہ کے عقائدِ باطلہ ملاحظہ فرمائیں کہ ان قزاقوں نے کس طرح شعائر اور اصطلاحاتِ اسلامی کو مسخ کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے، ان کے نزدیک .....

### قادیانی کلمہ:

قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ میں محمد سے مراد (نعوذ باللہ) مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

”مسح موعود“ مرزا غلام احمد قادیانی خود محمد رسول اللہ ہیں جو اشاعتِ اسلام کیلئے دوبارہ تشریف لائے۔ اس لئے ہم مرزائیوں کو کسی نئے کلمے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی“ (نعوذ باللہ) (بحوالہ: مکتبۃ الفضل ص: ۱۵۸)

### مرزا قادیانی کی شان:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا قادیانی کی ٹھیک وہی شان ہے، وہی نام، وہی مرتبہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا“ (نعوذ باللہ) (بحوالہ: اخبار الفضل: ۱۴ ستمبر ۱۹۱۵ء قادیانی مذہب)

☆.....☆.....☆

### تمام انسانوں کیلئے نبی اور رسول:

”قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ چودھویں صدی کے تمام انسانوں کیلئے نبی اور رسول مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ (نعوذ باللہ) (بحوالہ: تذکرہ ص: ۳۶۰ طبع دوم)

### مرزا رحمۃ اللعالمین ہے:

”قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ رحمۃ اللعالمین مرزا غلام احمد قادیانی ہے“۔ (نعوذ باللہ) (بحوالہ: تذکرہ ص ۸۳، طبع دوم)

☆.....☆.....☆

### مرزا قادیانی باعثِ تخلیقِ کائنات ہے:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ آسمان وزمین اور تمام کائنات کو صرف اور صرف مرزا قادیانی کی خاطر پیدا کیا گیا۔ (نعوذ باللہ) (بحوالہ: قادیانی مذہب ص: ۲۶۴)

☆.....☆.....☆

### مرزا قادیانی کی روحانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تھی:

”قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ روحانی ترقیات کی طرف پہلا قدم تھا اور مرزا قادیانی کے زمانے میں روحانیت کی پوری تحلی ہوئی“۔ (نعوذ باللہ) (بحوالہ: حقیقۃ الوحی ص: ۸۹)

☆.....☆.....☆

### مرزا قادیانی کا اسلام افضل ہے:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا اسلام پہلی رات کے چاند کی طرح ناقص اور بے نور تھا اور مرزا قادیانی کے زمانے کا اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح تاباں اور درخشاں ہے“۔ (نعوذ باللہ) (بحوالہ: خطبہ البہامیہ ص: ۹۳، طبع اول)

### مرزا قادیانی کے معجزے

آنحضرت ﷺ سے زیادہ ہیں:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات تین ہزار تھے۔“ (بحوالہ لڑوہ ص: ۶۳)

”اور مرزا قادیانی کے معجزات تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔“ (بحوالہ حقیقۃ الوحی ص: ۶۷)

مرزا قادیانی ذہنی طور پر

آنحضرت ﷺ سے افضل ہے:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ مرزا قادیانی کا ذہنی ارتقاء آنحضرت ﷺ سے زیادہ ہے۔“

(نعوذ باللہ) (بحوالہ قادیانی مذہب ص: ۲۴۱)

آنحضرت ﷺ مرزا قادیانی کی شکل میں

دوبارہ تشریف لائے ہیں:.....

قادیانی عقیدہ ہے کہ:

محمد پھر اُتر آئے ہم میں

اور آگے سے بڑھ کر ہیں اپنی شان میں

محمد دیکھنے ہو جس نے اکمل

غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(نعوذ باللہ) (بحوالہ اخبار ”بد“ قادیان جلد نمبر ۴۲)

نبیوں سے مرزا قادیانی کی بیعت کا عہدہ:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک ہر

ایک نبی سے مرزا قادیانی پر ایمان لانے اور اس کی

بیعت اور نصرت کا عہد لیا تھا۔“ (نعوذ باللہ)

(بحوالہ: اخبار ”الفضل“ ۲۶ فروری ۱۹۲۴ء)

قادیانی مذہب ص: ۳۴۰)

آنحضرت ﷺ کی پیروی

باعثِ نجات نہیں:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ اس زمانے میں

آنحضرت ﷺ کی پیروی باعثِ نجات نہیں بلکہ

صرف مرزا قادیانی کی پیروی سے نجات ہوگی۔“

(نعوذ باللہ) (الربیعین نمبر ۴ ص: ۷۷ حاشیہ)

☆.....☆.....☆

قادیان کی برکتیں:.....

”قادیانی عقیدہ ہے کہ قادیان کی زمین پر مکہ

مکرمہ اور مدینہ منورہ والی برکات نازل ہوتی ہیں۔“

(نعوذ باللہ) (بحوالہ: بیان میاں محمد احمد ابن مرزا

قادیانی اخبار الفضل)

☆.....☆.....☆

قادیان کا حج:

”قادیانی عقیدہ ہے کہ قادیان آنا ظلی حج ہے

اور اب نکلے والا حج خشک ہو گیا ہے۔ کیونکہ آج کل

مکہ میں حج کے مقاصد پورے نہیں ہوتے۔“

(نعوذ باللہ) (قادیانی مذہب ص: ۳۶۲)

یہ ہیں قادیانیوں کے وہ کفریہ عقائد جنہیں

پڑھ کر رگوں میں خون کھولنے لگتا ہے اور ہر پڑھنے

والا مسلمان غم اور غصہ کا ایک مجسم طوفان بن جاتا ہے

اور اس کے دل میں قادیانیت کا سر کلچنے کا جذبہ جہاد

جوش مارنے لگتا ہے۔

☆.....☆.....☆

مسلمانوں اٹھو! خواب غفلت سے اٹھو!

مرزا قادیانی کی اسلام دشمن اولاد اپنے مرتد

باپ کی فتنہ ارتداد کی بھڑکائی ہوئی آگ کو پھر ہوا

کرو۔ تاج و تخت ختم نبوت کی چوکیداری کرو۔ اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم ختم نبوت ﷺ سے آراستہ کرو۔ اپنے حلقہ احباب میں مسئلہ ختم نبوت کو اچھی طرح متعارف کراؤ تاکہ کسی کی متاعِ ایمان نہ لٹ سکے۔ مسلمانو! زندگی کا بھروسہ نہیں۔ کون جانتا ہے کہ کب فرشتہ اجل عزرائیل کی آمد ہو اور ہمارا یہ گلشنِ ہستی اُجڑ جائے اور دنیا کی محبت میں ہمارے دلوں میں آباد آرزوؤں اور تمنائوں کے سینکڑوں تاج محل منہدم ہو جائیں۔ اے فرزندانِ توحید! اگر قبر کی تاریک کوٹھری میں آقائے نامداری ﷺ کی پہچان چاہتے ہو تو ختم نبوت ﷺ کیلئے کام کرو۔ اگر ساقی کوثر شافعیؒ محشر ﷺ کے ہاتھوں جامِ کوثر پینا چاہتے ہو تو ناموسِ رسالت ﷺ کی پاسبانی کرو۔

اگر حشر کی وحشت ناک گرمی میں حضرت محمد ﷺ کی کالی کملی کا ٹھنڈا سایہ چاہتے ہو تو ختم نبوت ﷺ کے کام کو سنبھالو اور ان منکر، مرتد، زندیق اور توہینِ رسالت ﷺ کے مرتکب قادیانیوں کو بے نقاب کرو۔ تاکہ ختم نبوت کی صدا بلند ہو اور قادیانیت ذلیل و خوار ہو۔

☆.....☆.....☆

مسلمانو! اُٹھو بیدار ہو جاؤ!.....

قادیانی فتنہ اُٹھا ہے مسلمانو اُٹھو خواب سے بیدار ہو اللہ دیوانو اُٹھو حرمتِ دین محمد کے نگہبانو اُٹھو شعلہ سامانی دکھاؤ شعلہ سامانو اُٹھو

دے رہی ہے۔ جھوٹی نبوت کا اثر دھا ہماری نئی نسل کے ایمانوں کو نگلنے کیلئے بڑھا چلا آرہا ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مرزا قادیانی کو آنحضرت ﷺ کی جگہ متعارف کروایا جا رہا ہے۔ ان کا واحد مقصد نبی کریم ﷺ کی نبوت کو مٹا کر مرزا قادیانی کو چلانا (نعوذ باللہ) اور تاجِ ختم نبوت مرزا قادیانی کے سر پر رکھنا ہے۔ (استغفر اللہ، العیاذ باللہ)۔ اور کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار ہو وہ بھی اس ناپاک جسارت کو برداشت نہیں کر سکتا اور جو بھی مسلمان ختم نبوت کے اس جہاد میں شریک ہے، وہ جناب خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کا سپاہی ہے اور ہادیِ برحق ﷺ نے فرمایا:

”دینا میں جو شخص جس کے ساتھ محبت کرتا ہوگا۔ قیامت کے دن اُسی کے ساتھ ہوگا۔“

اس حدیث کو مدارِ نجات سمجھتے ہوئے چاہیے کہ ہم اپنے پیارے آقا ﷺ کی ختم نبوت کا دفاع کر کے سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ سے محبت کا تعلق پیدا کر لیں۔ تاکہ حشر کے روز آمنہ کے لعل سرورِ کائنات ﷺ کے جھنڈے تلے ہوں۔ (آمین ثم آمین)

قادیانی فتنہ اُٹھا ہے مسلمانو اُٹھو! خواب سے بیدار ہو اللہ دیوانو اُٹھو!

☆.....☆.....☆

مسلمانو اُٹھو!

مسلمانو اُٹھو! ناموسِ رسالت محبوب رب العالمین خاتم النبیین شافعِ المسلمین ﷺ کا تحفظ



غیرتِ دینی تمہاری آزمانے کیلئے  
تم ہونا موسیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نگہبان یاد ہے  
تم مسلمان ہو، مسلمان ہو، مسلمان یاد ہے  
خواب سے بیدار ہو روح الامیں کا واسطہ  
متحد ہو، رحمۃ للعالمین کا واسطہ  
پستیوں کو چھوڑ دو دین میں کا واسطہ  
رفعتوں کو ڈھونڈ لو، عرش بریں کا واسطہ  
فتنے جتنے اٹھ رہے ہیں، سب فنا ہو جائیں گے  
تم جو چوکنو گے حوادث خود فنا ہو جائیں گے



مٹ رہا ہے دین وحدت اور ہم دیکھا کریں  
آؤ پھر پہلا سا جوش زندگی پیدا کریں  
آگیا ہے ”روساہ“ تختِ ختم نبوت کے قریب  
کفر صرف آراء ہے نور وحدت کے قریب  
چھارہ ہی ہے ظلمتیں شمعِ رسالت کے قریب  
خیمہ زن ہے بجلیاں بارانِ رحمت کے قریب  
فتنہ دجال کی قربت کا پیغام آگیا  
لو خبر اسلام کی، نرنے میں اسلام آگیا  
فتنہ یہ اٹھا ہے ہنگامہ اٹھانے کیلئے  
مشعلِ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بجھانے کیلئے  
یہ بلا آئی ہے تم سب کو جگانے کیلئے

### قادیانیوں کے نزدیک.....

مرزا قادیانی	”خدا کا برگزیدہ نبی اور رسول“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کی باتیں	”احادیث“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کا خاندان	”اہل بیت“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کا بیٹا بشیر	”قمر الانبیاء و فخر المرسلین“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کی بیٹی	”سیدۃ النساء“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی بیویاں	”امہات المؤمنین“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کے ساتھی	”صحابہ کرام“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کا شہر	”مدینہ مسیح“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کی امت	”مسلمان“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کے جانشین	”خلفائے راشدین“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کی عبادت گاہ	”مسجد اقصیٰ“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کا قبرستان	”جنت البقیع کے مقابلے میں بہشتی مقبرہ“	(نعوذ باللہ)
مرزا قادیانی کے ۳۱۳ گمشتے	”اصحاب بدر“	(نعوذ باللہ)

# جادو، جنات، آسیب، شیاطین کی حقیقت



قسط نمبر: (۲)

مولانا قاری رشید احمد

معزز قارئین گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
معزز قارئین گرامی! امید ہے کہ آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے اور اس مضمون کی پہلی قسط پڑھ کر  
دوسری کے منتظر ہوں گے.....

جی! تو قارئین گرامی! جیسا کہ ہم پچھلی قسط میں یہ بات جان چکے ہیں کہ شیطان، انسان کا ازلی دشمن  
ہے، لیکن جو لوگ اس کے وار کا نشانہ بن جاتے ہیں وہ اپنی آخرت برباد کر کے شیطان کی خوشی کا سبب بنتے  
ہیں لیکن جو لوگ شیطان کی کوششوں کو ناکام کرنے کیلئے محنت کرتے ہیں اور اس کے ہر وار کا ڈٹ کر مقابلہ  
کرتے ہیں یا مقابلے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کا وجود شیطان کو بہت بُرا لگتا ہے.....  
اب وہ لوگ کون ہیں.....؟

شیطان کی دشمنی کس طرح کے لوگوں کے ساتھ ہے.....؟ تو آئیے اُس کی تفصیل جانتے ہیں.....  
معزز قارئین گرامی! ان میں سب سے پہلے اول درجے پر دینی مدارس ہیں، چونکہ دینی مدارس کا مدار علماء  
اور فقہاء پر ہے..... جو مدارس میں ایسے رجال کا تیار کرتے ہیں جو اس کی تمام مذموم سازشوں اور غلط کاموں  
اور حربوں کے روکنے والے ہوں اور مخلوق کو اللہ کی طرف متوجہ کرنے والے ہوں..... دنیا سے، مادیت سے  
تعلق توڑ کر خالق و مالک سے رشتہ جوڑنے والے ہوں..... شیطان کی تمام سازشوں سے آگاہ کرنے والے  
ہوں..... تو شیطان کو سب سے زیادہ علماء کرام، فقہاء کرام کا وجود چھتا ہے.....

دوسرے نمبر پر دینی مدارس میں زیر تعلیم طلباء و طالبات یعنی دین کا علم حاصل کرنے والوں کا وجود اس کو  
کھٹکتا ہے۔ غرض کہ مدارس میں پڑھنے اور پڑھانے والے لوگ شیطان کو سب سے زیادہ چھتے ہیں یہی وجہ  
ہے کہ تمام دنیا میں اس نے ان نیک طینت لوگوں کو کتنا بدنام کیا ہے اور کر رہا ہے..... کوئی موقع ہاتھ سے جانے  
نہیں دیتا کہ شیطانی طاقتیں ان ہی مدارس اور ان میں پڑھنے پڑھانے والوں کو نشانہ پر نہ رکھیں.....

شیطان اور اس کی ہمنوا قوتیں چاہتی ہیں کہ نہ مدرسے کھلیں، نہ امت کے افراد اعلیٰ بنیں اور نہ ہی علماء اور فقہاء پیدا ہوں.....

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل علم دین پھیلاتے ہیں اور نیکیوں اور برائیوں کو تفصیل سمجھاتے ہیں، نیکیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں..... اور سب سے بڑھ کر گناہ گاروں کو توبہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ علماء کرام اپنا کام کرتے ہیں تو شیطان کی کوشش ناکام ہو جاتی ہے یا کمزور پڑ جاتی ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

ترجمہ: ”ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے“۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ عابد اپنی عبادت کیلئے بیٹھا رہتا ہے۔ اس کی عبادت صرف اس کیلئے فائدہ مند ہے، اگر مخلص ہے تو قیامت کے دن اس کا ثواب بھی پالے گا اگرچہ شیطان کو اس کی عبادت بھی ناگوار ہے لیکن اس عابد سے شیطان کو ایسا کوئی خوف لاحق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو شیطان کی کاٹ کرنے پر لگا دے گا اور شیطان کی محنتوں کو ناکام و نامراد کرنے والے افراد اور رجال کار کے وجود میں آنے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ہاں اگر کوئی شخص عابد بھی ہے، عالم بھی ہے اور فقیہ بھی ہے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اس کے مراتب بھی بہت بلند ہیں، کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بھی سنبھالا، اور دوسروں کو بھی راہ حق پر ڈالا اور شیطانی راہ پر چلنے سے بچایا اور جو عالم خود ہی ڈوبا ہوا ہوا فرائض و واجبات کا تارک ہو تو وہ خود ہی شیطان کے چنگل میں آچکا ہے۔ اس سے شیطان کیا ڈرے گا؟ بعض اکابرین نے یہاں یہ نکتہ نکالا ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص لفظ ”فقیہ“ استعمال فرمایا، ”عالم“ استعمال نہیں فرمایا۔ تو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شیطان کی کوششوں کا توڑ کرنا ہر عالم کے بس کا کام نہیں ہے..... عالم بھی ہو فقیہ بھی ہو جو شیطان کے داؤ پیچ کو جانتا ہو، تو ایسا شخص شیطان پر بھاری ہوتا ہے۔ جو ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ شیطان کیلئے مصیبت بنتا ہے.....

معزز قارئین گرامی! اب شیطان کا طریقہ کار کیا ہے، کس طرح وہ بے دین اور دین دار لوگوں کو راہ حق سے بھٹکاتا ہے اور غلاتا ہے بہکاتا ہے اور ان کا ثواب کم کرنے یا ثواب سے محروم کرنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کرتا ہے؟ تو معزز قارئین گرامی! یاد رکھیں کہ شیطان ہر طبقے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والوں کو انہی کے طبقے اور شعبے میں الجھا کر بہکاتا ہے، اور غلاتا ہے، بھٹکاتا ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کیسے؟.....

تو جان لیجئے کہ اہل علم کو علم کی راہ سے اور جاہلوں کو جاہلانہ باتوں سے، جوانوں کو ان کی جوانی کی ابھار سے اور بوڑھوں کو یہ امیدیں دلا کر ابھی زندگی بہت باقی ہے..... اور گناہ گاروں کو یہ سمجھا کر کہ اس وقت گناہ کر لو بعد میں توبہ کر لینا اور عبادت کا ذوق رکھنے والوں کو شیطان بدعتوں پر ڈال کر ثواب کے کاموں سے دور رکھتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ ”شیطان نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہ کروا کر ہلاک کیا تو انہوں نے مجھے استغفار کے ذریعہ ہلاک کر دیا (یعنی جب میں نے گناہ کروا دیئے تو انہوں نے توبہ کر لی، لہذا میری محنت بیکار ہو گئی)۔ جب میں نے یہ دیکھا تو اُن کیلئے ایسی چیزیں نکال دیں جو خواہشات کے موافق یا خود ان کی اپنی تراشیدہ چیزیں ہیں۔ میں نے انہی کے ذریعے ان کو ہلاک کیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ثواب کے کام ہیں لہذا استغفار نہیں کرتے“۔ (الترغیب والترہیب ص: ۲۷۷: ۲)

معزز قارئین گرامی! دیکھا آپ نے کہ شیطان نے اپنی دشمنی نبھانے کا کیسا حربہ استعمال کیا؟ جب لوگ گناہ کو گناہ سمجھیں گے تو ہی توبہ کریں گے اور اس سے شیطان اور اس کی ذریت کی محنتوں پر پانی پھر جاتا ہے اور ساری محنتیں کارت چلی جاتی ہیں، لہذا اس نے بدعتیں جاری کروا دیں۔ جو پورے عالم میں مختلف علاقوں میں، مختلف طریقوں سے جاری ہیں۔ اب ہم بدعتیں کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے کیونکہ انہیں ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ چنانچہ بدعتوں کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ: ”ہر بدعت گمراہی ہے“ جو لوگ بدعتوں کے خوگر ہیں۔ وہ بدعتوں سے اتنا زیادہ مانوس ہوتے ہیں کہ ہزار سمجھاؤ، بدعتوں کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے حدیثیں بیان کرو، رسول اللہ ﷺ کی سنتیں بتاؤ کسی طرح سنت پر آنے کو آمادہ نہیں ہوتے۔ جیسے شیطان دیگر گناہوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے، اسی طرح بدعتوں کو بھی مزین کر کے پیش کرتا ہے۔

قارئین گرامی! غور فرمائیں کہ شیطان ایمان کا بھی ڈاکو ہے۔ بہت سے فرقے جو مدعی اسلام ہیں انہیں شیطان نے کفر پر ڈال رکھا ہے، بعض جماعتوں کو شیطان نے یہ بتایا کہ یہ قرآن کریم وہ قرآن کریم نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا اور یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ (معاذ اللہ) مسلمان نہیں تھے..... اور بعض فرقوں کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) جھوٹ بھی بولتے ہیں..... اور بعض لوگوں کو یہ سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث حجت شرعیہ نہیں ہیں..... اور بہت سے لوگوں کو ختم نبوت سے انکار پر ڈال دیا ہے..... اور بہت سے لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ زمانہ آگے بڑھ گیا ہے اب اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ)

یہ چند باتیں جو میں نے ذکر کی ہیں، یہ ان لوگوں کی ہیں جو اپنے آپ کو ہندو، بڈھسٹ، یہودی، یا نصرانی نہیں کہتے بلکہ اسلام کے مدعی ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن پھر بھی اسلام سے خارج ہیں۔ شیطان کے گھی کے چراغ جل گئے۔ جب اس نے اسلام کے دعویداروں کو بھی کفر پر ڈال دیا۔ بہر حال تفصیلات تو بہت ہیں۔ جو ان شاء اللہ اگلے ماہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

..... (باقی آئندہ).....

# حیات ممتاز علمائے کرام اور دانشوروں کی نظر میں



## شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی

”ماہنامہ حیا“ کے دو شمارے پہلی بار نظر سے گزرے، دیکھ کر دل بہت خوش ہوا، خواتین کے لئے ایسے ہی پرکشش اور مفید رسالے کی ضرورت تھی، الحمد للہ اس کامیاب مضامین اور غامبی حسن ہر چیز قابل تحریک نظر آئی، میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان کاوشوں کو شرف قبول عطا فرما کر انہیں امت کے لئے نافع بنائیں۔ آمین

## حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

اس مادر پدر آزاد معاشرہ اور ”حیا“ باختصاف کے دور میں حیا رسالہ کا اجرا بلاشبہ لائق تحسین کارنامہ ہے۔ حیا رسالہ تاریکی میں روشنی کی کرن اور جہالت و بے دینی کے خلاف اعلان جہاد کی ایک باوقار کوشش ہے۔

## حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

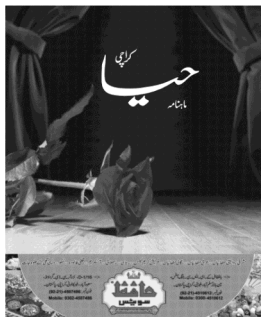
اس دور میں جبکہ ہر طرف اخلاق سوز، حیا باختہ اور غیر شرعی مواد کی اشاعت کی بھرمار ہے ”ماہنامہ حیا“ جیسا پاکیزہ اور پرکشش رسالہ چراغ آخر شب سے کم نہیں۔ یقیناً ”ماہنامہ حیا“ معاشرے میں خواتین کے مسائل کو اجاگر کرنے اور رسم و رواج کے خود ساختہ بندھنوں میں جکڑی ہوئی مظلوم عورت کی آزادی کی مؤثر صدا اور بہترین کاوش ہے۔

## حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی

”ماہنامہ حیا“ نظر کے سامنے ہے، دل مسرور ہے، آنکھوں میں نور ہے، یہ رسالہ عصر حیا سوز میں باعوم مرد و خواتین اور بالخصوص خواتین کے لئے تقییر فکر عمل کی چادر ہے، ایک ایسی چادر جس کو اوڑھ کر اگر بضرورت باہر نکلتا بھی پڑے تو کسی ناخرم کی نظر نہ پڑے۔

## ڈاکٹر عبدالقدیر خان

”ماہنامہ حیا“ پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی اور یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ ملک میں ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے اتنا اچھا رسالہ دستیاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کل لوگوں نے گندی، بیہودہ اور غلیظ مضامین اور تصاویر کو رسالوں میں ڈال کر آمدنی کا گندہ ذریعہ بنالیا ہے۔ آپ اور آپ کے رسالے میں شائع کرنے والے مصنفین و مصنفات تعریف کے مستحق ہیں کہ وہ ایک نہایت ہی نیک و قابل تحسین کام انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزا سے خیر دے۔ آمین



# حیاء کراچی

## ماہنامہ

### قارئین کے لیے

حیاء کراچی کی سالانہ خریداری پرزبردست رعایت

یہ کوپن پر کیجئے اور سرکولیشن منیجر حیاء کراچی کے ایڈریس پر ارسال کیجئے  
ایڈریس: ادارہ حیاء پی او بکس 15009 جی پی او صدر کراچی

92 21 35688828 92 21 35681520

نام \_\_\_\_\_

پتہ \_\_\_\_\_

فون نمبر \_\_\_\_\_ فیکس \_\_\_\_\_

میں منی آرڈر ارسال کر رہی ہوں/کر رہا ہوں

جی ہاں \_\_\_\_\_ میں حیاء کراچی/کا سالانہ خریدار ماہ \_\_\_\_\_

سے بذریعہ \_\_\_\_\_ بک پوسٹ \_\_\_\_\_ رجسٹرڈ ڈاک \_\_\_\_\_

بننا چاہتی ہوں/چاہتا ہوں۔

★	بارہ شماروں کی قیمت	ڈاک خرچ	کل رقم	بچت	سالانہ بدل اشتراک
مک پوسٹ	960 روپے	300 روپے	1260 روپے	160 روپے	1100 روپے

10 اور 10 سے زائد شمارے خریدنے کی صورت میں خصوصی رعایت

# صاحبو..! روٹی بنانا آسان نہ جانو

”روٹی بنانا، کتنا آسان اور کتنا مشکل.....“ خواتین کا اہم فریضہ اور ذمہ داری

سبق آموز تحریر

محمد تہامی بشر علوی

کم سے کم دو چار ہونے کو کھانے والوں سے بھوک کا تناسب پوچھ لیت ہیں۔ ایک یا دو؟..... یوں معاملہ متعین ہو کر تردد کو بھی طے شدہ کر دیتا ہے۔ یہ طے کیے بغیر پیڑہ سازی کے تردد میں کود جانے والے سچ یہ ہے کہ خود کو خواہ خواہ کی افیت سے دو چار کر دیتے ہیں۔ درد دل میسر ہو تو کہیے احباب، یہ بار بار آٹے میں، آٹا نوچنے کو انگلیاں ڈبوتے رہنا، اور ہر بار انگلیوں سے چپک بیٹھے آٹے کو کھرچتے رہنا کوئی کم آزمائش ہے کیا؟.....

سائنسی دور اپنی ہر ایجاد مشرق و مغرب میں بانٹ کر آسمانوں کی طرف دیکھنے لگ گیا، پرناس ہو اس کا کہ ایک عدد پنکھا کچن میں ایڈجسٹ کرنے کی ترکیب نہ بنا سکا۔ کیوں ایسا نہیں کر لیا گیا کہ پنکھا بندہ دیکھ کر ہوا عنایت کرتا اور چولا دیکھ کر سانس روک لیتا؟..... محض کچن کی گرمی ہی ستانے کو بہت تھی کہ یہ ہاتھ کو آٹے کی کشمش بھی سہنی پڑی۔ آٹے

روٹی پکانا، پھیل سمجھنے والے کیا جانیں کہ ایک روٹی کو حلق کے اس پار پہنچنے کے قابل بنانے تک کن جتن آزمایا مرادل سے گزر جانا ہوتا ہے۔ بات ابتداء سے نہ بھی چھیڑی جائے، تو بھی معاملہ آسان کہاں؟..... خشک آٹے کو گندھا آٹا بنا لینا، مذاق جاننے والے سچ یہ ہے کہ بد مانغے ہیں یا پرلے درجے کے بے حس۔ خشک آٹا پانی سے ہم آغوش ہوتے ہی چپکنے کی عجب تاثیر پالیتا ہے۔ اس میں ہاتھ گھمانا مختصر یہ کہ آسان نہیں۔ ہاتھ بھر سے چپک جائے تو جان چھڑائے نہ بنے۔ انگلیوں میں گھس جائے تو دوسرے ہاتھ کو ملوث کیے بنا کام نہ چلے۔ دونوں ہاتھ آٹا زردہ ہو چکنے کے بعد ہی کہیں یہ چپکا چپکی کم ہوتے ہوتے تھم پاتی ہے۔ اب اس گندھ چکنے والے آٹے میں چار انگلیاں گاڑ کر، پیڑہ بنانے کو، بار بار نوچتے رہنا، اہل نظر جانتے ہیں کہ ایک مستقل آزمائش ہوا کرتی ہے۔ سیانی خواتین اس جھیلے سے

توے کی گرمی پانے تک ناز و خروں کا یہ سلسلہ  
تھمنے کا نہیں ہوتا۔ تو، روٹی کی نرمی نوچ لیتا اور  
لطافت کھا جاتا ہے۔ تب یہ ناز میں ساتھ چپکنا بھول  
جاتی ہے۔ اب بس پھر یہ ہاتھوں سے جڑے، نہ  
انگلیوں سے چپکے۔ لطافت کھولنے کے بعد، اب تم  
لاکھ ہاتھ مارا سے تم سے چپکی بھر بھی دلچسپی باقی نہیں  
رہتی۔ کسی کو خود سے جڑا رکھنے کو اسی کی لطافت کی  
حفاظت لازم ہے۔ خود سے دلچسپی ختم کروانی ہو تو  
گرم تو اب بن کر لطافت نوچ ڈالیں، ملائمت کھا  
ڈالیں۔

روٹی تو ہے پھ ڈال کر، اسے جلنے سے بچانا  
لازم ہے۔ وقت کا مناسب وقفہ دے دے کر ایک  
ضعیف جاں مریض کی طرح اس کے پہلو بدلاتے  
رہنا اب آپ کی مستقل ذمہ داری میں شامل ہے۔  
روٹی کا کسی پہلو سے جل جانا آپ کے کیرئیر کو پوری  
محنت سمیت جلا سکتا ہے۔ اس نازک لمحے کو ہوش کی  
نگرانی میں کاٹنا بہر حال بے حد ضروری ہے۔  
انگلیوں کی جلد تو اسے آشنا نہ ہو تو معمولی لمس سے بھی  
گھبرا جاتی ہے۔ جلن کی شدت کھینچنے میں اس سا جلد  
باز اب تک نہ دیکھا تھا۔ ناچار تو بے پروائی کے پہلو  
بدلنے کو کڑی کام میں لانا پڑا۔

ظاہر بینوں کو یہ معمولی نظر آنے والا کام ظاہر  
ہے کہ معمولی ہی نظر آئے گا۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ  
اس معمولی عمل کی تہہ میں جھمیلوں کی کون سی تہہ ہے  
اور اس تہہ سے کتنی تہیں مزید پھوٹ کر کن تہوں کو جا  
نکتی اور پھر نکلتی چلی جاتی ہیں۔

میں سب ہوتا، پر یہ چپکتے رہنے کی بُری عادت نہ  
ہوتی تو کیا ہوتا؟..... یعنی نہ چپکے گر یہ انگلی کو،  
کشاکش درمیاں کیوں ہو؟..... مسلسل سوچ میں گم  
ہوں کہ کس طرح اس چپکتے پھرنے والے آٹے کو  
بن چپکا کر دیا جائے۔

گول پیڑے کے سر پر بیلن دبا کر گھمانے کو بھی  
آساں نہ جانو۔ پورا وجود ہلانا پڑ جاتا ہے صاحبو!  
یعنی سر سے لے کر پاؤں تک پورے کا پورا، کچھ تو  
سمجھو!..... بیلنے سے ذرا زور کر لیا جائے تو روٹی  
آگے بننے سے مکر اور پاٹ و بیلن سے چپک بیٹھے  
گی۔ میں نے ایک پر حسب طبع زور چلایا تو مکمل بگڑ  
بیٹھی۔ ایسی بگڑی کے لاکھ منانے پہ بھی نہ مانی۔ سو  
ویسی کی ویسی ہی پکائی اور پھر کھائی گئی۔ فیاض  
الدین ہر گول روٹی، نظر انداز کر کے اسی بگڑی  
صورت کو خلق خدا کے تماشے کی خاطر فیس بک پر  
دے بیٹھا۔ خیر کہنا یہ چاہتا تھا کہ لطافت، گر ملائمت  
کی حامل ہو چلے تو اسے کون خروں سے روک سکتا  
ہے؟..... یقین مانے، اس بگڑ بیٹھی روٹی کو بہت لاڈ  
سے اٹھانا ہوتا ہے۔ بہت ناز سے خشکے کی تھالی میں  
دھرنا ہوتا ہے۔ اس کی چپک کم پڑتے ہی واپس  
پاٹ پر دھرنا ہوتا ہے۔ متناسب زور و ہوش سے پھر  
بیلن گھمانا ہوتا ہے۔ جب تک یہ ناز میں روٹی تمہیں  
پوری طرح اپنے مزاج کے موافق نہ کر لے سیدھی  
طرح بننے سے بگڑ جاتی ہے۔ عمدگی سے روٹی پکانا ہو  
تو لازم جانے کہ پھر اپنے مزاج کو روٹی و آٹے کے  
ناز و خروں پر شاکر کرنا ہوگا۔



روٹیاں پک چکیں تو سوچ اپنے رُخ سمیت کہیں اور جا لگی۔ میں مرد ذات، شرمندگی سے مر جا رہا تھا کہ روٹی پکانے کے واسطے تو کوئی ”وہ“ ہوتی ہے، کوئی ”یہ“ ہوتی ہے؟..... خود کو کوسے دیے کہ تم کیوں اس کا بندوست نہیں کر لیتے؟..... آسانیوں کو جھٹلانے والے خود کو مشکلوں سے نہیں نکال سکتے۔ تب سے سوچتا ہوں بروقت یہ آسان کام ہو جانا چاہیے۔

پر غالب مشہور کر گئے۔  
کہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا  
دیکھو پھر.....

☆.....☆.....☆

وہ ہاتھوں کا خشک خشک ہو جانا، انگلیاں آٹا آٹا کر لینا، پورے بچا بچا کر پھر جلا دینا، پورا وجود ہلا ہلا کر پیڑے کو روٹی کرنا اور خود ہلاک ہو ہو کر پھر حیراں ہو جانا، مکمل بند مساموں سے بھی پسینہ بہہ پڑنا، الغرض جھمیلہ در جھمیلہ پوری طرح سہہ گزرنا، تب جا کہ کہیں روٹی تیار شکل میں مل پانا، کہیے کون ہے اب جو جی پائے اس حد سے گزر جانے تک؟.....

آئینہ دیکھتا ہوں تو حیراں ہو جاتا ہوں، یعنی یہ داڑھی پہ بھی آٹا کیوں ہے؟..... روٹی بناتے سے، پورے وجود کو آٹے کی زد سے بچا سکتا، کس مائی کے نعل میں یہ ہمت؟.....

### کوئی ہے جو استغفار کرے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں کہ: ”ہر رات کو (تین پہروں میں سے) پہلا پہر گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان پر تجلی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں: میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی بادشاہ ہوں کوئی ہے جو مجھے پکارے.....؟ تاکہ اس کی پکار کا جواب دوں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے دے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے (استغفار یعنی) مغفرت طلب کرے تاکہ اس کی مغفرت کروں۔ صبح روشن ہونے تک یہی معاملہ جاری رہتا ہے۔“ (بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

### زمین سے آسمان تک گناہ..... پھر بھی مغفرت.....

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا یہ فرمایا: جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم اس قدر خطائیں کرو کہ وہ زمین و آسمان کے درمیانی خلا کو بھر دیں اور پھر (بھی) تم اللہ تعالیٰ سے (استغفار کرو گے یعنی) مغفرت طلب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم خطائیں نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئیں گے جو خطائیں کرے گی پھر استغفار کرے گی تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں گے۔“ (احمد ابویعلیٰ، ابن ماجہ)

☆.....☆.....☆

(انتخاب: عامر حسین)

سرگرم تھا، اور مادیت ہم سب سے پرے پرے چلتی تھی، ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا پھر ہر شخص خود پر از خود پر واجب سمجھتا تھا۔ دل کا توڑنا تب ایک بڑا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کیا کرتے تھے۔ کسی کی ذرا سی تکلیف پر کئی افراد ایک ساتھ مدد کو پہنچ جاتے تھے۔ لوگ خوشیاں بانٹتے تھے اور غموں میں حصہ داری کرتے تھے۔ کوئی فرد خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا تھا۔ کسی کی بیٹی پورے گاؤں کی بیٹی سمجھی جاتی تھی اور اس کی رخصتی میں گاؤں کا ہر فرد کچھ نہ کچھ حصے داری ضرور کیا کرتا تھا۔ دلوں کو توڑنے کی بجائے لوگ تب دلوں کو جوڑا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ے

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے

پچھتاؤ گے سنو ہو، یہ بستی اجاڑ کر!

ہر شخص یقین سے جانتا تھا کہ یہ دل اصل میں اللہ کا گھر ہے۔ اس لئے اس پر جو بھی وار کرے گا، اپنے اللہ کو ناراض کرے گا۔ اسی باعث ماضی کی ہر بستی میں ”محبت کے زمزمے“ بہہ رہے ہوتے تھے۔ نیکیاں کرنی تب بہت آسان ہوا کرتی تھیں اور گناہ کے لئے بڑی مشکل ہی سے کوئی جگہ دستیاب ہوتی تھی۔ وہ اگر دلوں کو جوڑا کرتے تھے تو اس کی ترکیبیں بھی جانا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دل گوشت پوست کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ جانتے تھے کہ گوشت پوست کے اس ننھے سے ٹکڑے کے تقاضے کیا ہیں؟ دکھ درد میں کام آنا، میٹھی زبان کا شہد

دیکھنا کہیں کوئی روٹھ نہ جائے!

رضی الدین سید

مصروف زندگی میں یہ خوبصورت اشعار شاید آپ نے بھی کبھی سنے ہوں گے ے دو لفظ تسلی کے، جس نے بھی کہے، اس کو افسانہ سنا ڈالا، تصویر دکھا ڈالی..... (اور)

کہیں برق چمکے میں جل اٹھوں،  
کوئی تارا ٹوٹے میں رو پڑوں  
یہ دل ستم زدہ ہم نشین  
کسی کائنات سے کم نہیں!

چنانچہ طبی لحاظ سے بھی اور جذباتی لحاظ سے بھی، زندگی کے سارے کھیل کا دار و مدار گوشت کے اسی چھوٹے سے ٹوٹھڑے پر موقوف ہے۔ وہ لوٹھڑا جسے اپنی زبان میں ہم دل کہتے ہیں۔ اسی دل کے اثرات سے ہم خوش ہوتے، اور اسی دل کے اثرات سے ہم ناخوش ہوتے ہیں۔ ے

شاگرد دیا، تو کبھی ناشاد کردیا

دل کو تمہارے کھیل نے برباد کردیا

گزشتہ ادوار میں جبکہ اقدار زندہ تھیں، مذہب

لوگوں کے نزدیک نیکی اس دور میں کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ مذہب پرانے دور کا کوئی مسئلہ تھا، اخلاقی قدریں انسان کو مادی سہولیات فراہم نہیں کرتیں۔ دوسروں کی فکر سے زیادہ ذاتی فکر مقدم ہونی چاہئے۔ حق دینے کی بجائے حق چھین لینا چاہئے۔ بزرگوں کا احترام ماضی کے دور میں اچھا لگتا تھا۔ اور لوگوں کو حقیر جاننا اور انہیں بے وقعت کرنا وقتِ حاضر کا تقاضا ہے وغیرہ۔ دل جو فرشتوں کے نزدیک انسانی زندگی میں سب سے مقدم مقام رکھتا ہے اور جس کا توڑنا خانہ کعبہ کے توڑ دینے کے برابر سمجھا جاتا ہے، آج لوگوں کے نزدیک وہ محض ایک کھلونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لوگ اسے توڑتے ہیں، دن رات توڑتے ہیں، بار بار توڑتے ہیں، اور ہزار بار توڑتے ہیں۔ کسی کو ایذا دینا، کسی کو بے عزت کرنا، اس کے ساتھ جھوٹ بولنا، غلط وعدے کرنا، بچوں کو اغوا کر لینا، زیادتی کر لینا، پینے کے پانی کی مار مارنا، طعنے دینا، دروازوں کے آگے گندگی کا ڈھیر ڈال دینا، انتقام کی آگ میں عورتوں کو سڑکوں پر برہنہ رقص کروانا، بزرگوں کو بھیگی ملی بنادینا، وغیرہ آج کے دور کے یہ سب مقبول عام چلن ہیں۔ اور اسی اذیت ناک چلن کے مظاہر آج ہم سب دیکھتے بھی چلے جا رہے ہیں۔ برکتیں اٹھ گئی ہیں، محبتیں پیسے سے ناپی جانے لگی ہیں، بیماریوں نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں، اور ہر شخص یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ ”اس بھری دنیا میں کوئی بھی تو ہمارا نہیں!“ پہلے کا

دلوں میں اتارنا، اپنا آج کسی کے کل پر وار دینا، تحفے تحائف کے تبادلے کرنا، خلوص نچھاور کرنا، بڑوں کی عزت کرنا، زبان کو قابو میں رکھنا، وعدوں کو پورا کرنا، حقوق چھیننے کی بجائے حقوق دینے والے بننا، غیبت اور جھوٹ سے پرہیز کرنا، اور باہمی تنازعات کو خاندان کے بزرگوں ہی سے حل کروالینا وغیرہ۔ بس یہی وہ اجزائے ترکیبی ”ریسپیسز“ ہیں جن سے دل جڑتے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ کل بھی اس کے اجزائے ترکیبی یہی تھے، اور آج بھی اجزائے ترکیبی یہی ہیں! مجال ہے جو سر مو بھی ان میں فرق آیا ہو! مگر وقت کا بے رحم پہیہ جب مغربی یلغار کو لے کر ہمارے ہاں داخل ہوا تو لگا جیسے وہ ہماری تمام مشرقی اقدار و تہذیب کو بہا کر لے گیا ہے۔

چلی سمت ”غرب“ سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا ”تھا جو نا خوب، بتدریج خوب ہوا“ والی بات ہوگی!

اخلاق و اصول کی جگہ مادیت نے مقام اپنالیا۔ ایثار و قربانی نے غتر بود ہو کر سنگ دلی کو جگہ فراہم کی، دلوں میں تنگی آنے لگی، محبت کی جگہ نفرت پروان چڑھنے لگی۔ پہلے ایک صفت معاشرے سے غائب ہوئی، پھر دوسری صفت غائب ہوئی، پھر تیسری، اور پھر چوتھی۔ حتیٰ کہ کسی درد مند شاعر کو مجبور ہو کر پھر یہ آنسو بھی بہانے پڑے کہ۔

نہ محبت، نہ مروت، نہ خلوص اے شعری !  
میں تو شرمندہ ہوں اس دور کا انسان ہو کر

دکا خون بھی جو بہا کرتے تھے، تو آبادی کی آبادی خوف و ہراس میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ لیکن آج دسیوں اور بیسیوں خون اجتماعی طور پر ایک ساتھ کئے جاتے ہیں اور معاشرے پر اس کا مطلق بھی اثر نہیں ہوتا۔ پہلے اگر کسی دوسرے کی بد حالی پر بھی آنکھیں نم ہو جایا کرتی تھیں، تو آج سب کو برباد ہوتا دیکھ کر بھی کسی کی آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکتے!۔

فانی جس میں پانی کیا دل کے لبو کا کال نہ تھا ہائے وہ آنکھ آج پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے کہنے والے یہ بھی کہہ گئے۔

جہنم کا دھواں بھر جائے ایسی آنکھ میں یا رب کسی کے دکھ پر جو تھوڑی بہت بھی غم نہیں ہوتی کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جہاں محبت کے پل تعمیر کرنے چاہئیں، وہاں نفرتوں کی دیواریں چتی جارہی ہیں اور جہاں ہمیں سب کو ساتھ لے کر چلنا چاہئے، وہاں ہم سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ رہے ہیں۔ وقت تقاضا کر رہا ہے کہ اخوت و محبت کی اسی فضا کو پروان چڑھایا جائے، اور انہی ایام کو ایک بار پھر لوٹا یا جائے جب کوئی اکیلا فرد مصیبت میں مبتلا ہوتا تھا تو دستگیری کرنے کے لئے دسیوں ہاتھ اس کی جانب اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور جب نیکیاں کرنی آسان اور برائیاں کرنی مشکل ہوتی تھیں۔ پہلے آمدنیاں کم تھیں، اور گھر سادے تھے، مگر معاشرہ تھا کہ جنت نشان نظر آتا تھا۔ آج آمدنیاں لاکھوں میں پہنچ گئی ہیں، گھر محلات کی صورت اختیار کر گئے ہیں، مگر معاشرہ ہے کہ جہنم کا نمونہ بنا نظر آ رہا ہے۔

جہل خرد نے دن یہ دکھائے!!  
گھٹ گئے انساں، بڑھ گئے سائے  
اس لئے ہم وہ لوگ جو خود کو اللہ کے بندے قرار دیتے ہیں، اس بات کا عہد کریں کہ محبت و اخوت کی اسی قدیم فضا کو دوبارہ پروان چڑھائیں گے۔ دوسروں کے لئے دست تعاون دراز کریں گے، نفرتوں کے انگارے دور کریں گے، اور شفقتوں کی کلیاں کھلائیں گے۔  
”آؤ کہ خورشید نو کا سامان سفر تازہ کریں۔“  
نہ کسی کا دل دکھائیں گے اور نہ کسی سے غلط وعدے کریں گے۔ نہ کسی کی بے عزتی کریں گے اور نہ بزرگوں کے احترام میں کمی آنے دیں گے۔ نہ کسی کو اپنی جانب سے تکلیف دیں گے اور نہ کسی نیکی کو پروان چڑھانے میں پیچھے رہیں گے۔  
وقت آواز دے رہا ہے کہ لوگ باز آ جاؤ اپنے متکبرانہ رویئے سے! کسی پر طنز کی بوچھاڑ کرنے سے! کسی کی راہ میں مسائل کھڑے کر دینے سے! اور کسی کو انتظار کی صلیب پر لٹکائے رکھنے سے! یاد رکھو: تمہارے شعوری یا لاشعوری رویئے سے لوگوں میں بہت منفی جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ لوگ تم سے مایوس ہوتے اور خود کو بے سارا محسوس کرتے ہیں۔ دیکھو، کہ تمہارے طرزِ عمل سے کہیں کوئی مایوس تو نہیں ہو رہا؟ کوئی دکھ تو نہیں جھیل رہا؟ دانش مند تم سے ایک بار پھر کہتے ہیں: کہ تمہارے رویوں سے.....  
دیکھنا کہیں کوئی ”روغھ“ نہ جائے!..... کہیں کوئی ”ٹوٹ“ نہ جائے!

# ڈاکٹر رناء دجانی سے ایک ملاقات

ڈاکٹر رناء دجانی، اردن کے جامعہ ہاشمیہ کی پروفیسر ہیں، اور ان باہمت خواتین میں سے ہیں جنہیں برطانیہ کی طرف سے سو باہمت اور موثر خواتین میں سے تیرہویں نمبر پر شمار کیا گیا ہے، امریکہ کی جانب سے انہیں ”فل برائٹ“ کے نام سے ایک تمغہ پیش کیا جا چکا ہے، گزشتہ دنوں قطر جانا ہوا جہاں جامعہ محمد بن خلیفہ میں ان سے ملاقات ہوئی، نماز عصر اور مغرب کے وقفے کے دوران کچھ مختصر سی گفتگو ہوئی جو نذر قارئین ہے۔

حیا:..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ڈاکٹر صاحبہ:..... وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حیا:..... اپنے بارے میں کچھ بتائیے۔

ڈاکٹر صاحبہ:..... مجھے رناء دجانی کہتے ہیں، اصلاً میرا تعلق یروشلم فلسطین سے ہے، ۱۹۳۸ء میں میرے آباء نے وہاں سے ہجرت کی، فی الحال میں اردن کی جامعہ ہاشمیہ میں بائیولوجسٹ پروفیسر ہوں، ۲۰۰۵ء میں جامعہ لوا کیلیفورنیا سے میں نے پی ایچ ڈی کیا، اور ہارورڈ یونیورسٹی میں فیلوشپ کی، اس کے بعد سے میں اردن کے دو جامعات میں بطور مدرسہ (ٹیچر) ہوں، ساتھ ہی میں نے ”نحن نحب القراءة“ کے نام سے ایک پلیٹ فارم کا آغاز کیا ہے جس کا مقصد بچوں میں پڑھنے کا شوق بیدار کرنا ہے، میرے الحمد للہ چار بچے ہیں، دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ مجھے لندن کے مجلہ سائنس کی جانب سے عرب ممالک کی انتہائی اثر انگیز سو خواتین میں سے تیرہویں نمبر پر آنے کا شرف ملا ہے جس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں۔

میرے بہت سے کتابچے اور جرنل شائع ہو چکے ہیں جو انتہائی موثر رہے ہیں، اور ابھی میں ”پانچ اسکارف“ کے نام سے ایک کتاب لکھ رہی ہوں، جس کتاب کو میں خواتین کے نام ہی کرتی ہوں، اس کتاب میں خواتین کو مثبت رہنے کے بہت سے طریقے سکھانا چاہتی ہوں، میرا ماننا ہے کہ خواتین مثبت ہوں گی تو ہی وہ اپنے معاشرے میں تبدیلی لاسکتی ہیں۔

حیا:..... میں جانا چاہوں گی کہ آپ نے اپنی کتاب کا نام ”پانچ اسکارف کیوں رکھا؟

ڈاکٹر صاحبہ:..... جب میں پانچ اسکارف کہتی ہوں تو اس سے مراد پانچ سر ہوتے ہیں، کیونکہ ہم زندگی کے مختلف شعبوں میں مختلف چہروں کے ساتھ ہوتے ہیں، میں اس کتاب کے تیسرے حصے پر ہوں، اور اسے

عقرب مکمل کر کے آپ کی خدمت میں پیش کروں گی۔

حیا:..... یوں تو آپ کی بے شمار خدمات ہیں، مگر بحیثیت مدرّسہ (ٹیچر) آپ سب سے زیادہ کس

چیز پر زور دیتی ہیں؟

ڈاکٹر صاحبہ:..... میری نظر میں سب سے زیادہ اہمیت بچوں کو ”سکھانا“ ہے، میں انہیں پڑھانے سے زیادہ سکھانے پر توجہ دیتی ہوں، اور بچوں کو سکھانے کے بہت سے مختلف طریقے ہوتے ہیں، انہیں ڈراموں، مناظرات، تقریرات، تجارب، پروجیکٹ وغیرہ کے مختلف طریقوں کے ذریعے سکھایا جاتا ہے جو میں ان کے سامنے پیش بھی کرتی ہوں، اور ان سے ایسی سرگرمیاں بھی کرواتی ہوں، ایسی سرگرمیاں انہیں سکھانے کے لئے بہت معاون ثابت ہوتی ہیں۔

حیا:..... آپ نے ”نحن نحب القراءة“ کے نام سے اپنی ایک سرگرمی کا ذکر کیا تھا، کیا آپ اس

حوالے سے مزید بتانا پسند کریں گی؟

ڈاکٹر صاحبہ:..... ضرور! کیوں نہیں۔۔۔ یہ سرگرمی میں نے کچھ وقت پہلے شروع کی اور میرے ذہن میں یہی فکر تھی کہ بچوں میں پڑھنے کا شوق پیدا کیا جائے، کیونکہ جدید دور میں میڈیا اور موبائل جیسی خرافات کی وجہ سے ہمارے بچے کتابوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں، میں نے ابتداء ایسے کی کہ اپنی ایک دوست سے کہا، وہ اپنے محلے کی مسجد میں نماز کے بعد ایک کتاب لے کر بیٹھ جاتی تھی، جو بچوں کی کہانیوں پر مشتمل ہوتی تھی، شروع میں ایک بچہ تھا جو بیٹھ کر اس سے کہانی سنتا تھا، ایک دو دن میں ہی وہاں پانچ، چھ بچے ہو گئے، میں نے ان کی ماؤں سے بات کی کہ اپنے بچوں کو کہانیاں سننے کے لئے بھیجا کریں، یوں رفتہ رفتہ وہاں بہت سارے بچے آنے لگے، جو شروع میں غور سے کہانیاں سنتے تھے، اس طرح ان میں شوق پیدا ہوا اور اب وہ سب بچے کتابیں شوق سے پڑھتے ہیں۔

حیا:..... آپ نے اپنی اس فکر کے بیشتر اثرات دیکھے ہوں گے، ان میں سے کچھ آپ ذکر کریں تو

افادہ عام ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحبہ:..... ہاں۔ الحمد للہ میں نے اس کوشش کے بہت مفید نتائج دیکھے، میری یہ ننھی سی کوشش امریکہ و افریقہ تک گئی، اردن میں تقریباً تیرہ جگہوں پر ”نحن نحب القراءة“ کے نام سے مکاتب بن چکے ہیں، جو کسی بڑے پیمانے کی سرمایہ کاری کے نتیجے میں نہیں، بلکہ یوں ہی گلی محلے کی مسجد میں بچوں کو کہانیاں سنانے اور کتابیں پڑھنے کی محنت سے ہوا ہے۔

ایک واقعہ میں آپ سے ذکر کروں گی، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس محنت کے نتائج کیسے ہوئے اور دوسرا یہ جاننا بھی سہل ہوگا کہ یہ کام کرنا کچھ خاص مشکل بھی نہیں ہے۔ ہوا یوں کہ ایک افریقہ کی لڑکی جو کہ میری

شاگردہ ہے، اس نے اپنے علاقے کے غریب بچوں کو اسی طرح جمع کیا اور انہیں روزانہ کہانیاں، واقعات پڑھ کر سنانے لگی، رفتہ رفتہ اس کے پاس سو سے بھی زائد بچے آنے لگے، اہل علاقہ نے دیکھا تو وہاں ایک لکڑی کا کمرہ بنایا، جہاں بچے کچھ وقت کے لئے جمع ہوں، دیواروں پر غبارے اور مختلف تصاویر آویزاں کی، یوں بچوں میں وہاں آنے کا اور پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا، ہر بچہ خود کتابیں پڑھنے لگا۔

میری یہی کوشش اور خواب ہے کہ ہر جگہ بچوں کی لائبریری بنادی جائے اور ان میں پڑھنے لکھنے کا جذبہ اجاگر کیا جائے۔

حیا:..... آپ کو اپنی تمام سماجی سرگرمیوں میں سب سے زیادہ حوصلہ کس طرف سے ملا؟

ڈاکٹر صاحبہ:..... الحمد للہ میں ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں جس کی وجہ سے میرا بچپن ٹی وی سے دور گزرا، اسی وجہ سے ہم بہن بھائیوں کو بہت کھیلنے کا اور ایک دوسرے کے قریب رہنے کا زیادہ موقع ملا، میرے والد نے مجھے بہت حوصلہ دیا، اس کے بعد میرے شوہر نے میری ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔

میں آپ سب کو بھی یہی نصیحت کرتی ہوں کہ اپنی اور اپنے بچوں کی شادیوں کے وقت ان کے مزاج اور سرگرمیوں کو ملحوظ رکھیں، اپنا شریک حیات منتخب کرتے وقت اس کے سامنے اپنی زندگی کے مقاصد اور عزائم رکھیں اگر وہ ان مقاصد اور عزائم میں آپ کا مددگار بن سکے تو ٹھیک ہے۔

حیا:..... آپ چونکہ خواتین میں تبدیلی افکار کے حوالے سے بھی بہت کام کرتی ہیں، آپ بتا سکتی ہیں کہ خواتین ایک دوسرے کو کیسے مدد فراہم کر سکتی ہیں؟ اور اس کا طریقہ کار کیا ہونا چاہئے؟

ڈاکٹر صاحبہ:..... میرے نزدیک کسی بھی خاتون کو مدد دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اس پر اعتماد کریں، کبھی کسی دوسری عورت پر دھونس جمانے کی کوشش نہ کریں کہ وہ غلط ہے اور آپ صحیح ہیں، کیونکہ ہم سب مختلف لوگ ہیں اور مختلف نظریات کے ساتھ جیتے ہیں اور سب کے مختلف تجارب بھی ہیں، کیونکہ دوسری خاتون کا جو نظریہ ہے، اس تک پہنچنے میں اس نے جو مراحل اور تجارب دیکھے ہیں وہ میں نہیں جان سکتی، ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں وہی ٹھیک ہو اور میں غلط ہوں، کیونکہ ہر خاتون خود جان سکتی ہے کہ اس کے لئے، اس کی فیملی کے لئے اور اس کے معاشرے کے لئے کیا چیز بہتر ہے۔ علوم انسانیات کی پروفیسر ہونے کے حوالے سے ہم نے یہی سیکھا ہے کہ اپنے معاشرے اور انسانیت کی بقاء لازمی ہے، اور اس بقاء کے لئے ہمیں اعتماد کی رسی کو تھامنا ہوگا۔

حیا:..... آپ اپنے پڑھنے والوں کو کیا پیغام دینا چاہیں گی؟

ڈاکٹر صاحبہ:..... میرا پیغام آپ سب کے لئے یہی ہے کہ ”تغییر“ یعنی تبدیلی لے کر آنے کی کوشش کیجئے، اور یہ تبدیلی آپ کے اپنے اندر سے شروع ہوگی، جب آپ مثبت ہو جائیں گے تو تبدیلی آئے گی۔

# سروے فارم

گذشتہ دنوں ادارہ ماہنامہ حیا کی طرف سے ایک سروے فارم شائع کیا گیا تھا، جس میں قارئین سے چند سوالات کیے گئے تھے..... اس سلسلے میں ہماری قاریہ ”سعدیہ خان“ کی طرف سے جو جوابات موصول ہوئے، قارئین کی خدمت میں پیش ہیں..... دیگر قارئین سے بھی گزارش ہے کہ وہ بھی جلد از جلد اپنے جوابات ارسال فرمائیں

**سوال:..... آپ کا نام اور مختصر تعارف؟**

**جواب:.....** میرا نام (قلمی) سعدیہ خان ہے اور جو تعارف ہے اُس سے متعارف ہونا میرے دل کی مرضی نہیں ہے اور جس تعارف سے متعارف ہونا چاہوں گی وہ ابھی میسر نہیں! یعنی ”اتنا لکھنا کہ ایک دن ایک پاکیزہ تعارف سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالوں“۔

**سوال:..... ماہنامہ حیا سے کب سے وابستہ ہیں.....؟**

**جواب:.....** جنوری ۲۰۰۷ء سے۔

**سوال:..... ماہنامہ حیا کے مطالعہ سے آپ کی زندگی میں یا آپ کی ذات میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے.....؟**

**جواب:.....** عشقِ مجازی اور اس کے نقصانات!

عشقِ مجازی کے شر سے بچنے کیلئے اختیار کی جانے والی احتیاطیں! بہت باعزت اور اچھے طریقے سے کہانیوں، مضامین اور شہ پاروں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے، باقی

(۱)۔ انسان کس کس طرح اس پھندے میں پھنس سکتا ہے اس کا بھی پتہ چلا۔

(۲)۔ شہادت پانے کے شوق کو تقویت ملی۔

(۳)۔ مجاہدین سے محبت پہلے سے زیادہ جوش مارنے لگی۔

(۴)۔ تکلیفوں پر صبر کرنے کا راستہ آسان ہوا اور صبر کرنا آیا۔

یہ ایک طرح سے ذات میں تبدیلی ہی ہوئی۔



**سوال:**..... ماہنامہ حیا میں شائع ہونے والے ناولوں میں کوئی ایسا کردار ہے جس کو پڑھ کر آپ کا دل چاہا کہ آپ اسی کردار میں ڈھل جائیں.....؟

**جواب:**..... صرف ناول ہی نہیں بعض کہانیاں اور تحریریں پڑھ کر بھی بے اختیار دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس لڑکی جیسی بن جاؤں، جیسے:

(۱)۔ ارفع کریم (گوہر نایاب)

(۲)۔ آسیہ عارف (گوہر نایاب)

(۳)۔ زیبا (تحریر کا نام یاد نہیں)

(۴)۔ رنفہ (جوساتھ اک مخلص امین کا ہو)

**سوال:**..... جب سے آپ کا ماہنامہ حیا سے تعلق ہے، تب سے اب تک کوئی ایسی تحریر جو آپ نہیں بھلا سکیں.....؟

**جواب:**..... ”بھلا نہ سکیں“ ایسا تو نہیں ہوا، البتہ اکثر ان تحریروں، ناولوں، کہانیوں کے مختلف مناظر ذہن میں آتے رہتے ہیں، جیسے:

(۱)۔ زندگی کے رنگ۔ (کہانی)

(۲)۔ بہادر اور بزدل لڑکا۔ (کہانی)

(۳)۔ آنسوؤں کی قیمت۔ (ناول)

**سوال:**..... ماہنامہ حیا میں شائع ہونے والے آپ کے پسندیدہ ناول کا نام؟ آپ کا پسندیدہ اقتباس؟

**جواب:**..... اکثر مجاہدین سے متعلق ناول، کہانیاں، تحریریں پسند آتی ہیں:

(۱)۔ پسندیدہ ناول: جوساتھ ایک مخلص امین کا ہوا۔

(۲)۔ پسندیدہ اقتباس: دل توڑنا، دل کا جوڑنا اور کرہناک سفر کی داستان۔

**سوال:**..... کس رائٹر کو آپ ماہنامہ حیا میں پڑھنا چاہتی ہیں؟

**جواب:**..... جن رائٹرز کو ماہنامہ حیا میں پڑھنا چاہتی ہوں ان کا ماہنامہ حیا سے تعلق نہیں اور جن

کو بے چینی سے فہرست میں تلاش کرتی ہوں وہ بھی ماہنامہ حیا میں نہیں لکھتے، لیکن ہر بار ایک اُمید ہوتی ہے کہ شاید لکھا ہو۔ امید رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام میں بھی کبھی کبھی لکھ جاتے ہیں۔ میں جن کو پڑھنا چاہتی ہوں وہ جامعہ بیت السلام لنک روڈ کراچی و تلہ گنگ کے طالب علم ہیں جنہوں نے فی الحال ماہنامہ فہم دین میں ہی لکھنا شروع کیا ہے۔

جن کا نام میں بے چینی سے فہرست میں تلاش کرتی ہوں وہ ہیں ماہنامہ فہم دین کے مدیر صاحب خرم شہزاد! اور اب اگر آپ اُن کو ماہنامہ حیا میں لکھنے پیشکش و درخواست کریں گے تو اُمید ہے کہ میرا اُن کا نام ماہنامہ حیا کی فہرست میں تلاش ننگ لے آئے!

واضح رہے کہ میں آپ کو انہیں پیشکش کرنے کی ترغیب نہیں دے رہی، میں نے بس آپ کے سوال کا جواب دیا ہے، مجھے یقین ہے بغیر پیشکش کے محترم مدیر صاحب ماہنامہ حیا میں بھی لکھیں گے! سوال:..... ماہنامہ حیا معاشرے میں اصلاحی پہلو اجاگر کرنے کی ایک ادنیٰ کاوش ہے۔ کیا ماہنامہ حیا اپنے مقصد میں کامیاب ہے؟

جواب:..... مذکورہ سوال سے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی خوشبو آرہی ہے، پتہ نہیں کیوں ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ سوال انہوں نے کیا ہو۔ بہر حال: ”ماہنامہ حیا معاشرے میں اصلاحی پہلو اجاگر کرنے کی ایک ادنیٰ کاوش ہے“۔ ایسا لگتا تو ہے۔

شروع شروع میں یہ رسالہ کافی زیادہ مضامین کے ساتھ پبلش ہوتا تھا پھر کہانیاں زیادہ ہونے لگیں مضامین ایک طرف کو سٹ گئے۔ اب مضامین اور کہانیاں اعتدال میں ہیں اور مندرجہ ذیل سلسلوں، تحریروں وغیرہ کی وجہ سے ماہنامہ دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے اور دلچسپی سے ہی ماہنامہ حیا کی ورق گردانی بھی کی جاتی ہے (ہمارے گھر میں):

(۱)۔ متواتر سلسلوں۔

(۲)۔ مختلف موضوعات پھر چھوٹی چھوٹی معلوماتی تحریریں۔

(۳)۔ گلستہ حیا۔

(۴)۔ خواتین اسلام کی درخشاں تاریخ۔

(۵)۔ مزے دار حیا کی محفل۔

(۶)۔ ناولز کا معتدل تناسب۔

(۷)۔ وظائف کا سلسلہ (روحانی ڈاک)۔

فطری طور پہلی تاریخ سے انتظار رہتا ہے ماہنامہ حیا کا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ماہنامہ حیا کو دلچسپی سے پڑھنا بھی اصلاح کی وجہ بن جاتا ہے۔

سوال:..... کیا آپ ماہنامہ حیا میں کوئی تبدیلی چاہتی ہیں؟ اگر ہاں تو کس قسم کی؟ اپنی رائے دیجئے (اگر سروے میں زیادہ بہنوں کی رائے متفق ہوئی تو ادارہ تبدیلی لانے کی پوری کوشش کرے گا؟) جواب:..... جی بالکل! تبدیلی چاہتی ہوں اور تبدیلی کی اقسام بھی بتانا چاہوں گی:

(۱)۔ اگر سروے میں زیادہ بہنوں کی رائے متفق ہوئی تو ادارہ تبدیلی لانے کی پوری کوشش کرے گا پہلی تبدیلی اس میں کریں کہ تبدیلی کرنے کیلئے جو تجویز، رائے اچھی لگے وہ کر لی جائے۔

(۲)۔ اشتہارات رسالے کے شروع میں نہ دیں۔ چار یا آٹھ صفحات پلٹنا بھی دل کو گراں گزرتا ہے۔ اگر ان اشتہارات کے رنگ کہانیوں، تحریروں، مستقل سلسلوں کو دے دیئے جائیں تو رسالہ پڑھنے میں مزید دلچسپی پیدا ہوگی۔

(۳)۔ جنید جمشید کی ایڈورٹائزنگ بد نظری کا باعث معلوم ہوتی ہے۔

(۴)۔ سروے فارم، انعامی مقابلوں جیسے اور مواقع فراہم کئے جائیں، اس طرح اپنے خیالات اور اپنی رائے سے آپ کو اپ ڈیٹ کرنا اچھا لگتا ہے اور انعامی مقابلوں سے صلاحیت بڑھتی ہے۔

(۵)۔ حیا کی آواز دو صفحات پر ہی کیوں لکھتی ہیں؟ ایک ہی صفحہ پر لکھا کریں ناں؟ اور دونوں صفحات پر ایک ہی جیسی ہیڈنگ دیکھ کر حیا کی آواز پڑھنے میں مزہ ہی نہیں آتا!

(۶) ماہنامہ حیا میں جہاں:

(ماہنامہ حیا کراچی، صفر ۱۴۳۹ھ نومبر سن ۲۰۱۷ء جلد: ۱۳ شماره: ۱۱ قیمت: ۸۰ روپے وغیرہ) لکھا جاتا ہے اس کی چوڑائی بھی کم کریں، ورنہ پھر اس طرح صفحے پر سلوٹیں آتی ہیں جس کی وجہ سے حیا کو الماری سے مہینہ اور سال کی مدد سے نکالنا کافی مشکل اور دقت آمیز ہو جاتا ہے۔

سوال:..... ماہنامہ حیا سے اپنی وابستگی کا اظہار ایک شعر کے ذریعے کیجئے۔

جواب:..... جانتے ہو؟

محبت کسے کہتے ہیں؟

کسی (ماہنامہ حیا) کو دل سے چاہنا

اور پھر خاموش رہنا.....

(ختم شد)

## سروے فارم

ماہنامہ حیا جون 2005 سے اب تک اپنی زندگی کی 12 بہاریں دیکھ چکا ہے اور دھیرے دھیرے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، اس عرصہ میں اسے مختلف حالات سے گذرنا پڑا، لیکن ادارہ کے کارپردازوں نے ہمت کا دامن نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور آپ بہنوں کے تعاون سے یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ یوں تو آپ بہنوں کے تاثرات کا کچھ اندازہ خطوط، ای میلز اور فون کالز سے ہوتا ہے لیکن اب ادارہ حیا نے اپنے چاہنے والوں سے تعلق کو مزید مضبوط اور مربوط کرنے کے لیے ایک فارم مرتب کیا ہے، جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ اپنی آراء سے آگاہ فرمائیے، ہمیں انتظار رہے گا۔ (ادارہ)

سوال نمبر 1:..... آپ کا نام اور مختصر تعارف۔

سوال نمبر 2:..... آپ ماہنامہ حیا کے ساتھ کب سے وابستہ ہیں؟

سوال نمبر 3:..... کیا ماہنامہ حیا کے مطالعہ سے آپ کی زندگی یا آپ کی ذات میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی؟

سوال نمبر 4:..... ماہنامہ حیا میں شائع ہونے والے ناولوں میں سے کوئی کردار ایسا ہے جس کو پڑھ کر

آپ کا دل چاہا کہ آپ اس کردار میں ڈھل جائیں؟

سوال نمبر 5:..... جب سے آپ کا ماہنامہ حیا سے تعلق ہے تب سے اب تک کوئی ایسی تحریر جو آپ نہیں

بھلا سکیں؟

سوال نمبر 6:..... ماہنامہ حیا میں شائع ہونے والے آپ کے پسندیدہ ناول کا نام؟..... آپ کا پسندیدہ

اقتباس؟

سوال نمبر 7:..... کس رائٹر کو آپ ماہنامہ حیا میں پڑھنا چاہتی ہیں؟..... فہرست میں کس رائٹر کا نام بے

چینی سے تلاش کرتی ہیں؟

سوال نمبر 8:..... ماہنامہ حیا معاشرے میں اصلاحی پہلو اجاگر کرنے کی ایک ادنیٰ کاوش ہے..... کیا

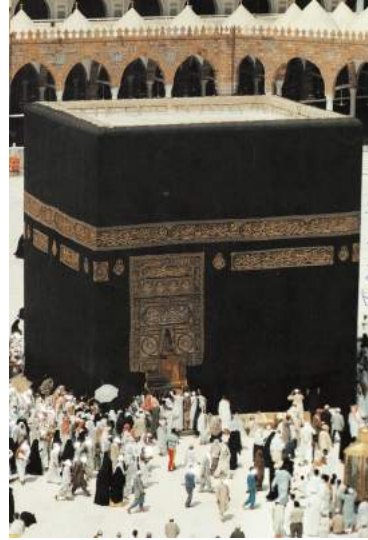
ماہنامہ حیا اپنے مقصد میں کامیاب ہے؟

سوال نمبر 9:..... کیا آپ ماہنامہ حیا میں کوئی تبدیلی چاہتی ہیں..... اگر ہاں تو کس قسم کی؟ اپنی رائے

دیجئے..... (اگر سروے میں زیادہ بہنوں کی رائے متفق ہوئی تو ادارہ تبدیلی لانے کی مکمل کوشش کرے گا)۔

سوال نمبر 10:..... ماہنامہ حیا کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ایک شعر کے ذریعے کیجئے۔

## در بار میں حاضر ہے



پہلا حصہ

### جنت ما!!

دل میں ہمیشہ سے یہ تھا مکہ و مدینہ جانے والے بھاگوں والے ہوتے ہیں۔ ہمیں بطحا و طیبہ کی دید نصیب ہوگی، یقین ہی نہ تھا۔ مکہ و مدینہ کے تذکرے کتابوں میں پڑھتے اور کڑھتے..... کاروانِ حرم آتے جاتے ایک آس پیدا کر دیتے۔ اپنی کم مائیگی کا دھڑکا لگتا، ہم خوابوں کے مکہ و مدینہ سے ہو

آتے اور اپنے من کو خود تسلی دے کر منا لیتے۔ وقت گزرتا رہا، نہ اندر کی گرمی تھمتی اور نہ تشنگی بجھتی۔ زائرانِ حرم سے ملتے تو خاکستر میں دبی چنگاری پھر سے شعلہ زن ہو جاتی۔ ہمارے ایک دوست کو اعزازی عمرہ کا ٹکٹ ملا۔ ہمارا جی بہت لچایا، لیکن ملکی سطح پر پوزیشن لینا اور عمرہ پہ جانا، گویا اس وقت تک ہم جیسے طالب علم کے نزدیک..... پتھر بھاری تھا چوم کے چھوڑ دیا..... کا مصداق تھا..... ادھر کا تب تقدیر ہماری قسمت میں مکہ و مدینہ لکھ چکا تھا:

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ  
دیکھیں گے کبھی شوق سے مکہ و مدینہ

اب کی بار قرعہ فال ہمارے ہی نام نکلا تھا، جی ہاں ہمارے نام جو انہونا کام تھا وہ ہو گیا۔ لایخیل عقدہ وا ہوا..... ”عرفت ربی بفسخ العزائم“..... والا مقولہ حرف بہ حرف صادق آگیا۔ ہوا یوں کہ درجہ رابعہ میں ملکی سطح پر پوزیشن حاصل کرنے پر مادر علمی جامعہ الصنفہ کی طرف سے اعزازی عمرہ کا اعلان ہوا۔ ہم دھک سے رہ گئے۔ ہمیں یاد آیا، اپنے پاس کوئی عمل ہے نہ قابلیت۔ یہ محض غفور و رحیم ذات نے ایک دل شکستہ کی آرزو پوری کر دی۔ تب دیدہ و دل دونوں اس بارگاہ عالی کے شکرانہ میں جت گئے۔

سو چاہیہ سب صدقہ و طفیل ہے اساتذہ کرام اور والدین کی دعاؤں کا۔ اپنے چھوٹے ہاتھوں

صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ وہاں سے ایئر پورٹ کا فاصلہ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے کا تھا۔ اگلے دن ظہر پڑھ کر ہم چلے۔ شام ہونے لگی تھی کراچی کی ٹوٹی پھوٹی سڑکیں سرشام جس بے دردی سے کراہ رہی ہوتی ہیں اور ہچکیاں لے رہی ہوتی ہیں کہ ٹریفک کھسکتے رکتے چلتی ہے۔ ہمارے ڈرائیور نے تیزی سے گاڑی بھگاتے ہوئے کوئی ڈیڑھ دو گھنٹوں میں ہمیں پہنچا دیا۔ ہم ہی شاید اس قافلے کے آخری مسافر تھے جو ابھی آرہے تھے۔ بقیہ لوگ کاروائی تقریباً مکمل کر کے جا چکے تھے۔ ایئر پورٹ عملہ کا غصہ دیدنی تھا.....

ادھر ہمارے عشق کا ایک اور کٹھن امتحان باقی تھا۔ یہاں پہنچتے ہی پاسپورٹ نکالے۔ سب کا پاسپورٹ مل گیا، مگر یہ کیا..... خالہ کا پاسپورٹ ندارد!! تلاش بسیار کے بعد کچھ نہ ملا۔ ہم تو ٹوٹ کے رہ گئے۔ یا خدا یا!! اب کیا ہوگا؟ سب کے چہرے فق ہو گئے۔ اس اچانک افتاد نے سب کے ہوش اڑا دیئے۔ مختلف خیالات ہمارے دماغ کے کینوس پر گردش کرنے لگے.....

خالہ رہیں گی تو کیا ہم بھی رہ جائیں گے؟!!  
ہمیں دیر ہو جائے تو کیا جہاز والا روکے گا؟!!  
کیا ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے؟!!  
خدا یا!! ہمارا آخری سہارا آپ ہیں۔ ہمیں بلا کے محروم نہ کرنا۔ جگ ہنسائی ہوگی۔ ”جل تو جلال تو، صاحب کمال تو، آئی بلا کو ٹال تو۔“ اتنے میں

اور تہی دامن سے یہی ایک ہدیہ ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اپنی جگہ والدین کریمین کو جانے دیں۔ ادھر والدین کی محبت دنیا کے مول تھوڑی بکتی ہے، وہ تو عطاء خداوندی ہے۔ عجب سلسلہ عشق ہے، خود دھوپ میں چلنا اور اپنے جگر پاروں کو باہوں کے سائبان تلے رکھنا۔ کہنے کو ہم نے کہہ دیا اے جنت!! یہ چھوٹا سا ہدیہ قبول کیجئے۔ آپ کا جانا ہمارے لئے ہزار درجہ نعمت بھی ہے، غنیمت بھی۔ ہم جا کے بھی محروم رہ سکتے ہیں۔ آپ جائیں گے تو آپ کی ایک دعا ہماری دنیا و عقبی سدا ہمارے گی۔ قبلہ والد صاحب اس ایثار طفل پہ راضی ہوئے اور نہ والدہ صاحبہ نے حامی بھری۔ والد صاحب نے یہ کہتے ہوئے گھر بھر میں خوشی و مسرت کی ایک اور قندیل روشن کر دی۔ ”بیٹا! ہم سب جائیں گے۔“ کوئی لاکھ چاہے میرا من چاہا ہو جائے، لیکن ہوتا وہی ہے جو لیکھ کا لکھا ہو۔

باری تعالیٰ نے ایک متوسط خانوادے سے سات افراد کا یکے بعد دیگرے نظم فرما دیا۔ کہنے کو تو ہم ہی خشت اول تھے..... درحقیقت انہی بزرگواروں کی دعاؤں نے کچھ لاج رکھ لی تھی۔

نئی افتاد..... یا خدا یا!!

16 مارچ 2015ء پیر کی شام پانچ بجے جناح انٹرنیشنل ایئر پورٹ کراچی سے روانگی طے تھی۔ ہم ایک دن قبل پندرہ تاریخ کو بھائی اکرم

واپس آیا تو گاڑی نہ تھی۔ بڑی گاڑی شام کے ایسے  
 رش میں لے جانا بیوقوفی تھی۔ میرے بیٹے شعیب کا  
 دوست موٹر سائیکل پہ کھڑا تھا۔ میں نے اسے کہا:  
 بیٹا! جلدی سے ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔ ہم چلے تو  
 آگے سڑکیں گاڑیوں سے کچھا کچھ بھری ہوئی تھیں۔

جہاں پھنس جانے کا خطرہ ہوتا میں اسے بتاتا وہ  
 اٹے ہاتھ سے گاڑی نکالتا..... تا آنکہ ہم ایئر پورٹ  
 ایریا میں پہنچ گئے۔ یہاں ریئر چیک پوسٹ پہ  
 گاڑیوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ ہم اٹے ہاتھ سے  
 لائن کاٹتے ہوئے آگے آگے قریب پہنچ کر میں  
 نے انہیں روک دیا خود جلدی سے گیا اور اسٹیل مل کا  
 اپنا کارڈ دکھایا اور ایئر جنسی صورتحال بتائی۔ وہ کہنے  
 لگے: سر! جلدی جائیے..... یوں میں آپ لوگوں  
 تک پہنچا تھا۔ سب نے سن کر کہا: سبحان اللہ!! یہ تو  
 اللہ تعالیٰ ہی کی خاص مدد تھی.....

### رخصت اے وطن!

سات رکنی قافلہ بنام خدا تقریباً مغرب کے  
 وقت کراچی جناح انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے اڑان  
 بھرتا ہے۔ پہلی بار اس قدر آرام دہ ہوائی سفر کو  
 دیکھ کر، بھلے وقتوں کے بڑے پُر مشقت سفروں کی  
 داستانیں لوک کہانیاں لگنے لگیں۔ بالکل اسی طرح  
 جیسے دسمبر کے سخت جاڑے میں سرشام نہانا ایک  
 بے حقیقت لگتا ہے اور جون جولائی کی سخت تپتی  
 لو میں رضائی اوڑھنا افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ  
 وقت بڑا پرسکون و آرام دہ رہا، انتظامات بھی کافی

بھائی اکرم صاحب سے رابطہ ہوا، انہوں نے بتایا  
 پاسپورٹ یہاں رہ گیا تھا، میں لا رہا ہوں۔ باقی  
 حضرات اپنی کارروائی جاری رکھیں۔ اب ہماری  
 جان میں جان تو آئی، لیکن وقت کی قلت اور طویل  
 مسافت.....!!

یہ سوچ سوچ کر ہم پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔  
 آخر بھائی اکرم صاحب کیسے پہنچ پائیں گے!!  
 اندر کا عملہ ہمیں گھورنے کے ساتھ ساتھ ایک  
 پروٹوکول سے جھٹ پٹ ہر مرحلہ سے گزارتا رہا۔  
 دو تین گھنٹوں کی کارروائی تقریباً ایک گھنٹے  
 میں انجام پائی۔ ابھی ہم قطار میں کھڑے تھے  
 اتنے میں بھائی اکرم صاحب پہنچ گئے۔ ارے  
 واہ!! اتنا جلدی آ بھی گئے..... سب نے اللہ تعالیٰ  
 کا شکر ادا کیا۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے خالہ صاحبہ بھی  
 ہمارے ساتھ شریک کارروائی ہو گئیں..... لیکن  
 سعودیہ پہنچنے تک یہ عقدہ نہ کھلا کہ بھائی اکرم اتنے  
 جلدی کیسے پہنچے تھے؟!

حرم پہنچنے کے بعد بھائی اکرم صاحب نے فون  
 پہ بتایا، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص مدد تھی۔ آپ  
 پاسپورٹ فوٹو اسٹیٹ والی دکان پہ چھوڑ آئے تھے۔  
 اسی دن کی تاریخ رواں دیکھ کر انہوں نے فوراً مسجد  
 میں اعلان کرایا۔ ہماری ایک پڑوسن نے یہ اعلان  
 سنا۔ وہ ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں۔ آپ لوگوں نے  
 فون کیا تو انہوں نے بتایا پاسپورٹ کا اعلان ابھی  
 ہو رہا تھا۔ میں نے وہاں سے پاسپورٹ اٹھایا،

کن ہوتی ہے۔ زندگی میں پہلی بار یہ اتفاق دیکھا کہ وقت بھی پیچھے پلٹ سکتا ہے!! اب سب مسافر اپنا اپنا سامان لیے نشستوں پہ بیٹھ گئے۔ یہاں کوئی آدم نہ آدم زاد!! گھنٹے دو کی طویل صبر آزما انتظار کے بعد کارروائی شروع ہوئی۔ کراچی ایئر پورٹ پر عملے کی جس عجلت نے احرام تک پہنچنے نہ دیئے، یہاں سرد مہری انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔

..... (باقی آئندہ).....

☆.....☆.....☆

### چھوٹے گناہ کیسے ہلاک کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ان گناہوں سے بچو جنہیں چھوٹا سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان گناہوں کی مثال جنہیں چھوٹا شمار کیا جاتا ہے ایسی ہے جیسے کوئی قوم کسی وادی میں اترے (اُسے آگ کی ضرورت پڑے) تو یہ ایک لکڑی اور وہ ایک لکڑی لے کر آئے یہاں تک کہ انہوں نے اتنی لکڑیاں اٹھائیں جس سے انہوں نے اپنا کھانا پکا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے گناہوں کے کرنے والے کی پکڑ ہوتی ہے تو وہ اس کو ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔“

(احمد، طبرانی)

(انتخاب: عامر حسین)

عمدہ تھے۔ نامعلوم یہ ”سعودی ایئر لائن“ کی خصوصیت تھی یا ہر ہوائی سفر ایسا ہوتا ہے!؟

ہم میقات سے پہلے ہی جہاز میں احرام کی چادریں زیب تن کر چکے تھے۔ فخر و غرور اور بڑائی دم بھر میں نکل گئی۔ اب ہر زائر حرم کافی الوقت سرمایہ کفن کی دو چادریں تھیں۔ احرام کے بدن پہ آتے ہی دل و دماغ کے تانے بانے واردانِ حرم کے سے جذبات سے جڑنے لگے۔ اب ہر آدمی لبیک اللہم لبیک کی صدا لگا رہا تھا اور مانی بے آب کی طرح بیت اللہ میں پہنچنے کے لیے مچل رہا تھا۔

چار گھنٹوں کے بعد جہاز نے آہستہ آہستہ نیچے کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ یوں لگتا ہے زمیں کی کشش ثقل بہت زیادہ ہے جہاز کو بمشکل فضاء میں رکھا جا رہا ہے۔ تاحدنگاہ روشن تقمقوں سے جدہ انٹرنیشنل ایئر پورٹ کی وسعت ہمیں غیر معمولی معلوم ہوئی۔ جہاز کے رن وے پہ رکتے ہی بسیں، ٹرالیاں، کرینیں اور عملہ کے لوگ چیلوں کی طرح جھپٹتے ہوئے آئے۔ لمبی ترنگی بسیں ہلاکسی قاعدہ و قانون کے ”الفضل للمتقدمہ“ کے مطابق جہاز سے اترنے والوں کو ایئر پورٹ لاؤنج میں لانے لگیں۔ ہر بس میں بیٹھنے کے لئے ایک آدھ سیٹ ہوتی ہے۔ ہر بوڑھے باباجی کا خیال ہوتا ہے اس کا واحد مستحق میں ہوں.....!!

ہم لاؤنج میں پہنچے تو دیکھا، گھڑی کی سوئی یک بیک پیچھے چلی گئی۔ یہ چیز نووارد کے لیے بڑی حیران



اور جب وہ ملتان آتے ہیں تو بھی مجھے اور بچوں کو ٹائم نہیں دیتے بلکہ اپنے دوستوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ آدھی آدھی رات کو گھر آتے ہیں۔ آپ سے ایک تو یہی درخواست ہے کہ مجھے کوئی ایسا وظیفہ یا عمل بتائیں کہ میرے شوہر جب شہر آئیں تو مجھے ٹائم دیں۔ نیز میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کا کام بھی ملتان میں سیٹ ہو جائے۔ اور وہ الگ چاہے چھوٹا سا ہی سہی ایک گھر لے لیں۔ میں اپنے بچوں کی پرورش شریعت کے مطابق کرنا چاہتی ہوں۔ کیوں کہ میرے سسرال کا ماحول بہت ایڈوانس ہے۔ اس ماحول میں میرے بچے دین سے قریب نہیں ہو سکتے۔ میرے اوپر سسرال کی بہت ذمہ داریاں ہیں اور بچے بھی ابھی بہت چھوٹے ہیں اس لئے عرض گزار ہوں کہ آسان اور مختصر عمل یا وظیفہ دیجئے گا۔ جو میں پابندی اور سہولت سے کر سکوں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تقریباً سوا سال پہلے ہماری چھت پر سے میری ایک قمیص گم ہو گئی تھی۔ سارے دھلے ہوئے

محترم قاری صاحب!! السلام علیکم  
میرا تعلق ایک دین دار گھرانے سے ہے۔ الحمد للہ ہمارے والدین نے شریعت کے عین تقاضوں کے مطابق ہماری تربیت کی۔ مگر میری شادی ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں دین کا خاص شعور نہیں ہے۔ میری شادی کو چھ سال ہو چکے ہیں۔ میرے شوہر کام کے سلسلے میں اسلام آباد ہوتے ہیں اور میں ملتان میں اپنے سسرال میں۔

## روحانی ڈاک



قاری رشید احمد



آج تک میں منزل بہت پابندی سے پڑھتی ہوں۔ شادی سے پہلے میں نماز قرآن کی بہت پابند تھی مگر شادی کے بعد نمازیں بھی قضا ہونے لگی اور کافی عرصے تک میں قرآن پاک بھی نہیں پڑھ سکی۔ اب میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ میری کوئی نماز قضاء نہ ہو اور الحمد للہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوں۔ مگر رات کو سوتے میں دباؤ ہونا۔ وحشت سے آنکھ کھلنا۔ ہر وقت کسی کے ساتھ ساتھ ہونے کا احساس..... غصہ، چڑچڑاہٹ..... ان کیفیات کی وجہ سے مجھے لگتا ہے کہ میرا دماغ پھٹ جائے گا برداشت برداشت کرتے کرتے میری آپ سے درخواست ہے کہ چیک کر کے بتائیں کہ میرے ساتھ کیا مسئلہ ہے اور میری قیض کے گم ہونے کا ان کیفیات کے ساتھ کیا تعلق ہے جو یہ بات میرے دل سے نکلتی ہی نہیں.....

میرا نام..... ہے۔ میرے شوہر پیار سے مجھے..... کہتے ہیں۔

میرے شوہر کا نام..... ہے۔ پہلے ان کا عرف میں نام پڑا ہوا تھا..... مگر اب سب..... ہی کہتے ہیں۔

میری امی کا نام..... ہے اور میری ساس کا نام..... ہے۔

پہلی بار اپنا مسئلہ آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے۔ پہلے کہیں سے کوئی علاج نہیں کروایا۔

قاری صاحب! میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی، آپ میرے مسائل کا کوئی بہت آسان، مختصر

کپڑے نیچے آگے مگر وہ قیض نہیں ملی۔ میں نے اپنی ساس کو بھی کہا میری قیض گم ہوگئی ہے۔ انہوں نے تشویش کا اظہار کیا مگر بہر حال قیض نہیں ملی..... اب مسئلہ یہ ہے کہ جب سے یہ قیض گم ہوئی ہے میری کیفیت بہت عجیب رہتی ہے۔ مجھے ہر وقت غصہ آتا ہے۔ بچوں کو خواہ مخواہ مارتی ہوں۔ دماغ ہر وقت الجھا ہوا اور بوجھل رہتا ہے۔ رات کو سوتے میں بہت دباؤ محسوس ہوتا ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے ایسے لگتا ہے کہ کوئی میرے پیچھے ہے۔ مطلب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے ارد گرد کوئی ہے۔ مجھے وحشت سی ہوتی ہے۔ مجھے ہر وقت عجیب عجیب دوسو سے آتے ہیں کہ میرے بچوں کو کچھ نہ ہو جائے۔ میرے شوہر کو کچھ نہ ہو جائے۔ نیز یہ قیض جب گم ہوئی تو اس کے چند دن بعد میں نے خواب دیکھا کہ میں بھاگ رہی ہوں۔ میری ساس بھی راستے میں نظر آتی ہیں۔ پھر آگے جا کر مجھے میری امی مل جاتی ہیں تو میں اپنی امی کو بتاتی ہوں کہ میری قیض چھت سے گم ہوگئی ہے ہر جگہ ڈھونڈی نہیں ملی۔ جب سے قیض گم ہوئی امی تب سے مجھے ہر وقت غصہ آتا ہے۔ میرا دل کرتا ہے بچوں کو ماروں۔ میرے اوپر ایک وحشت رہتی ہے۔ امی آپ مجھے بتائیں کہ کون ہے جو میرے پیچھے پڑا ہے اور یہ عمل کر رہا ہے پھر میں اپنی امی کے گھٹنے پر سر رکھ کر بہت روتی ہوں تو میری امی کہتی ہیں کہ بس تم روزانہ منزل پڑھا کرو۔ قاری صاحب جس دن سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے الحمد للہ اس دن سے

اور مجرب حل بتادیں۔ والسلام

(برائے مہربانی میرا نام شائع نہ کیا جائے۔ خط بے شک شائع کر دیں)

جواب:..... محترمہ فہی!:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

آپ کا مسئلہ جان کر جذبہ ہمدردی سے دوچار ہوا ہوں..... دعا گو ہوں کہ اللہ پاک آپ کے شوہر کا آپ جانب میلان فرمادے۔ آمین۔

نمبر 1:- آپ نے اپنے شوہر کے بارے میں جو تفصیل لکھی ہے۔ اس بارے میں، میں نے ساری دیکھ رکھ کی ہے۔ جس کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کے شوہر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی روحانی معاملہ نہیں ہے۔ مطلب کوئی تعویذ، اثرات، بندش یا جادو کا معاملہ نہیں ہے..... آپ کے ساتھ آپ کے شوہر کا ایسا رویہ محض ان کے مزاج اور فطرت کی بنا پر ہے۔

اور شوہر کا میلان آپ کی طرف ہو جائے، ان کی توجہ آپ کی جانب مبذول ہو جائے، اس کے لئے جب آپ کے شوہر کو یہ اس لگے تو آپ ان کو پانی پر ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھ کر دم کر کے پلائیں۔ ان شاء اللہ خاطر خواہ نتائج مرتب ہوں گے۔

2:- روزگار مستقل ملتان میں لگ جائے اور شوہر ملتان میں مستقل رہائش پذیر ہو جائے۔ اس کے لئے آپ روزانہ مغرب کی نماز کے بعد اول و آخر تین تین بار درود شریف پڑھ کر 121 بار پڑھ کر توجہ کے ساتھ دعا مانگیں۔ ان شاء اللہ، مقصد

میں کامیابی ہوگی۔

3:- آپ نے لکھا کہ اپنا گھر لے دیں شوہر تو اس کے لئے آپ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان 1000 بار درود شریف پڑھ کر خاص دعا مانگیں۔

4:- آپ نے جو اپنی قمیض کے گم ہو جانے کے بارے میں تفصیل لکھی ہے تو اس بارے میں ساری دیکھ بھال کے بعد یہ نتائج سامنے آئے ہیں کہ آپ کی قمیض گم ہونا جنات کی شرارت ہے، کوئی جادو نہیں ہے اور قمیض گم ہو جانے کے بعد سے آپ کی طبیعت و کیفیت کی وجہ یہی ہے کہ آپ پر آسیب کی شکایت سامنے آ رہی ہے۔ بہت زیادہ مسئلہ نہیں ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ منزل پابندی سے پڑھتی ہیں تو منزل کی پابندی کو آپ جاری رکھیں۔ نیز 21 دن کا آسان ترین عمل دے رہا ہوں۔ 21 دن عمل کے بعد دوبارہ خط لکھ کر کیفیت اور حالات سے آگاہ کریں۔

عمل یہ ہے کہ 21 دن تک عشاء کی نماز کے بعد اول و آخر گیارہ بار درود شریف پڑھ کر 313 بار یَا قَہَّارُ یَا قَوُّیُّ یا قَابِضُ پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں اور پانی پر دم کر کے پیئیں اور دعا بھی مانگیں۔

اگر درمیان میں ایام عذر آجائیں تو بھی یہ اسمائے حسنیٰ والا عمل جاری رکھنا ہے۔ چونکہ یہ اسمائے حسنیٰ ہیں۔ ان کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ 21 دنوں میں ناکام نہیں آنا چاہیے۔

اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ والسلام۔

☆.....☆.....☆

صرف جواب:

پیاری بیٹی چندا پنجاب صاحبہ!!!  
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پیاری بیٹی!

ہے۔ اس میں کوئی روحانی معاملہ باعث رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن بیٹی! امید ہے کہ آپ کے والد صاحب کا علاج ہونے کے بعد ان کے مزاج میں تبدیلی رونما ہو جائے اور وہ آپ کو پڑھنے کی بھی اجازت دے دیں۔

4:- آپ نے لکھا کہ صلح کے لئے تایا کی فیملی مان جائے تو بیٹی! آپ لوگوں پر جو جادو ہے، بندش ہے۔ آپ کے والد پر آسیب ہے تو یہ سب چیزیں صلح کے معاملات میں حائل ہیں۔ جب تک آپ لوگوں پر جو جادو ہے اور بندش ہے اس کا علاج نہیں ہوگا تب تک صلح کیسے ہو سکتی ہے؟؟

خلاصہ یہ کہ آپ لوگوں کو علاج کی شدید ضرورت ہے۔ آپ نے جتنے بھی مسائل لکھے ہیں سب جادو اور آسیب کے سبب ہیں۔

5:- رشتے کے لئے وظیفہ جب تک کار آمد نہیں ہوگا جب تک آپ لوگوں کا جادو ختم نہیں ہوگا۔ عرض یہ ہے کہ اگر آپ لوگوں کے گرد و نواح میں کوئی قابل اعتماد عامل ہیں تو آپ ان سے رابطہ کر کے علاج کروالیں لیکن اگر آپ نے بندے پر بھروسہ کر کے اپنے مسائل لکھے ہیں اور علاج بھی بندے سے کروانے کے لئے دل مطمئن ہے تو گزارش یہ ہے کہ آپ رابطہ کر لیں۔ آپ کا علاج کچھ مشکل اور سخت ہے۔ تاکہ علاج کا طریقہ کار اور ساری ترتیب آپ کو سمجھا دوں۔

☆.....☆.....☆

آپ کے سارے حالات پڑھ کر دلی افسوس ہوا۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا گوں ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کی ساری پریشانیوں اپنی رحمت سے دور فرمادے۔ آمین۔  
بیٹی! آپ کے سارے مسائل پڑھ کر میں نے آپ کے تمام معاملات کی چھان بین کی ہے۔ ساری چھان بین کے بعد جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں:

1:- آپ لوگوں کا گھر بنا ہوا ہے اور آپ لوگوں کے شفٹ نہ ہو سکنے کی وجہ رکاوٹ ہے۔ جس کو بندش کہتے ہیں اور یہ بندش جادو کی وجہ سے ہے۔ حاصل کلام کہ آپ لوگوں پر جادو ہے۔ جس کی وجہ سے آپ لوگوں کو اس قدر مسائل اور پریشانیوں کا سامنا ہے۔

2:- آپ کے والد صاحب پر آسیب ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے دل میں آپ لوگوں کی محبت نہیں ہے۔ والدہ کا خیال نہیں رکھتے وغیرہ، جب ان کا علاج ہوگا اور آسیب کے اثرات زائل ہوں گے تو ان کے دل میں آپ لوگوں کی محبت، اور احساس اجاگر ہوں گے۔

3:- آپ کے والد آپ کو پڑھنے کی اجازت نہیں دے رہے تو یہ محض ان کے مزاج کے سبب

# اے بنتِ حوا تو مت نکل تنہا!.....!

شریعتِ مطہرہ کے ایک حکم کی خلاف ورزی پر اس خاتون کے ساتھ کیا ہوا؟..... آپ بھی پڑھیں، ایک سچا واقعہ

بنت محمد عارف قریشی۔ شہداد پور

”صالحہ! تم آج گھر مت جاؤ، نجانے کیوں میرا دل بے چین ہے؟“ امی گھبراتے ہوئے بولیں۔  
امی! بچے گھر پر اکیلے ہیں، ان کے ابو بھی کراچی جا رہے ہیں اس لئے ان کا فون آیا تھا کہ آج ضرور آجانا۔  
صالحہ جو اپنا بیگ بنا کر بالکل تیار کھڑی تھی اُس نے جواب دیا۔

”بیٹا! رات میں اکیلے جانا مناسب نہیں ہے، صبح چلی جانا۔“ انہوں نے اُسے پھر روکا۔  
”امی بلا دل کا کل پیپر ہے، اگر حریم کی آنکھ نہ کھلی تو اس کا نانتھہ کا سال ضائع ہو جائے گا۔“  
ویسے بھی علی گاڑی میں بٹھا کر آئے گا، پھر وہاں سے میں رکشے میں بیٹھ کر چلی جاؤں گی، آپ گھبراہٹیں مت۔“ صالحہ نے امی کو تسلی دی۔  
”چلو باجی! جلدی ٹرین آنے میں صرف

”یا الہی! تیرا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ تو نے مجھ سیاہ کار، خطا کار بندی کی جان، مال اور عزت کی حفاظت فرمائی۔ میرے مولا تو بہت کریم ہے، میرے آقا میں تو اس قابل نہ تھی۔ الہی! تو ہر بہن بیٹی کی عزت، جان و مال کی ایسے ہی حفاظت فرمانا۔“

صالحہ سجدے میں سر رکھے اپنے رب سے راز و نیاز میں مصروف تھی، احساسِ تشکر سے اس کا دل تو کیا سر بھی جھکا جا رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، فخر کی اذان سن کر اس نے اپنا سر سجدے سے اٹھایا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو صاف کیا۔ آج اللہ کے حضور سر جھکائے اور پروردگار کا شکر ادا کرتے پوری رات بیت چکی تھی، پر احساسِ شکر گزاری کم نہ ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

پریشانی کی وجہ سے اسے کوئی اور دعا بھی نہ آرہی تھی۔ بہر حال، طویل انتظار کے بعد ٹرین اسٹیشن پر آکر رکی تو صالحہ کی جان میں جان آئی، وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ٹرین کی طرف لپکی رات کے سوا دس ہونے کی وجہ سے اسٹیشن خالی تھا اس لئے ٹرین میں جگہ کا بھی کوئی مسئلہ نہ ہوا۔

وہ کھڑکی کے برابر والی سیٹ پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

علی! جاؤ تم گھر، گاڑی تیز ہو جائے گی پھر، ٹرین نے دھیرے دھیرے ریگننا شروع کیا تو صالحہ نے علی کو کہا۔

باجی کافی رات ہو گئی ہے راستے میں کوئی مسئلہ نہ ہو جائے، اس لئے آپ کے ساتھ چلتا ہوں، صبح آجاؤں گا۔“ علی کے لہجے سے فکر مندی اور پریشانی عیاں تھی۔

علی! تمہیں صبح صبح کام پر جانا ہے اترو ورنہ پریشانی ہوگی، ٹرین اب چل ہی پڑی ہے انشاء اللہ آدھے گھنٹے میں اپنے شہر پہنچ جاؤں گی۔“

صالحہ نے مطمئن انداز میں کہا اور علی کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی نیچے اتار دیا وہ اُسے پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

☆.....☆.....☆

”علی صالحہ کو فون کیا؟ معلوم ہوا کہ وہ پہنچی یا نہیں.....“ علی کے گھر میں داخل ہوتے ہی امی نے سوالات کی بو جھاڑ کر دی۔

سات منٹ باقی ہیں۔ علی نے دھاڑ سے دروازہ کھولتے ہوئے اطلاع دی۔

اچھا بھئی امی، رابعہ، راضیہ، آصفہ السلام علیکم بس دعا کرتی رہنا۔“

صالحہ نے بلند آواز میں سب کو اجتماعی سلام کیا اور ہینڈ بیگ ہاتھ میں لٹکا کر علی کے پیچھے دروازے کی طرف بڑھی۔

”باجی! یہ دعاؤں کے پرچے ہیں۔ حفاظت کیلئے مجرب ہیں کچھ آپ رکھ لینا، کچھ جماعت کی خواتین کو دے دینا۔“

رابعہ نے جلدی جلدی دعائیں پرچے صالحہ کے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

”اف! کتنی رات ہو گئی باجی! ٹرین اب تک نہیں آئی، ایسا کریں آپ گھر چلیں صبح چلی جانا۔“ علی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے صالحہ کو مشورہ دیا۔

نہیں! دعا کرو جلدی ٹرین آجائے، آج مجھے ضرور گھر پہنچنا ہے۔

صالحہ نے پریشان آواز میں کہا کیونکہ عشاء کا وقت ہو چکا تھا رات کا اندھیرا بھی پھیل چکا تھا اور ٹرین کے دور دور تک کوئی آثار نہ تھے۔

یا اللہ! خیریت سے مجھے میرے شہر پہنچا دے۔

صالحہ نے زیر لب اس دعا کو رد کر رہی تھی۔

امی! ٹرین آج لیٹ آئی ہے میں باجی کو بٹھا کر آیا ہوں، انشاء اللہ جلدی پہنچ جائیں گی۔

علی نے امی کو تسلی دی اور صالحہ کو کال ملائی:  
السلام علیکم! کیا ہوا؟ کہاں پہنچیں.....؟

فون ریسو ہوتے ہی علی نے استفسار کیا۔ وعلیک السلام! صرف پندرہ منٹ کا سفر باقی ہے بس پہنچنے ہی والی ہوں۔

صالحہ نے تسلی بخش جواب دیا۔ کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا باجی.....؟ نہیں الحمد للہ کچھ نہیں ہوا۔

امی کو بھی تسلی دے دینا صالحہ نے جواب دیا تو علی نے اچھا ٹھیک ہے کہہ کر فون بند کر دیا۔ صالحہ نے موبائل پرس میں رکھا ہی تھا کہ ٹرین ایک زور دار جھٹکے سے رُک گئی۔

یا الہی خیر! مجھے خیریت سے اپنے شہر پہنچا دینا صالحہ نے گہرا کر دعا کی اور پرس میں سے دعاؤں والے پرچوں کا شاپر نکال کر دعا پڑھنی شروع کر دی، گویا اُسے یقین تھا کہ ان دعاؤں کی برکت سے ہی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

چھک..... چھک..... چھک..... چھک.....  
ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ٹرین نے چلنا شروع کر دیا تو صالحہ نے سکھ کا سانس لیا تقریباً رات بارہ بجے ٹرین مطلوبہ اسٹیشن پر رکی۔ صالحہ نے جلدی سے پرس تھا ما اور نیچے اُتر گئی۔ اسٹیشن پر ہوکا عالم تھا۔

اکا دکا آدمی ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ لمبے لمبے

قدم اٹھاتی وہ رکشے والے حصے میں آئی تو خالی جگہ اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ ایک رکشہ بھی موجود نہ تھا۔

صالحہ نے رات کے اس پہر انتظار نامناسب سمجھ کر پیدل ہی گھر کی جانب چلنا شروع کر دیا۔  
باجی کہاں جانا ہے؟ بیٹھ جائیے ابھی وہ کچھ دور ہی چلی تھی کہ ایک رکشہ والے نے قریب آ کر پوچھا جو دور سے چلا آ رہا تھا۔

صالحہ نے اُسے پتہ سمجھایا اور بیٹھ گئی۔ دعاؤں کے پرچوں کا شاپر اس نے مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔

رکشے والے نے رکشہ اسٹارٹ کیا اور اس کا رُخ مخالف سمت موڑ کر اسپید بڑھا دی۔

یہ آپ کس طرف لے جا رہے ہیں.....؟ صالحہ تنہا ہونے کی وجہ سے پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی اس لئے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

”باجی اس طرف سے ایک سواری لینی ہے، یہ سن کر صالحہ قدرے مطمئن ہو گئی لیکن وہ بے خبر تھی کہ تقدیر آج رات اُسے کتنا بڑا سبق سکھانے چلی ہے۔

رکشے والا اتنی فُل اسپید میں گاڑی دوڑائے چلا جا رہا تھا کہ روشنی کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گئی جنگل شروع ہو چکا تھا، ہر طرف مہیب سناٹا چھایا ہوتا تھا لمبے لمبے سرو کے درخت دیو کی مانند اُسے اپنی طرف بڑھتے محسوس ہو رہے تھے۔

صالحہ کا خون منجمد ہو گیا اب اسے احساس ہوا کہ اس اندھیر نگری میں کسی سواری کا تو فقط بہانہ تھا

جو اسے گھیرنے کیلئے گھڑا گیا تھا۔ اس کی عقل مفلوج ہو گئی۔

آنکھوں سے بے اختیار سیلاب رواں تھا، ڈر کی شدت سے دل سینہ توڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔ آخری امید کے تحت صالحہ نے ڈرتے ڈرتے رکشے والے سے پوچھا: بھائی! اس جنگل سے کون سی سواری لینی ہے.....؟

”خاموش ہو کر بیٹھو! اگر اب حلق سے آواز نکالی تو اپنا انجام مت بھولنا“۔ رکشہ والے نے دھاڑتے ہوئے کہا تو اس کے تیور بدلتے دیکھ کر صالحہ کے رہے سبے اوسان خطا ہو گئے۔

اسے شدت سے احساس ہوا کہ میں نے دعا ہی اٹھوری مانگی تھی کہ یا اللہ! خیریت سے مجھے شہر پہنچا دینا، یہ نہ مانگا کہ خیریت سے گھر پہنچا دینا۔ اس رب کریم نے تو اس کی دعا کے مطابق خیریت سے شہر پہنچا دیا تھا۔

آج اُسے سمجھ آ رہا تھا کہ شریعت نے کیوں عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا ہے اور امی کا بار بار روکنا بھی صالحہ کو اب صحیح لگ رہا تھا۔

”کاش! میں امی کی بات مان لیتی تو یوں مصیبت میں نہ گھرتی“۔ اس نے گھبرا کر سوچا جان، مال اور سب سے بڑھ کر عزت کا خوف صالحہ کو کھائے جا رہا تھا۔

یا اللہ! تو میری عزت کی حفاظت فرما۔ میری جان کو امن عطا فرما۔ میرے مولا! اس ویرانے میں

تیرے سوا کون ہے.....؟ تو ہی مجھے بچالے میرے رہا، آنکھوں سے آنسو تو اتر کے ساتھ بہہ رہے تھے ایک ہاتھ میں پرس اور دوسرے میں دعائیہ پرچے مضبوطی سے تھامے وہ اللہ سے اپنی عزت و جان کے تحفظ کی بھیک مانگ رہی تھی۔

پھر پروردگار عالم نے بھی اُسے تنہا نہ چھوڑا اچانک کسی نادیدہ طاقت نے اسے رکشہ میں سے زوردار دھک دیا۔ وہ منہ کے بل گرتی گرتی بچی، اسی غیبی مدد کو پا کر صالحہ نے خوفناک جنگل سے بھاگنا شروع کر دیا خوف سے دل اچھل اچھل کر حلق میں آتا محسوس ہوتا۔

رکشے والے کا خوف اور جنگل کا ڈر اُسے بے تحاشا دوڑائے جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر رکشے والے کو پتہ چل گیا تو اس تو کے آگے اس کی سوچ مفلوج تھی۔ مسلسل بھاگتے بھاگتے وہ سڑک پر آئی تو وہاں بالکل سناٹا طاری تھا۔ سڑک پر بھی وہ بھاگتی رہی شاید اُسے ڈر تھا کہ اگر وہ مڑی تو کوئی عفریت اُسے پکڑ لے گی، اس لئے اس نے ایک بار بھی پیچھے نہ دیکھا بس وہ دوڑتی چلی جا رہی تھی دوڑتے بھاگتے کانپتی ٹانگوں اور لرزتے دل کے ساتھ وہ اپنے علاقے میں پہنچ گئی، اب اُس کے دوڑنے میں مزید قوت در آئی۔ پوری طاقت سے بھاگتی وہ اپنے گیٹ پر پہنچی، چابی سے لاک کھولا اندر داخل ہوتے ہی جلدی سے دروازہ مقفل کیا، اندر جا کر دیکھا تو شوہر اور بچے سب خواب خرگوش



کے مزے لے رہے تھے۔

برقع اُتار کر اس نے وضو کیا اور اُس پروردگار کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی جس نے اس کڑے وقت میں اس کی عزت اور جان کی حفاظت فرمائی۔ پوری رات سجدے میں روتے اور رب کا شکر ادا کرتے گزر گئی مگر اُسے احساس تک نہ ہوا۔

صبح کا اُجالا پھیلا تو صالحہ کو لگا کہ جیسے اُسے دوبارہ زندگی عطا کی گئی ہے۔ اس نے شریعتِ محمدیہ کا یہ حکم سختی سے پلے باندھ لیا کہ کبھی ہرگز بھی تنہا بلا محرم سفر نہ کرے گی اور دعائیہ پرچوں پر بھی اس کا اعتقاد بڑھ گیا جنہوں نے اسکی حفاظت کر کے اُسے زمانہ میں رُسا ہونے سے بچا لیا تھا۔

”میں بہت جلد یہ پرچے تمام خواتین تک پہنچاؤں گی تاکہ وہ بھی رب کی حفاظت میں آجائیں۔“ صالحہ نے آسودگی سے سوچا اور نماز فجر ادا کرنے کیلئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

نوٹ: یہ ایک بالکل سچا واقعہ ہے جو میری عزیزہ کے ساتھ پیش آیا۔ میری تمام ماؤں، بہنوں، سے درخواست ہے کہ شریعت کے اس حکم کو چھوٹا موٹا سمجھ کر ہرگز ہرگز بلا محرم تنہا سفر نہ کریں، ورنہ خدا نخواستہ ایسے خطرناک، خوفناک، دہشت ناک، ہیبت ناک، عبرتناک اور بہت سے واقعات سے کسی کا بھی واسطہ پڑ سکتا ہے اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

☆.....☆.....☆

توبہ کرو میری بہنو! توبہ کرو:.....

توبہ کرو میری بہنو! توبہ کرو..... مسلمان عورت نماز میں سکون اور قرار پاتی ہے اور وہ نماز میں ہرگز سستی نہیں کر سکتی..... بلکہ وہ تو اپنا مسئلہ نماز کے ذریعہ حل کراتی ہے..... یہ بازاروں میں جانے کی نحوست ہے..... کیا آج کل کے بازار اس قابل ہیں کہ کوئی مسلمان بہن ان میں جاسکے؟ میری بہنو! اللہ کیلئے، اللہ کیلئے بازار جانا چھوڑ دو..... بہت ہی سخت مجبوری میں جانا پڑے..... تو صرف اور صرف خاوند کے ساتھ جاؤ..... نہ والد کے ساتھ نہ بھائی اور بیٹے کے ساتھ..... صرف خاوند کے ساتھ..... اور مسلمان خاوندوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو بازار لے کر ہی نہ جائیں..... بلکہ سارا سامان خود لایا کریں.....

یاد رکھیں.....! ”اگر جوان عورتیں بازاروں میں جاتی رہیں تو بہت کچھ تباہ ہو جائے گا.....“

ہماری مسلمان بہنیں بہت اونچے مقام والی ہیں..... ان کا یہ کام نہیں کہ..... بازار جا کر مردوں سے خرید فروخت کریں..... یا موبائل فون پر اپنا وقت برباد کریں..... آج کی مسلمان عورت نماز کی لذت اور طاقت سے محروم ہوئی ہے تو اس کی بڑی وجہ..... بازاروں میں جانا اور موبائل کا ناجائز یا فضول استعمال کرنا ہے.....

میری بہنو! ”قبریں منہ بھاڑ کر انتظار کر رہی ہیں..... شکر کرو ابھی جسم میں جان ہے اور توبہ کا دروازہ کھلا ہے.....“ (بحوالہ: الی مغفرہ)

(انتخاب: عامر حسین)

# تکثیریت حاکمہ



بیانور

موت و مرگ پر ہونے والی رسومات کی قباحۃ اور شاعت کو بیان کرتی اور دل و دماغ پر پڑے پردوں کو چیرتی دل گداز تحریر..... جس کا حرف حرف آپ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دے گا.....

تھے۔

بی بی بی بی بی بی بی۔

کہتے ہیں کہ مرض اپنے شکار کی زندگی کھا کر کسی دوسرے کا شکار کرتا ہے۔ پہلے کو قبر میں پہنچا کر دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ انسان مر جاتا ہے اور مرض زندہ رہتا ہے۔ اب جانے یہ آسیب زدہ بیماری بابا کا جسم چھوڑ کر کس ذی روح میں منتقل ہوگی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے آج سب ختم ہو گیا۔ میرے سامنے میرے بابا بے جان پڑے تھے۔ گھر کی فضا میں آنسوؤں اور چیخوں کی آمیزش تھی۔

صحن میں عزیز واقارب کا ہجوم تھا جو اس مشکل وقت میں ہمارا درد بانٹنے آئے تھے۔ سب بابا کے ارد گرد گھیرا ڈالے اشکبار تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو ہسپتال سے بابا کی ڈیڈ باڈی کو ایسولینس اپنے اندر چھپائے لائی تھی۔ تب کیسا کہرام مچا تھا۔ ماں تو کئی بار بیہوش ہوئی تھیں، یہی حال دادی کا تھا۔ وہ بلڈ کیسٹر میں مبتلا تھے۔ کئی سال بیماری سے لڑتے لڑتے آخر کار ہار گئے

میں تعب زدہ سی دیوار کے ساتھ پشت ٹکائے بیٹھی تھی۔ جسم وہیں تھا مگر دماغ بابا کی یادوں کے ساتھ محو پرواز تھا۔

”بابا آپ ابھی تک سو رہے ہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“ صبح کے دس بج رہے تھے اور وہ ابھی تک کمرے کے کونے میں لیٹے تھے۔ مجھے تشویش

اک پل کو یوں لگتا جیسے لاتعداد کانٹے روح میں  
دھنس گئے ہوں اور اگلے ہی پل ایسا محسوس ہوتا  
جیسے روح کا وجود ہی نہ ہو۔

میں مسلسل ایک ہی زاویے میں بیٹھی بابا کو  
دیکھ جا رہی تھی۔ کبھی جی چاہتا میں بابا سے نظریں  
چراغوں، میں اس منظر پر آنکھیں بند کر لوں اور کبھی  
نہ کھولوں۔ لیکن پھر میں ایسا کر ہی نہ پاتی، بابا سے  
نظریں پڑانا میرے لئے سہل نہ تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بابا کو غسل دینے  
کے لیے لے گئے۔ ان کا آخری غسل۔  
”ارے پاگل ہو گئی ہو کیا؟ دسبر کی بارش میں  
کون نہاتا ہے۔ ہر کام الٹا ہے تمہارا“۔

میں چھت پر بچ بستہ تیز بوندوں میں بھیگ  
رہی تھی۔ سردی کی بارش سے عشق تھا مجھے اور بابا کو  
میرے اس عشق سے سخت کوفت۔ وہ برساتی کے  
نیچے کھڑے ماتھے پر بل ڈالے مجھے گھور رہے  
تھے۔

”بابا بارش ختم ہوگی تو آؤ گی“ میں نے  
بوندوں میں اچھلتے اچھلتے وہیں سے ہانک لگائی۔  
”پھر بیمار پڑنا اور ماں کی ڈانٹ تب تک سنا  
جب تک بستر سے نہ اٹھ جاؤ“ ہوا کے سرد جھوکوں  
سے ان کی آواز بھی کیکیا گئی۔

”میں بیمار نہیں پڑوں گی۔ اس بار میں پوری  
تیاری کے ساتھ آئی ہوں“  
”کیسی تیاری؟ ایسا کونسا فارمولا دریافت کیا  
ہے تم نے جو ٹھنڈا مار بھاگائے گا“

ہوئی۔ میرے آواز دینے پر وہ تھوڑا سا کسمسائے  
اور کمبل سے چہرہ باہر نکالا۔

”طبیعت کو کیا ہونا ہے بھلا؟ بس آج جی چاہ  
رہا تھا کہ سویا رہوں اور کوئی مجھے اٹھائے نہ۔“  
”اوہ لیکن میں نے تو اٹھا دیا“ میرے افسوس  
سے کہنے پر وہ ہنسنے لگے۔

”اپنی کوئل کی ایک ہی کوک پر تو میں موت  
سے بھی اٹھ جاؤں یہ تو پھر مصنوعی سی نیند ہے۔۔۔۔۔“  
اک جھٹکے سے میں ماتم کدہ میں واپس آ گئی۔  
جانے کونسی عورت مجھے پلٹائے رو رہی تھی۔ میں  
خالی نظروں سے بابا کو دیکھنے لگی۔ میری ایک آواز  
پر اٹھنے والے کئی پکاروں پر نہ اٹھ رہے تھے۔  
جانے میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے یا  
لہو۔

یکے بعد دیگرے دو تین انجانی عورتیں مجھے  
سینے سے لگائے بین کرنے لگیں۔ جان پہچان والی  
صبر و حوصلہ کی تلقین کرتیں اور انجان خواتین اپنا  
تعارف بھی کرواتی جاتیں کہ میں، فلاں فلاں،  
ہوں۔ اس وقت تعارفی سلسلہ کی کیا اہمیت تھی یہ  
میں سمجھنے سے قاصر تھی۔ مجھے اس وقت نہ اپنا یاد تھا  
نہ پرایا۔ نہ کسی کی نصیحتوں میں دلچسپی تھی اور نہ کسی  
کے تعارف کی ضرورت۔ ضرورت تھی تو بس اپنے  
بابا کی۔

میں اپنی کیفیت سمجھ نہی پا رہی تھی۔ کسی لمحے  
دل پھٹنے پر آجاتا اور دوسرے ہی لمحے بے حس ہو  
جاتا۔ بھی جسم اتنا سرد ہو جاتا اور کبھی دھک اٹھتا۔

سب کو دیکھتی رہی۔ سامنے بابا کی میت پڑی تھی اور عورتیں گروپس کی شکل میں بیٹھی اپنے اپنے قصے سنارہی تھیں۔ مسکرا رہی تھیں۔ تو کچھ منٹوں پہلے کا رونا دھونا وہ کیا تھا؟ یہ عورتیں جو میت پر رو چکی تھیں اب ہنس رہی تھیں۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا وہ ہمارے دکھ پر ہنس رہیں ہیں..... وہ میرے بابا پر ہنس رہی ہیں۔ یہ وہی خواتین تھیں جو میری قحط زدہ آنکھوں کو دیکھ کر اپنی گیلی آنکھوں سے تبرہ کر چکی تھیں۔ ”کیسی بیٹی ہے ایک آنسو تک نہی گرا“۔

”آجکل کی اولاد ایسی ہی ہے۔“

”ارے نہی پہلے بہت روئی ہے“..... تیسری عورت جو شاید پہلے کی آئی ہوئی تھی اس نے دفاع کیا۔

”ارے پانچ دس منٹ کا کیا رونا۔ باپ کی موت پر تو سالوں آنسو نہی سوکھتے۔ سگی بیٹی ہی ہے نا؟“

ان کی تکلیف دہ باتیں میرے کانوں میں پڑتی رہیں۔

میرے حلق میں آنسوؤں کا گولہ بن گیا۔

مجھے خود پر حیرت تھی۔ میں کیا کر رہی تھی؟ میرے بابا مجھے چھوڑ گئے اور میں بے حس پتھر بنی ایک جگہ پر نہی نصب ہو کر رہ گئی تھی اور اک اک چیز کو لے کر اتنی حساس ہوتی جا رہی تھی۔ اتنا غور و فکر تو میں نے ساری زندگی نہیں کیا تھا۔ تو اب میرا دماغ کیا کر رہا تھا؟ ایک جگہ کیوں نہی رک رہا تھا۔

”مجھے غور سے دیکھیں آپ کو فارمولا نظر آجائے گا“ میں نے فخریہ کہا۔

وہ تیز ہواؤں اور زور و شور سے برستی بوندوں کے بیچ و بیچ مجھ پر غور کرنے لگے اور جب فارمولا سمجھ میں آ گیا تو اپنا سر پیٹ لیا۔

”یہ دو جیکٹ، گلوڑ اور مفلر پلیٹ کر تم ہی نہا سکتی ہو..... بیوقوف!“ ان کیلئے اتنی ٹھنڈ میں کھڑے ہونا مشکل تھا اور اس سے بھی مشکل تھا مجھے اس سردی میں چھوڑ کر جانا۔

”کوئل اگر تم ایک سینڈ کے اندر اندر ادھر نہ آئی نا تو میں ادھر آ جاؤں گا۔“

ان کا سردی میں بھیگنا نہ ہی میں انورڈ کر سکتی تھی اور نہ ہی ان کی طبیعت۔ لاچار مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

وہ مجھے اپنے ساتھ لگائے سیڑھیاں اترنے لگے۔ اس وقت میں نے محسوس کیا میری ساری سردی بابا نے خود پر لے لی ہے۔ وہ میرے لئے ہمیشہ سکون و تحفظ کا باعث تھے۔

ہی ہی ہی..... ہی ہی ہی.....

کسی کی ہنسی کی آواز مجھے بابا سے دور کھینچ لائی۔ دو عورتیں میرے قریب ہی بیٹھی کسی بات کو لے کر ہنس رہی تھیں۔ ان کی مسکراہٹیں میرا غم ہرا کر رہی تھیں۔ جی چاہ رہا تھا انہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں۔

لیکن میں کچھ نہ کر سکی۔ مجھ میں نہ ہلنے کی ہمت تھی اور نہ بولنے کی طاقت۔ میں بس ٹکڑ ٹکڑ

پاس آئے تھے۔  
”مجھے بھی ساتھ لے چلیں بابا“ میری وہی ضد تھی۔

”دو جوتے لگاؤنگی تمہیں کوئل! حد ہے لاڈ پیار کی بھی۔ کل کو شادی بھی کرنی ہے ہر جگہ بابا ہی نہیں ساتھ جا بیٹھے تمہارے۔ سارا قصور تمہارے بابا کا ہے۔“

ماں کو میرے غروں سے چڑھتی۔ انھیں میری فکر کھائے رہتی تھی اور بابا ہمیشہ ان کی تمام فکر دوں کو ٹال دیا کرتے تھے۔ جس پر وہ غصے میں وہاں سے چلی جاتی تھیں اور میں اور بابا ہنس دیتے تھے۔

”اگر آپ مجھے نہ لے کر گئے ناتو میں روتی رہو گی اور کبھی بھی بات نہیں کرو گی“ میں نے دھمکی دی۔ جانتی تھی بابا میرے آنسو نہیں دیکھ سکتے۔

”اگر تم روؤ گی تو میں نہیں جاؤنگا۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جائے گا۔ تمہارے بابا کو نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ اگر نوکری نہیں رہے گی تو پیسے کہاں سے آئیں گے؟ ہم کھانا کہاں سے کھائیں گے؟ کوئل کی چاکلیٹس کدھر سے آئیں گی۔ لو میں بیٹھ گیا ہوں۔ نہیں جا رہا اب خوش؟“ وہ آرام سے صوفے پر بیٹھ گئے اور اخبار اٹھا کر پڑھنے لگے۔

”اچھا ٹھیک ہے صرف دو دن، لیکن یہ آخری بار ہوگا۔ اپنے دفتر والوں کو کہیے گا کہ اگلی بار کسی اور کو بھیجیں۔“

میں سوچوں کے بھنور میں بھسترتی جا رہی تھی۔ میری پانچوں حسیات سچ میں تیز ہوئی تھیں یا میرا وہم تھا۔

بظاہر پتھر کا روپ دھارے اپنے اندر کتنی کر چیاں سموئے ہوئے تھی۔ وہ کر چیاں لگا تار حرکت میں تھیں..... ان کی حرکت سے زخم زخم نچو رہا تھا۔

بابا کی کوئل تو شاید بابا کے ساتھ ہی اڑ گئی تھی۔ قریبی مسجد میں اعلان ہوا تھا۔ بابا کے جنازے کا وقت بتایا گیا تھا۔

آہ! وہ اعلان.....

خون گرم ہوا تھا..... شریانیں پھول گئیں تھیں..... کرچیوں کی حرکت میں تیزی آئی..... کانوں میں صور پھونکا گیا تھا.....

میرے بابا جانے والے تھے..... کلمہ شہادت کی آوازیں اور عورتوں کی چیخیں..... میں نہیں جانتی دادی کا کیا حال تھا اور ماں کس حالت میں تھیں۔ مجھے کسی کا ہوش نہ تھا۔ بس کانوں میں اک آواز تھی..... کلمہ شہادت۔ وہ میرے بابا کو لے گئے تھے اور مجھے چھوڑ گئے..... بابا مجھے چھوڑ گئے۔

☆.....☆.....☆

”یہ منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے؟ میں ہمیشہ کیلئے تھوڑی جا رہا ہوں۔ صرف دو دن کیلئے جانا ہے۔“ بابا کا کوئی دفتری کام آگیا تھا۔ وہ جانے کیلئے تیار تھے۔ جب میری خفا سی شکل دیکھ کر میرے

میری بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسے۔

”او کے! میرا چھوٹا سا بچہ جو کہے گا وہی ہوگا“

مجھے ساتھ لگا کر پیشانی چومی اور چلے گئے۔

میں تڑپ کر اٹھی تھی۔ سب میرے ارد گرد جمع

تھے۔ غالباً میں بے ہوش ہو چکی تھی۔ میں نے

ادھر دیکھا جہاں بابا کی چارپائی پڑی تھی۔ اب

وہاں کچھ نہ تھا۔ نہ بابا نہ چارپائی۔

کا فور کی مہک سانسوں کو قید کر رہی تھی۔

ہر طرف سناٹا تھا، ہر طرف ویرانی تھی۔ بابا

کے بغیر ہر چیز سے وحشت ہو رہی تھی۔ اپنے آپ

سے وحشت ہو رہی تھی۔

جانے من میں کیا سمائی میں دوڑتی ہوئی بابا

کے پیچھے بھاگی۔ میرے پیچھے کون کیا کہہ رہا ہے

مجھے کوئی پرواہ نہ تھی۔

تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ لوگوں کا ہجوم نظر آ گیا۔

میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ میں بابا کے پیچھے

چلنے لگی۔ بابا کے ساتھ ان کا اپنا بھی کوئی ہونا چاہئے

تھانا۔ میں ہی ان کی بیٹی تھی اور میں ہی بیٹا۔

میرے قدم اتنے بھاری تھے کہ انہیں

اٹھانے کیلئے مجھے پوری قوت لگانا پڑ رہی تھی۔

قبرستان کے قریب پہنچتے ہی دھڑکنوں میں

بھونچال سا آ گیا۔ وہ بابا کو لے کر قبرستان کی حدود

میں داخل ہو گئے۔

میں اس حدود کو پار نہ کر سکی۔ یوں لگا جیسے پار

کرونگی تو جل جاؤنگی۔ میں وہیں کھڑی رہی.....

دیکھتی رہی۔ موت کی خنکی کو اپنے اندر اتار تکی

رہی۔ ان کی آخری رسومات ادا کی جانی تھیں۔

لیکن وہ لوگ کسی بحث میں مبتلا تھے۔ وہ کس

بحث میں سرکھپا رہے تھے ذرا غور کیا تو سمجھ آیا۔

میری اذیت دگنی ہو گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے

وجود کو برچھی سے کاٹا جا رہا ہے۔ یہ سب کیا تھا۔

وہاں دو فرقوں سے منسلک افراد کے گروہ بن

چکے تھے۔ ایک کہتا یہ ہمارے مسلک کا ہے تو

دوسرا کہتا یہ ہمارا ہے، نماز جنازہ ہم پڑھائیں گے۔

مجھ سے کھڑے ہونا مشکل ہو گیا تھا۔

بابا تو کہتے تھے ہم صرف مسلمان ہیں، تو یہ

سب کیا تھا؟ کیا فرقہ بندی نبی کے دین سے زیادہ

اہم ہے؟..... فرقہ پرستی کی آڑ میں قتل و غارت

سے لوگ دریغ نہیں کرتے تو یہ تو پھر اک معمولی سی

بحث تھی۔ میں کم عقل نادان ان داناؤں کی بحث

سنتی رہی اور کفن میں لپیٹی بابا کی لاچار میت کو

دیکھتی رہی۔ نہ بابا کچھ کر پار ہے تھے اور نہ میں۔

ہم دونوں مر چکے تھے۔

جو خود کو صرف مسلمان کہتا تھا آج اس کی میت

پر فرقہ ورانہ تضاد دیکھ میں پورے قد کے ساتھ

زمین پر گر رہی تھی۔

بی بی بی بی بی بی بی بی بی بی

جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو اپنے گھر میں

پایا۔ غالباً مجھے اندھا دھند باہر کی جانب دوڑنا دیکھ

کچھ خواتین بھی میرے پیچھے لپکی تھیں اور مجھے

قبرستان کے گیٹ پر بے ہوش پڑا دیکھ کسی طرح

گھر لے آئیں تھیں۔ مجھے نہیں معلوم میں کتنی دیر

ہوش و حواس سے بیگانہ رہی تھی۔ حواس بحال ہوتے ہی بابا کا پوچھا۔

”تمھارے بابا اپنی آرامگاہ میں ہیں بیٹا ان کیلئے دعا کرو خدا آسانی فرمائے آمین“ اک جاننے والی نے مجھے سینے سے لگایا۔

”وہ لڑائی؟“ مجھے چین نہ آ رہا تھا۔

”ارے کیسی لڑائی بھلا؟ کوئی لڑائی نہیں ہوئی ہاں البتہ دوسرے فرقے کے دعوے دار آگئے تھے مگر ان کی دال ہم نے گلے نہ دی۔ ہمارے مسلک سے ہی نماز جنازہ ادا ہوئی ہے، شکر خدا کا ورنہ اگر ان کافروں کی ریت پر ہوتی تو گناہ ہوتا، بھائی جان کو بھی اور ہمیں بھی۔“

ان کے چہرے پر فاتحانہ تاثرات دیکھ میری سسکیاں بندھ گئیں۔ کتنے دھڑلے سے ہم دوسروں پر فتوے لگاتے ہیں نہ جگہ دیکھتے ہیں نہ ماحول۔ بس اپنے نشے میں دھت ہیں۔ ہمارے علاوہ سب کافر.....

میرے دل و دماغ کو کوئی کدال سے کھود رہا تھا۔ ہر گزرتا پل میری تکلیف میں اضافہ تھا۔ اک بابا کا دکھ دوسرا لوگوں کے رویئے۔

گھر میں کافور مہک رہا تھا۔ یہ بابا کی آخری خوشبو تھی جو میرے گھر میں مہک رہی تھی۔

افیت ناک مہک..... یہ عطر شاید غم، دکھ اور آنسوؤں سے بنتا ہے اسی لئے سانس لینے والوں کو اداسی کے سمندر میں غرق رکھتا ہے۔ لیکن اب کافور کی مہک کے ساتھ کھانے کی خوشبو بھی رچ

گئی تھی۔

تمام لوگ سب بھول بھال کھانے میں یوں مگن تھے جیسے یہ تعزیت خانہ نہیں بلکہ شادی خانہ ہو۔ کسی کو چاولوں میں ٹانگ کی بوٹی چاہیے تھی کسی کو سالن میں گوشت کی گول بوٹیاں..... اپنے کیا تو پرائے کیا سب.....؟؟؟

ہمیں نوچ رہے تھے..... ہمیں کھا رہے تھے۔

ستم یہ کہ کسی کو چاولوں میں نمک کم لگا کسی کو سالن میں مسالہ..... کسی کو بوٹیاں کچی لگیں کسی کو مرچیں تیز..... وہ کھاتے جا رہے تھے اور رائے سے نوازتے جا رہے تھے۔

میں دیکھتی جا رہی تھی اور زبان کو تالا لگائے سنتی جا رہی تھی۔

کچھ جاتے ہوئے بچا ہوا کھانا اپنے ساتھ بھی لے کر گئے۔

میں سوچ رہی تھی کاش یہ لوگ نہ آتے۔ کبھی نہ آتے۔ جن کا آنا غم زدگان کے کرب میں اضافہ ہو وہ کبھی نہ آئیں۔

جس نبی کا دین بابا نے مجھے سکھایا تھا وہ یہ تو ہر گز نہیں تھا جو مجھے چیرتے ہوئے میری نظروں سے گزرا تھا۔

جو بات مجھے زندگی نہ سمجھا پائی تھی وہ موت سمجھا گئی تھی۔

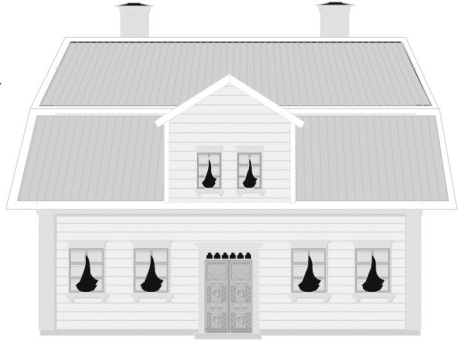
بابا کی کوئل بابا کے ساتھ ہی اڑ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

# کردار کی گواہی



حیا حریم



وہ اپنی اس سوچ پر بے اختیار ہی مسکرائی تھی،  
 اس مسکراہٹ میں درد بھی تھا اور کرب بھی.....  
 کتنی عجیب ہوتی ہیں وہ مسکراہٹیں بھی نا، جو درد  
 انگیز ہوں، جوالم سے بھر پور ہوں۔  
 جب کوئی اس سے پوچھتا کہ ”بیٹا کیا ہوگی؟“  
 تو وہ برجستہ کہتی ”میں بڑی بننا چاہتی ہوں،  
 بہت بڑی!!“  
 پھر یہی ہوا تھا، اسے بڑا بننے کا جتنا شوق تھا،  
 اسے حالات نے بڑا کر دیا تھا۔  
 وہ ابھی گیارہ برس کی ہوئی تھی کہ ایک  
 ایکسیڈنٹ میں اس کے امی، ابو دونوں اُفق کے پار  
 روانہ ہو گئے تھے۔  
 وہ اسی دن بڑی ہو گئی تھی، جس دن اس نے  
 اپنی آنکھوں سے ماں، باپ دونوں کا جنازہ اٹھتے  
 ہوئے دیکھا تھا۔  
 میں تمہارا باپ ہوں..... تایا ابو نے اس کے سر  
 پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ مطمئن سی ہو گئی تھی۔  
 ہاں..... بس امی ابو آنکھوں کے سامنے نہیں  
 ہیں تو کیا ہوا..... میں خود بڑی ہو گئی ہوں نا..... اس  
 نے دل میں سوچا تھا۔  
 گیارہ برس کی لا ابالی سی عمر میں ہی وہ اتنی  
 سمجھدار ہو گئی تھی کہ اسے خود بھی یقین نہیں آتا تھا۔  
 اپنوں کے طعنے، غیروں کی نظریں..... وہ سب  
 سمجھ گئی تھی۔  
 شمیم تائی شروع میں تو اس کا خیال رکھا کرتی  
 تھی، مگر آہستہ آہستہ وہی روایتی ساعمول آ گیا تھا۔  
 گھر کے پیشتر کام وہ کرنے لگی تھی۔  
 رداء بیٹا ذرا جھاڑو لگا دو.....



یہ چاول صاف کر دو۔۔ مجھے پتہ ہے تم نے کبھی کھانا نہیں بنایا لیکن میں تمہیں سکھا رہی ہوں۔

اب میں ہی تمہاری ماں ہوں نا، میں نہیں سکھاؤں گی تو کون سکھائے گا بھلا.....

ہاں، لڑکی ہو، کل کو پرانے گھر جانا ہے، اس لئے سارے کام آنے چاہئے تمہیں۔

شیم کی ان سب بیٹھی، سنہری باتوں میں چھپے زہر سے بھی وہ آشنا ہو گئی تھی۔

دنیا کو پتہ ہے میں ایک یتیم بچی ہوں، مجھے سب کام آتے ہوں گے۔ وہ دکھ سے سوچتی۔

گھر کے کام اور پھر اسکول جاری کھنا اس کے لئے مشکل ہوتا تھا، جسے وہ کڑوے گھونٹ کی مانند نگل رہی تھی، اس اُمید پر کہ کل کو کوئی سویرا ہوگا، جو اس کے لئے نویدِ صبح لائے گا۔

☆.....☆.....☆

اسکول سے واپس آتے ہی اس نے الماری میں بیگ رکھا، تائی امی کو خلاف معمول کچن میں دیکھا تو اسے تھوڑی حیرت ہوئی۔

اروی اور مروہ ابھی واپس نہیں آئیں تھی، دونوں اس کی تایا زاد کزنیں تھیں۔

السلام علیکم تائی! اس نے کچن میں جا کر انہیں سلام کیا۔

وعلیکم السلام..... بیٹا ذرا جلدی کرنا وہ، تمہاری عارفہ پھوپھو آرہی ہیں ابھی۔

اچھا تائی..... اس نے سر ہلایا، اسی لیے تائی

آج خود کھانا بنا رہی ہیں۔

کپڑے تبدیل کر کے اس نے صفائی کی اور تائی کے بتائے ہوئے سارے کام مکمل کر لئے۔

اروی اور مروہ بھی واپس آ چکی تھیں، اس نے انہیں کھانا گرم کر کے دیا اور برتن دھوئے۔

تائی جی..... اس نے انہیں دھیرے سے پکارا۔

ہونہہ..... وہ اس کی طرف دیکھے بنا ہی بولیں۔

میں پوچھ رہی تھی کہ پھوپھو نے کتنے بجے آنا ہے؟

وہ دیر سے ہی آئیں گی، تم ایسا کرو اندر جا کر سو جاؤ۔

”میں سو جاؤں!!“..... وہ حیران سی ہوئی۔

ہاں..... آج سونے کا اس لئے کہہ رہی ہوں کہ پھر رات دیر گئے تک سب بیٹھ کر باتیں کریں گے، تو بہتر ہے کہ تم ابھی جا کر سو جاؤ۔

ایسا کرو، یہیں اروی کے کمرے میں ہی سو جاؤ، ذرا دیر کی تو بات ہے۔

تائی کے کہنے پر وہ حیران ہوتی ہوئی اندر چلی گئی۔

کیونکہ اس سے پہلے وہ دوپہر میں نہیں سو سکتی تھی، اور نہ ہی اروی اور مروہ کے کمرے میں سو سکتی تھی۔

اسے اس رویے پر حیرانگی سی بھی ہو رہی تھی، اور تائی کے اچھا ہو جانے کے خیال سے اس کے دل

کمرے سے باہر نکل کر دیکھا تو اروی چائے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔

اوہ..... تائی..... چائے آپ نے خود ہی بنالی، مجھے اٹھاتی نا۔ وہ بولی۔

لوجی..... تمہیں ابھی اٹھایا تو ہے، اور چائے بنانا کون سا مشکل کام ہے، ذرا دیر نہیں لگتی بنانے میں۔

شیم مصنوعی ہنسی۔

اور لی بیٹا..... ردا کے لئے چائے گرم کے لے آؤ۔

بیٹھو تم..... پھپھو سے باتیں کرو۔ انہوں نے کرسی کھینچ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا۔

آج سب کچھ خلاف معمول سا ہو رہا تھا، وہ چپ چاپ سی بیٹھی تھی۔

تم اتنی خاموش کیوں ہو بیٹا..... طبیعت ٹھیک ہے نا؟ پھپھو اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

سو کر اٹھی ہے نا اس لئے۔ اور پھر سب کو اتنے ٹائم بعد دیکھا ہے، اس لئے تھوڑا گھبرا رہی ہے۔ شیم نے جلدی سے کہا۔

آج اس کی جگہ ہر بات کا جواب تائی کیوں دے رہی ہیں..... اسے دل میں خلش سی محسوس ہوئی۔

پھپھو سے وہ تقریباً تین سال بعد مل رہی تھی۔ وہ بچپن سے عارفہ پھپھو کے قریب رہی تھیں، اس کی پیدائش کے وقت وہی ان کے گھر میں تھی، جب وہ

میں تشکر کے جذبات بھی ابھرنے لگے تھے۔

ردا بیٹا..... ابھی تک سو رہی ہو؟؟ اسے اپنی پیشانی پر ہلکا سا لمس محسوس ہوا تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

عارفہ پھوپھو اس کے بستر کے پاس بیٹھی تھیں اور اس کے بالوں میں دھیرے سے ہاتھ پھیر رہیں تھیں۔

اوہ!! پھوپھو..... وہ اٹھتے ساتھ ہی ان کے گلے سے لگ گئی۔

اسے بہت عرصے بعد یوں اپنی ماں کا سانس محسوس ہوا تھا..... اس کی آنکھیں بے اختیار بھیگ سی گئیں۔

ارے ارے..... بیٹا کیوں رو رہی ہو؟ عارفہ گھبرا کر اس کے چہرے پر دیکھنے لگی۔

بڑی جھلی ہے یہ..... چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے لگ جاتی ہے، آج اس لئے تو رونے نہیں لگ گئی کہ جلدی اٹھا دیا؟ دروازے کے پاس کھڑی

شیم بولی۔ ابھی کہاں کی جلدی..... دیکھو تو سورج ڈھلنے والا ہے۔ عارفہ نے سے خود سے جدا کرتے ہوئے

کہا۔ اس نے جلدی جلدی ہتھیلی سے اپنے آنسو پونچھے، وہ تو دن میں کبھی سوتی ہی نہیں تھی، پھر بھلا

شیم تائی اس کے بارے میں یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو بادل نا خواستہ وہ اٹھ کھڑی

ہوئی۔

دے رکھا ہے۔

بھابھی..... ہماری امید اب آپ ہی ہیں، میں اسے اپنے سسرال میں نہیں رکھ سکتی، ورنہ اپنے کلیجے سے لگا کر رکھتی، اور اس کے ننھیال اس لئے نہیں بھیجنا چاہتی کہ یہ ہمارے پاس بھائی کی نشانی ہے۔ اسے بھی ہم نے کھو دیا تو بھائی کی روح کو کس قدر اذیت ہوگی۔ عارفہ آب دیدہ ہوگئی۔

لڑکی ذات ہے میرے دامن میں..... میں اسے امانت سمجھتی ہوں، لڑکیاں جلدی بڑی ہو جاتی ہیں، اسے کچھ سالوں میں ہنر سکھاؤں گی، اور اپنی بیٹیوں سے پہلے ہی اس کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گی۔

تم نے اسے میرے پاس چھوڑا ہے تو اس کا غم نہیں کرو، میری بھی بیٹی ہے، صرف میں ہی نہیں، یہ تو تمہارے بھائی کا خون ہے، وہ اسے مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں۔

شیم اپنے حق میں صفائیاں دے رہی تھی۔ عارفہ اس کی باتوں سے قدرے مطمئن ہوگئی لیکن اسے وہ خاموشی اور اضطراب بے چین کئے دے رہا تھا جو وہ ردا کے چہرے پر گزشتہ دو دنوں سے دیکھتی آرہی تھی.....

.....(جاری ہے).....

☆.....☆.....☆

نوسال کی تھی تو پھپھو کی شادی ہوگئی تھی، پھر اس کے امی ابو کے جنازے پر پھپھو آئیں تھیں، اور اس کے بعد صرف ایک بار وہ ان کے گھر گئی تھی، وہ انہیں اپنے دل کے قریب سمجھتی تھی، لیکن آج تائی کی موجودگی میں اسے لگ رہا تھا کہ اس کے اور عارفہ پھپھو کے درمیان کوئی سسیدہ پلائی دیوار حائل ہوگئی ہو۔

عارفہ پھپھو کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔ پھپھو آپ کیوں رو رہی ہیں؟ اس نے بہت معصومیت سے پوچھا۔

میں تمہیں جب بھی دیکھتی ہوں تو مجھے بھائی کی شبیہ لگتی ہے۔ پھپھو نے اپنی نم آنکھ کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

پھپھو..... مجھے بھی آپ کو دیکھ کر پاپا یاد آرہے ہیں۔ اس نے دلگیر آواز میں کہا تو انہوں نے اسے بچپن کے سینے سے لگا لیا۔

☆.....☆.....☆

یقین کرو عارفہ..... میں اسے اپنی اروی اور مردہ سے زیادہ عزیز رکھتی ہوں۔ آپ دیکھتی ہیں نا..... کہ میں اسے اردی کے ساتھ ہی بستر پر سلاتی ہوں۔

میں نے کہہ دیا ہے اپنی بیٹیوں کو کہ تم لوگ تین بہنیں ہوں..... اور میرا پورا محلہ گواہ ہے اس بات پر..... سب مجھ پر رشک کرتے ہیں، کہ کیسے میں ایک یتیم بچی کو پال رہی ہوں، اور اسے اپنی بیٹی کا درجہ

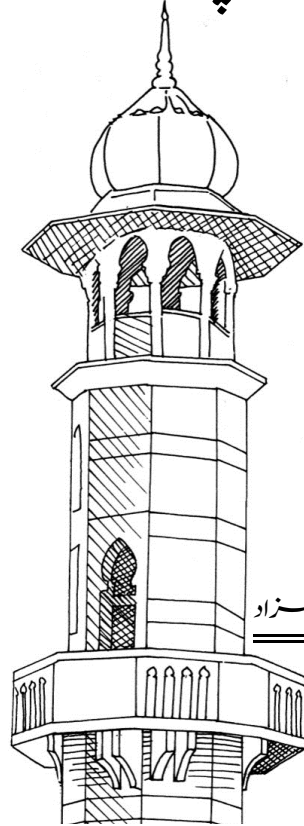
ہمارا دین.....

## ہماری پہچان

تھیں، اسی بنا پر اسے مریم کا سبیکا کو اہمیت دینا اچھا نہیں لگ رہا تھا، جس کی وجہ بالکل ظاہر تھی کہ وہ ایک عیسائی لڑکی تھی، ان کی کلاس میں زیادہ تر تعداد عیسائی مذہب کی لڑکیوں کی تھی، مگر عائشہ نے دوستی صرف مسلمان لڑکیوں سے کی تھی۔ اسے ویسے بھی دوسرے مذاہب سے چڑھتی۔ عائشہ کو یاد آیا کہ وہ کچھ دن پہلے پریشان سی تھی..... عائشہ نے کئی بار اس سے اس کی پریشانی کی وجہ جانی چاہی تھی مگر وہ ٹالتی رہی.....

مریم کے بارے میں وہ سب کچھ جانتی تھی، اس کے والد حیات نہیں تھے، اس کی ماں ایک ایب نارل خاتون تھی، وہ گھر میں بے سکون رہا کرتی تھیں..... اس لئے زیادہ وقت گھر سے باہر گزرتی تھی، اس کے دو بھائی تھے، ایک شادی شدہ اپنی بیوی کے ساتھ الگ رہتا تھا، ایک چھوٹا بھائی جو ہوٹل میں مقیم تھا..... بہت کم گھر آتا جاتا تھا..... وہ تنہا گھر میں پاگلوں کی طرح گھومتی رہتی..... اسے دین کا کچھ بھی علم نہ تھا، وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک مسلمان لڑکی ہے..... کئی بار گھر کے حالات دیکھ کر یا کبھی اپنی تنہائی سے وحشت ہونے لگتی تھی، اس نے ایک دو بار خودکشی کرنے کی کوشش بھی کی مگر عائشہ نے اسے حرام موت مرنے سے روکا تھا..... ان کی آواز پر عائشہ خیالات کی دنیا سے باہر نکلی، وہ دونوں بس میں سوار ہو رہی تھیں..... عائشہ بے بس نظروں سے ان دونوں کو دیکھتی رہ گئی.....

”مریم! تم جانتی ہو سبیکا ایک عیسائی لڑکی



آج پھر عائشہ نے مریم کو سبیکا کے ساتھ چرچ سے نکلے دیکھا تو ساکت رہ گئی۔ اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے اُس نے سختی سے مٹھیاں بھیجنے لی تھیں۔ وہ چند دن سے نوٹ کر رہی تھی کہ مریم کا اب زیادہ وقت سبیکا کے ساتھ گزرتا ہے..... مریم اس کی بیسٹ فرینڈ تھی، چونکہ وہ دونوں مسلمان

کچھ برا نہیں لگا..... دیکھو! تمہارے سامنے ہے  
حقیقت، میرے بھائی بھی تو مجھے چھوڑ گئے ہیں، کسی  
کو میری پرواہ نہیں..... تو پھر میں کیوں کسی کی پرواہ  
کروں..... اور تم نے بھی مجھے وہ اپنائیت نہیں دی  
جو سیریکا سے مجھے ملی ہے۔

میں تو کہتی ہوں تم بھی ایک دن چلنا ہمارے  
ساتھ چرچ..... اور وہاں بائبل..... اس کا جملہ مکمل  
ہونے سے پہلے عائشہ کا ہاتھ اٹھا اور مریم کے  
چہرے پر سرخ نشان چھوڑ گیا، بھرپور قوت سے  
مارے گئے تھپڑ پر مریم کا رخسار جل اٹھا تھا..... وہ  
اپنے گال پر ہاتھ رکھے شاک کی سی کیفیت میں  
کھڑی رہ گئی۔ سیریکا کے بدن میں آگ لگ گئی  
تھی۔

یہ سب حیرت سے دیکھتے وہ عائشہ کو خونخوار  
نظروں سے گھور رہی تھی.....

”تم م م!“..... عائشہ نے ”تم“ پر زور دیتے  
ہوئے کہا تم سے تو میں بعد میں نمٹوں گی“ کہتے ہی  
وہ مریم کی طرف پلٹی تھی.....

”اور تم کیا بھول گئی ہو؟ کہ ہمارے رب نے  
ہمیں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے  
.....؟ تم مردہ ہو رہی ہو..... اپنے دین اسلام کو چھوڑ  
کر..... ایک سچے دین کو چھوڑ کر..... کمزور مذہب کو  
اپنا رہی ہو.....؟ تم جیسیوں کو تو سخت سے سخت سزا  
دینی چاہیے..... بے وقوف لڑکی! تم ان کے بارے  
میں جانتی کیا ہو؟..... بے دین لوگ ہیں یہ..... یہ کم  
عقل لوگ اللہ کے بندے کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں.....

ہے؟“ اگلے دن کلاس آف ہوتے ہی اس نے مریم  
کو گھیر لیا تھا۔ مریم کے چہرے پر یکدم گھبراہٹ  
چھا گئی تھی..... عائشہ نے بھی کچھ اچنبھے سے اُس کی  
گھبراہٹ کو نوٹ کیا۔ ”کیا بات ہے.....؟ تم  
پریشان ہو.....“ عائشہ کا انداز بہت نرم تھا۔

”پلیز! عائشہ! تم اب میرا پیچھا چھوڑ دو“ مریم  
کے لہجے میں التجا تھی۔

”کیوں!؟ عائشہ نے مدہم مگر سخت لہجے  
میں کہا۔ مریم کے چہرے پر خوف کے سائے  
لہرانے لگے۔

”مجھے بتاؤ! تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟  
”پلیز مریم! اور یہ روز روز چرچ جانا چھوڑ دو،  
میں تمہیں مسلسل تین دن سے وہاں سے نکلتے دیکھ  
رہی ہوں..... تم کیوں جاتی ہو وہاں؟“  
عائشہ کے لہجے میں سرزنش تھی۔

”تمہیں معلوم ہے وہاں بے دین لوگ جاتے  
ہیں، جاہل اجد لوگ جاتے ہیں جو بے وقوف نہیں  
جانتے کہ اصل حقائق کیا ہیں، یہ عیسائی حضرت عیسیٰ  
علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں..... یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ  
سے ان کی بخشش کروالیں گے..... یہ ہمارے پیغمبر  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے، یہ قرآن پاک کو  
نہیں مانتے..... یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں  
مانتے.....“ تم ایک گمراہ راستے کا انتخاب کر رہی  
ہو۔“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی..... سیریکا کی  
چنگھاڑ نے اُسے خاموش کروا دیا..... ”شٹ اپ!  
عائشہ! اب لفظ اور نہیں۔“ تم بتاؤ گی اصل حقائق،

یہ ہمارے دین اسلام کو سخت دین کہتے ہیں..... یہ مسلمانوں کے دشمن ہیں، ان کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں..... **یہ یسوع کے پیغمبر** کو مانتے ہیں جو انہیں کچھ نہیں دے سکتے اور تم ان کے کمزور مذہب کو اپنانے چلی۔“

عائشہ غصہ سے پھٹ پڑی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سامنے کھڑی مریم کو جان سے مار ڈالے..... وہ مسلسل مریم کو گھورے جا رہی تھی جواب کسی سہمی ہوئی ہرنی کی مانند لگ رہی تھی۔ اچانک سبیکا اسکے اور مریم کے درمیان چلی آئی تھی۔ عائشہ نے نفرت لئے اس کی طرف دیکھا اور اس کے قریب ٹھوک دیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کا مکروہ چہرہ نوچ ڈالے..... تمہارے رب نے یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے ناں.....؟ وہ طنزاً مخاطب ہوئی، تو پھر تم یہاں ان کے ملک میں کیوں رہ رہی ہو؟..... جو سب طور و طریقے امریکہ کے باشندوں کے ہیں تم نے کیوں اپنا رکھے ہیں.....؟ سبیکا کا اشارہ اس کے لباس کی طرف تھا جو ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ پہنے ہوئے تھی۔

”یقیناً تم بھی بھول رہی ہو، جہاں تک مجھے علم ہے تو تمہارا دین بہت سخت ہے، وہ تمہاری عورتوں کو پردے کا حکم دیتا ہے، گھر کی چار دیواری میں رہنے کا حکم اور تمہیں اپنے رب کے آگے پانچ وقت جھکنے کا حکم دیتا ہے جسے غالباً نماز کہتے ہیں، میں نے تو آج تک تمہیں اپنے دین کی کسی بھی بات پر عمل کرتے

ہوئے نہیں دیکھا اور ہاں یاد آیا تم تو کینٹین سے چیزیں لے کر بھی کھاتی ہو جبکہ دیگر مسلمان لڑکیاں، وہ نہیں کھاتیں بقول ان کے کہ یہ حرام چیزوں سے بنی ہوئی ہیں، کیوں کہ تمہارے دین میں حرام کھانے سے بھی منع کیا گیا ہے اور تمہاری وہ کتاب بھلا کیا نام تھا؟..... سبیکا نے سوچتے ہوئے کہا آئی تھنک کہ قرآن..... میں نے تو تمہیں کبھی وہ بھی نہیں پڑھتے دیکھا..... بلکہ اکثر تمہارے پاس انگلش اسٹوریز کی بکس ہوتی ہیں..... خیر میرے علم میں جو تمہارے دین کے بارے میں باتیں تھیں وہ میں نے کہہ دیں، اب بتاؤ تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو، جبکہ تم خود اپنے مذہب کے اصولوں کے خلاف کر رہی ہو..... تم بھلا جھجک یہاں کے مردوں میں بیٹھتی اُٹھتی ہو..... تمہارا گلے میں اسکا کراف لینا ہی کافی نہیں، آئی تھنک کہ چہرے کو ڈھانپنے کا حکم بھی تمہارے مذہب میں شامل ہے..... میں نے کبھی تمہیں نماز پڑھنے نہیں دیکھا، پانچ کیا ایک وقت بھی نہیں۔ تمہاری آشنائی کیا یہود و نصاریٰ تک ہے صرف.....؟ اپنے مذہب اسلام سے تو تم خود آشنا نہیں تو دوسرے کو کیا سبق دوگی.....؟“

”تف ہے تم پر!! دیکھ لیا تم نے، یہ ہے ان کا دین!!“ سبیکا نے اب کے مریم کو مخاطب کیا..... عائشہ زلزلوں کے زد میں تھی۔ اسے لگا تھا انتقاماً سبیکا نے اُسے طمانچہ رسید کیا ہے بلکہ یہ جملے تو طمانچے سے بڑھ کر تھے، مریم کا تو صرف رخسار جلا تھا عائشہ کو لگا اس کا پورا جسم جل رہا ہے.....

مسلمان تھی، مگر یہ لفظ سوچتے ہوئے بھی اُسے خود سے گھن آ رہی تھی کیوں سوئی رہی وہ اتنی غافل نیند؟؟ ممّا پاپا نے بھی تو اُسے یہ احساس نہیں دلا یا تھا وہ خود بھی بہت کم کس وقت نماز پڑھ پاتے تھے۔ ممّا پاپا دونوں جاب کرتے تھے، فارغ وقت وہ ٹی وی، موبائل اور اپنے دوستوں کے ساتھ وزٹ پر گزارتے..... پاپا تو بہت کم گھر پر پائے جاتے۔ ایسے میں وہ بھی گمراہ نہ ہوتی تو کیا کرتی؟..... ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی سبیکا!..... وہ ایک بار پھر سسک اُٹھی تھی۔ یہ آسائشیں جو اس کے ماں باپ نے اس کو دے رکھی تھی کیا فائدہ تھا ان کا؟ اسے ان مادی چیزوں کی نہیں اسے اچھی تربیت کی ضرورت تھی جو اس کے ماں باپ نے اس کی نہیں کی تھی۔

اسے دین کے بارے میں کیوں نہ بتایا..... اسے قرآن پاک پڑھایا لیکن اب تو شاید وہ بھی صحیح طرح یاد نہ تھا۔ نماز صرف فجر کی پڑھتی تھی..... اس کے علاوہ اسے کچھ بھی تو یاد نہیں تھا پھر کیوں دین دین کی رٹ لگائے رکھی.....؟ اپنے ہی مذہب کا مجھے علم نہیں..... اُس کی سسکیاں بلند ہو گئی تھیں اور وہ سجدے میں گر گئی تھی.....

”اے اللہ! میرا دین اسلام سے رشتہ مضبوط کر دے، مجھے اپنا قرب اور معرفت نصیب فرما، مجھے صحیح سمجھ عطا فرما، میری آنکھوں میں شرم و حیا ڈال دے۔ مجھے شرعی احکامات پر عمل کرنے کی توفیق دے..... میرے پچھلے صغیرہ کبیرہ گناہوں کو معاف

”میں نے کہیں پڑھا تھا“۔ سبیکا بولی  
”انسان اپنے مذہب کیلئے لڑتا ہے، مرتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا..... یہ قول تم پر صادق آتا ہے.....“ سبیکا استہزائیہ ہنسی ہنسی تھی، چلو مریم!.....

ایک حقارت بھری نگاہ اس پر ڈال کر وہ مریم کا ہاتھ تھامے وہاں سے نکلتی چلی گئی اور وہ عائنہ جسے اپنے مذہب سے پیار تھا، اپنے نبی ﷺ سے عشق کا دعویٰ تھا، وہ اپنے شرعی احکامات کو پس پشت ڈالے امریکہ کے باسیوں کے درمیان ان کے طور طریقے اپنائے اُنچا کھلا ٹراؤزر، تنگ اور چھوٹی سی شرٹ، برائے نام گلے میں پڑا اسکارف پہنے اسی قوم کا حصہ لگ رہی تھی، انہی کا نمونہ لگ رہی تھی، کچھ بھی تو فرق نہیں تھا..... اس کے اور ان کے درمیان..... ”کاش! کاش! اے کاش!!! زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں..... ممّا..... ممّا..... بابا.....!! وہ ہذیانی میں ہو کر چلائی تھی، کیوں رکھا انہوں نے مجھے اتنا غافل، اور میں خود بھی کیوں رہی غافل، وہ بھی اپنے ہی دین، دین اسلام سے وہ وہیں زمین پر گھٹنوں کے بل گر گئی تھی.....

ہوئی و حرص والا دل بدل دے  
میرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے

☆.....☆.....☆

آنسو تو اتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے..... لب پر ایک ہی فریاد تھی، ہاتھ پھیلائے جائے نماز پر بیٹھے وہ اپنا احتساب کر رہی تھی، وہ

مجسمہ حیرت بنی پلنگ پر بیٹھ گئیں اور گرم سم سی اُسے  
تکٹے لگیں۔ اپنی سسکیوں کے درمیان وہ کچھ کہہ بھی  
رہی تھی جسے پاس بیٹھے وہ بغور سن رہی تھیں.....

”اے اللہ! میرے تمام گناہ معاف فرما اور  
میرے نادان ماں، باپ کو بخش دے، ہم گنہگار  
بندوں سے راضی ہو جا، ہمیں دین پر استقامت  
دے کہ ہم اسے مضبوطی سے تھام کر چلیں، ہمیں  
اپنے دین کی پہچان بنا اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں  
کو زندہ کرنے والا بنا اور ان کے بتلائے ہوئے  
احکامات پر چلنے والا بنا، اے اللہ! ہمیں قبر کے  
عذاب اور دوزخ کی آگ سے بچا لینا، مولا گمراہ  
ہو گئے تیرے بندے، غافل ہو گئے تجھ سے ہی  
تیرے بندے، تو ان سب سے اور مجھ سے درگزر  
فرما..... بے شک تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے  
والا ہے، تو ہماری خطاؤں کو معاف کر دے، اپنی  
رحمت سے ہمیں نواز دے، ہمیں صراطِ مستقیم پر  
چلا دے..... صراطِ مستقیم پر چلا دے اور تو مان جا، تو  
راضی ہو جا..... اللہ..... اللہ..... اللہ وہ اب ایک  
یہی لفظ پکارے جا رہی تھی، اپنے ارد گردے غافل  
وہ اپنے رب کو راضی کر رہی تھی۔“ عارفہ بیگم نے اپنا  
ندامت سے جھکا سر اٹھایا تھا اور بغیر کسی آہٹ کے  
وہاں سے نکلتی چلی گئیں۔

☆.....☆.....☆

”کیا بات ہے بیگم صاحبہ چائے ٹھنڈی ہو رہی  
ہے، کہاں کھوئی ہیں آپ.....؟ شیراز صاحب نے  
عارفہ بیگم کو مخاطب کیا جو عائنہ کو یک ٹک دیکھے

کردے، مجھ سے راضی ہو جا۔ میرے مولا! آواز  
اب ہچکیوں میں بدل گئی تھی.....

مجھے زندگی میں یارب سر بندگی عطا کر  
میرے دل کی بے حسی کو غم عاشقی عطا کر  
تیرے درد کی چمک ہو تیری یاد کی کسک ہو  
میرے دل کی دھڑکنوں کو نئی بے کلی عطا کر  
☆.....☆.....☆

رات کا پچھلا پہر تھا..... جب عارفہ بیگم کی  
پیاس کی شدت سے آنکھ کھل گئی..... وہ پانی پینے کی  
غرض سے کچن کی طرف چلی آئیں، پانی پی کر اپنے  
کمرے کی طرف جاتے ہوئے ٹھٹھک کر رُک  
گئیں۔

”عائنہ کے کمرے کی لائٹ آن تھی“ عائنہ  
ابھی تک جاگ رہی ہے.....“

انہوں نے سامنے دیوار پر آویزاں گھڑی پر  
نظر ڈالی، تو وہ حیران ہوئیں۔

تین بج رہے تھے، ممکن ہے لائٹ بند کرنا  
بھول گئی ہو، کمرے کی لائٹ بند کرنے کا سوچ کر وہ  
نیم وادروازہ مزید کھول کر اندر چلی آئیں.....  
سامنے پلنگ بالکل خالی تھا، انہوں نے طائرانہ نظر  
پورے کمرے ڈالی اور پریشان سی ہو کر آگے  
بڑھیں۔ تب ہی پلنگ کے دائیں طرف قبلہ رُخ  
جائے نماز پر وہ اپنے رب کے آگے سر بسجود نظر آئی،  
عجیب گوگو کی کیفیت میں وہ اس کے قریب آئیں  
اور دنگ رہ گئیں، ہچکیوں سے عائنہ کا پورا وجود لرز  
رہا تھا وہ بُری طرح سے رو رہی تھی..... عارفہ بیگم



”کیوں.....؟ پر تم جانتی ہو..... پڑھائی کمپلیٹ کیے بغیر جاب کیسے کرو گی؟ یہاں تو سب جاب کرتے ہیں اور میں خود بھی کیسے چھوڑ سکتی ہوں یہ بہت مشکل ہے بیٹا..... یہاں مرد، عورتیں سب کماتے ہیں اور تمہارا وہ خواب، بہت پڑھنا، آگے بڑھنا، اور تم بی ایس سی میں ہی تھک گئی۔“

عارفہ کا لہجہ کچھ کھوجتے ہوئے تھا۔

”مام! پلیز.....! آخرت میں مجھے یہ ڈگریاں کام نہیں آئیں گی، میں اپنی دنیا تو سنوار دوں گی..... مگر آخرت؟ آخرت کسی نے دیکھی ہے؟“

عارفہ چور چور ہو چکی تھی۔

ان الفاظ پر عارفہ کا دل لرزا تھا۔ کچھ توقف کے بعد خود نارل کرتے ہوئے بولیں۔

”وہ تو ٹھیک ہے! مگر یہ تمہیں اچانک کیا سوچھی..... کیا پرالم ہے؟ تم اپنی مام کو نہیں بتاؤ گی؟“ انہوں نے پیار سے اسے پچکارا تھا۔

عارفہ نے ایک خاموش اور خالی سی نگاہ اُن پر ڈالی اور پھر اُٹھ کر ان کے پاس چلی آئی اور ان کی گود میں سر رکھ کر وہ لیٹ گئی تھی۔ عارفہ بیگم محبت سے اس کے بال سنوارنے لگیں۔

”مام! پھر آپ نہیں جا رہی نہ جاب پر؟“ عارفہ نے اپنے بالوں میں چلتا ان کا ہاتھ تھام لیا۔ عارفہ چپ رہ گئیں، کہتیں بھی تو کیا۔

”اوکے بیٹا دیکھتی ہوں۔“

وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولیں پھر اچانک چوکیں۔

جاری تھیں..... وہ سب اس وقت ناشتہ کر رہے تھے عارفہ کی آنکھیں سو جی ہوئی تھیں، عارفہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بھی اچانک چونکے.....

”عیش آپ روتی رہی ہو؟“ وہ عارفہ کو عیش کہہ کر پکارتے تھے۔

نہیں تو بابا، سو کر اٹھی ہوں، اس لئے آپ کو لگ کر رہا ہے، وہ دانستہ بات بدل گئی۔

”ہوں! شاید!“

وہ مختصر کہہ کر چائے کا آخری گھونٹ بھر کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

”خیریت ہے جناب.....؟ انہوں نے عارفہ بیگم کو چھیڑا جو مسلسل خاموش تھیں، عارفہ بمشکل مسکرائیں تھیں ان کیلئے یہ بہت تسلی تھی..... اپنا موبائل اور کی رنگ وغیرہ اُٹھا کر..... اللہ حافظ کہہ کر وہ آفس کیلئے نکل گئے۔ بابا کے آفس جانے کے بعد وہ عارفہ کے قریب چلی آئی.....

”مما کیا بات ہے آپ نے جاب پر نہیں جانا؟..... چپ چپ بیٹھی ہیں تیاری نہیں کرنی؟ وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم تھیں..... چونک کر اُسے دیکھنے لگیں۔“ مائی ڈئیر! بس ویسے ہی میرا دل نہیں چاہ رہا تھا..... اور تم اب تک کالج کیوں نہیں گئی؟“.....

انہوں نے اُلٹا سوال کیا۔ ”میں نے کالج چھوڑ دیا ہے ممما..... بس کافی ہے بہت پڑھ لیا..... آپ بھی اپنی جاب چھوڑ دیں ممما پلیز!“ آخری جملے میں التجا تھی۔ عارفہ بیگم بھونپکارہ گئیں۔

زیب دیتے ہیں جو یہاں کے بے دین لوگوں کے ہیں؟.....

کیا آپ کے پاس ان سوالوں کے جواب ہیں؟..... بتائیں ماما! میں کل رات سے بے سکون ہوں.....“ وہ عارفہ کے گلے لگ کر رونے لگی تھی..... عارفہ کا دل بند ہونے لگا۔

”مجھے بھی تو بتاؤ عائشہ! کل ایسا کیا ہوا بیٹا کہ آپ بے سکون ہیں.....؟ بھیگی پلکوں سے وہ انہیں تکتی رہی پھر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے وہ انہیں ساری رو داندسانے لگی۔

”ماما! میں مریم کو دوبارہ سے وہ راستہ دکھانا چاہ رہی ہوں، جس سے وہ بھٹک گئی ہے۔ اس کیلئے پہلے مجھے خود کو بدلنا ہوگا، خود کو شریعت کے مطابق ڈھالنا ہوگا..... میں مریم کو حقائق سے آگاہ کروں گی.....“ میں اُسے مرتد ہونے نہیں دے سکتی۔

ماما! آپ بھی نماز پڑھیں اور پاپا کو بھی کہیں..... اور ہر نماز کے بعد تمام مسلمانوں کی ہدایت، تقویت ایمان کیلئے دعا کریں..... اللہ پاک ہماری مدد فرمائیں اور ہمیں سیدھے راستے پر چلنے والا بنائیں۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنے دین کی پاسداری ہم سب پر فرض ہے اور اپنے فرائض سے ہر مسلمان کو آگاہ ہونا چاہیے..... سن رہی ہیں نامما.....! اور ہم اب مزید یہاں نہیں رہیں گے..... واپس اپنے دیس جائیں گے..... اپنے پیارے پاکستان میں..... جہاں..... چچا لوگ اب بھی ہماری راہ تکتے ہیں..... بولیے نہ ماما مجھے

”مائی کیوٹ اینڈ لولی گرل! اب بتاؤ بھی تو اچانک کیا ہوا ہے۔“

الفاظ و انداز دونوں مغربی تھے۔  
”ماما آپ نماز کیوں نہیں پڑھتیں.....؟ آپ جانتی ہیں نماز ہم پر فرض ہے اور قبر میں پہلا سوال ہی یہ ہوگا“ عائشہ ان کا سوال گول کر گئی۔  
”ہاں! ڈیر! کوشش کرتی ہوں مگر وقت نہیں ملتا.....“

”کیوں نہیں ملتا؟ وقت نکالنے سے ملتا ہے آپ غفلت نہ کریں اسے معاملے میں یہ بڑے گناہ ہیں ہمارے..... ہمیں کیا معلوم ماما ہم جنت میں جائیں گے یا نہیں جبکہ ہمارے اعمال اتنے بُرے ہیں کہ ہم اپنے رب کو کیا منہ دکھائیں گے؟ آپ کہتیں ہیں نا کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی اس کیلئے سلیپنگ پلاز استعمال کرتی ہیں پھر بھی آپ بے سکون رہتی ہیں..... بے سکونی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم راہ راست پر نہیں ہیں، ہم راہ سے بھٹک چکے ہیں۔ نہ ہمیں خدا یاد ہے، نہ قرآن یاد ہے، نہ نماز یاد ہے، اور نہ ہی اپنے پیارے نبی ﷺ کے احکامات یاد ہیں..... یاد ہے تو صرف اس مغرب کی تقلید..... انہی لوگوں میں رہتے ہم نے خود کو کھو دیا ہے..... کہاں ہیں مسلمان.....؟ جو اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کی ایک آواز پر بلیک کہہ کر دوڑے چلے آئے تھے..... کہاں گئے وہ لوگ، کہاں گیا وہ زمانہ، آج کا مسلمان تو صرف نام کا ہی رہ گیا..... ہم مسلمان ہیں..... مگر ہم کو بھلا یہ طور طریقے کب

مزید یہاں نہیں رہنا پلینز.....!

اپنے سامنے کھڑی عائشہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی، کتنے  
پل وہ یونہی ایک دوسرے کو تکتے رہ گئیں اندر آنے کو  
نہیں کہو گی.....؟ عائشہ بولی۔

مریم شرمندہ ہو گئی کیوں نہیں؟..... آؤ.....  
پلینز.....“ اسے بیٹھنے کا کہہ کہ وہ خود بھی اسکے سامنے  
بیٹھ گئی۔

”عائشہ تم!!“ اُسے یقیناً عائشہ کو حجاب میں دیکھ  
کر حیرت ہوئی تھی، وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر جھجک  
رہی تھی۔

”ہاں مریم!! تم جانتی ہو میں تمہارے پاس  
کیوں آئیں ہوں؟“  
”نہیں“ مریم جان بوجھ کر انجان بنی۔

”مریم! تمہیں سچائی کی تلاش ہے نا؟ جس  
کیلئے تم نے کئی مذاہب کا مطالعہ کیا؟“  
مریم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور  
اثبات میں سر ہلادیا۔

”اور تمہیں سب سے زیادہ بہتر عیسائی مذہب  
لگا..... اس مذہب میں لگاؤ بھی تمہارا سہیبا کی وجہ  
سے تھا، کیوں کہ سہیبا تمہیں زیادہ سے زیادہ گائیڈ  
کر رہی تھی۔ میں جانتی ہوں کہ جس ملک میں ہم رہ  
رہے ہیں یہاں کئی مذاہب کے لوگ ہیں، مثلاً:

ہندو، سکھ، یہود، بدھسٹ، عیسائی، جو کہ ۸۰ فیصد  
بے دین اور اس ۸۰ فیصد نے تمہیں یقیناً پاگل  
وپریشان کر دیا اور کچھ گھروالوں کی بے توجہی کی وجہ  
سے گمراہی کا شکار ہو گئی۔ جبکہ ایسی حالت میں تمہیں  
ایک اسلامی سینٹر سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ جہاں تم

آخر بات پر وہ ایک آس لئے اپنی ماں کو دیکھ  
رہی تھی۔ دوسری طرف عارفہ عجیب کشکش میں مبتلا  
خاموش تھیں، پھر اچانک مسکرا کر اس کا ماتھا چوم کر  
بولیں:

”کتنی بد نصیب تھیں میں، غفلت میں اتنی  
زندگی گزار دی، کبھی آخرت کی فکر نہ کی..... انشاء اللہ  
میں آج ہی سے پانچوں وقت کی نماز پڑھوں گی.....  
گزشتہ زندگی پر اپنے رب سے معافی مانگو گی، مجھے  
یقین ہے اللہ پاک ہمیں معاف کر دیں گے۔ اور  
ہاں تمہارے پاپا کو میں ہی لے کر آئی تھی یہاں اور  
میں ہی لے کر جاؤں گی۔“

عارفہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے..... وہ  
اپنے کل پر نادم تھیں۔ اب انہوں نے دل میں  
پاکستان مستقل جانے کا پکا عزم کیا تھا..... وہ  
مسکرائیں تھیں اور پیار سے عائشہ کی ٹھوڑی پکڑ کر  
بولیں.....

”بس یا اور کچھ مائی ڈیر.....“  
”جی ہاں! اور یہ کہ آپ مجھے کوئی ڈیر شینئر نہیں  
کہیں گی اور آج سے میں بھی آپ کو امی جان اور پاپا  
کو بابا جان بولوں گی، ٹھیک ہے؟.....“  
”ٹھیک ہے جناب..... دونوں کھل کر  
مسکرائیں تھیں.....“

☆.....☆.....☆

ٹھیک ایک ماہ بعد عائشہ یکسر بدل گئی تھی۔ آج  
وہ مکمل حجاب میں مریم کے گھر چلی آئی تھی۔ مریم

”اس کے برعکس قرآن پاک ایک مکمل کتاب ہے، دیگر مذاہب کی کتابوں میں وہ سب کچھ اب موجود نہیں جو نازل ہوا تھا، ان کتابوں کے ماننے والوں نے انہیں یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ تم چاہ کر بھی ان کی اصل تلاش نہیں کر سکو گے۔“

قرآن پاک ایک واحد کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، اس میں کچھ رد و بدل نہیں کیا جاسکتا۔ اس مبارک کتاب کے شروع میں ہی رب نے فرما دیا:

ترجمہ: ”یہ کتاب ہے، نہیں کوئی شک اس میں..... ہدایت ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے غیب پر، وہ قائم کرتے ہیں نماز اور جو ہم نے رزق دیا وہ اس سے خرچ کرتے ہیں۔“

اگلی آیت میں فرمایا:

ترجمہ: ”وہ لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا آپ ﷺ کی طرف اور جو نازل کیا گیا اس سے پہلے اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

تمہیں حق کی تلاش ہے نا؟..... حقیقتاً قرآن پاک ایک سچی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں، قرآن پاک کی پہلی سورت ہے:

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو دونوں جہاں کا رب ہے، نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے، مالک ہے قیامت کے دن کا..... کیا اس کے بعد بھی کوئی شک یا گنجائش رہ جاتی ہے؟

اگلی آیت میں ہے کہ..... ”ہم تیری ہی عبادت

اتنے مذاہب کا مطالعہ کیا وہاں تمہیں یہ خیال کیوں نہیں آیا..... کہ تم ایک..... مسلمان لڑکی ہو..... اور تمہیں اپنی کتاب قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہیے تھا جبکہ تم نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنی طرف بڑھے سیرک کے ہاؤس خدلی سے تھام لیا۔“

”مریم! تم نے عیسائیت کو اپنا یا تو نہیں؟ سچ سچ بتاؤ.....“

”نہیں عائشہ! مام کیوجہ سے پریشان تھیں، کئی دن سے چرچ نہیں جا سکی۔“

”اچھی بات ہے جانا بھی نہیں چاہیے،“ عائشہ اپنی پریشانی زبان پر لائی۔

”تم دائرہ اسلام سے خارج ہو کر ایک کبیہ گناہ کی مرتکب ہو جاتی اگر تم عیسائیت کو اپناتی..... سیریکا یقیناً تمہیں جان چکی تھی کہ تم راہ راست سے بھٹک رہی ہو..... اس لئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ اس کی کامیابی کی دلیل تمہاری روز روز اس کی طرف بڑھتی ہوئی رغبت، اس کے ساتھ چرچ جانا، بائبل پڑھنا، وغیرہ ہے۔ کیا تم نے نوٹ نہیں کیا کہ وہ ایک نہیں کئی بائبل ہیں اور تم کس کس کا مطالعہ کرو گی؟..... جب تم انہیں پڑھو گی تو تمہارا تجسس بڑھتا رہے گا۔ لیکن اصل حقائق تمہارے سامنے نہیں آئیں گے، بلکہ تم گمراہی کی انتہا گہرائیوں میں اترتی چلی جاؤ گی جبکہ ایک مسلمان کو مردہ ہونا زیب نہیں دیتا، یہ یڈوب کے مرجانے کا مقام ہے۔“

مریم خاموش سر جھکائے سب سن رہی تھی، عائشہ کچھ توقف کے بعد پھر بولی۔

وہ مریم جو کب سے ساکت بیٹھی تھی تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ با وضو کمرے میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے عائشہ کے ہاتھ سے کتاب کے لے کر سینہ سے لگالیا اور پھر چومنے لگی۔

عائشہ اب اس کی یہ بے تابی دیکھ کر مسکرا دی تھی اور بولی۔

”مریم پتہ ہے ہم بے راہ روی کا شکار کیوں ہیں؟ کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر  
ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر  
”آئی کا علاج کرواد بھائی سے کہہ کر اور خود  
بھی ان کے پاس رہو، چاہے بھائی جتنا بھی برا بھلا  
کہے آخر تو تم پرائی ہو، ایک دن اپنے دوسرے گھر  
چلی جاؤ گی، تنہا رہنا ٹھیک نہیں اور ہاں ہم بھی  
پاکستان جا رہے ہیں۔“ آخری جملے پر مریم نے  
چونک کر اُسے دیکھا۔ عائشہ اس کے تاثرات  
پڑھتے ہوئے بولی: ”فون پر رابطہ رکھیں گے اور  
انشاء اللہ تمہاری شادی پر آؤں گی۔ مریم نے زور  
سے اُسے دھموکا جڑا تھا۔

”اف!“ عائشہ چلائی اور پھر دونوں ایک  
دوسرے کے گلے لگ گئیں۔ یہ ہی لمحہ کہ مریم کمزور  
پڑی تھی اور پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ عائشہ نے  
اسے جی بھر کر رونے دیا، کیوں کہ آگے خوشیاں منظر  
تھیں جو دین حق پر عمل پیرا ہو کر میسر آئی تھیں۔

کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں  
ہدایت دے سیدھے راستے کی طرف، راستہ ان کا  
جن پر آپ نے انعام کیا اور ان لوگوں کا راستہ نہیں  
جن پر تیرا غضب ہوا اور وہ گمراہ ہو گئے،..... غور تو  
کرو ایک ایک آیت سچائی بتا رہی۔ پھر ہم کیسے گمراہ  
ہو سکتے ہیں۔

”اس کتاب میں تمہیں بہت سے پیغمبروں  
کے واقعات پڑھنے کو ملیں گے اور ان سب قوموں  
کی داستانیں جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور اللہ  
کے غصے کا سبب بنے اور جو ایمان لائے وہ فلاح  
پا گئے۔ یہ کتاب پڑھ کر تمہیں حق سے آشنائی ہوگی۔  
امید ہے کہ تم اپنے دین و ایمان اور قرآن کی طرف  
واپس لوٹ آؤ گی۔ اپنے نبی کے احکامات پر عمل  
کرو۔ یہی حقیقت پر مبنی کتاب ہے، جس کی زیر،  
زبر، پیش تک آج محفوظ ہیں جو سینہ با سینہ ہم تک پہنچ  
رہا ہے، لاکھوں مسلمان روزانہ اس کی تلاوت کرتے  
ہیں، خوش نصیب ہیں وہ حفاظ جن کے دلوں میں یہ  
لفظ بلفظ موجود ہے اور وہ روز اس کی تلاوت  
کرتے ہیں، جس نے انہیں بے شمار نعمتوں سے  
نوازا وہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ میں تمہیں بھگتا  
نہیں دیکھ سکتی اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے مجھ  
پر فرض ہے کہ میں تمہیں اصل حقائق سے متعارف  
کرواؤں..... وہ مقدس کتاب اس کی طرف  
بڑھاتے ہوئے بولی جس حق کی تمہیں تلاش ہے یہ  
اس راہ تک لے جانے میں اور منزل تک پہنچنے میں  
معاون ثابت ہوگی۔





قسط نمبر (۷)

کرن سلطان

”اوائے موئے قصائی..... ذرا جلدی آنا.....  
 آج میں تیری دعوت کر رہی ہوں۔“  
 احمر نے موبائل آن کیا تو بلا ارادہ ان ریڈ میسج  
 پر نگاہ پڑی..... اور وہ انگوٹھے کے ہلکے سے کلک  
 کے ساتھ..... میسج پڑھنے لگا۔  
 پہلا میسج پڑھتے ہی اس کے ہونٹوں نے  
 مسکراہٹ کو چھو لیا۔  
 وہ کچھ اور سمجھ رہا تھا اس میسج کا پس منظر۔  
 ”موئے قصائی..... تمہاری وجہ سے میں اتنی  
 ڈانٹ سن چکی..... ابھی تک پہنچے کیوں نہیں۔  
 تمہارے دادا کی بہو سے میرا زبردست جھگڑا بھی  
 ہو چکا..... جلدی آؤ.....“  
 وہ اک بار پھر ہنسا..... اگلا میسج پڑھنے لگا تو  
 ”السلام علیکم..... آپ کا سیل میرے پاس  
 ہے۔ پلیز مجھے کال کر کے کنفرم کروادیں..... اور  
 جواب نہ دارد۔  
 اس نے گہرا سانس لے کر موبائل کان سے  
 ہٹایا۔

مجھ سے آکر سیل لے جائیں، شکریہ۔

مسیح ٹائپ کر کے اس نے اپنا موبائل رکھا اور دوسرا موبال دراز میں ڈال دیا۔ تکیہ سیدھا کر کے وہ لیٹ گیا۔ دھیان ایک بار پھر ماما کی باتوں کی طرف چلا گیا۔

”پتہ نہیں اب ماما کی ایکشن کیا ہوگا“۔ اس نے مایوس دل کے ساتھ سوچا۔ احمر تقی کا تعلق ایک اپر کلاس سے تھا۔ باپ دادا شروع سے جاگیردار تھے۔ اپنا سب کا بزنس تھا۔ احمر کا سارا خاندان، اعلیٰ عہدوں پر فائز تھا۔ خود تقی صاحب ریٹائرڈ کرنل تھے۔ فوج میں بھی ان کے خاندان کے کئی افراد اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ اس خاندان کے تمام افراد، انجینئر، ڈاکٹر، پائلٹ، کیپٹن اور ڈپٹی کمشنر تھے۔ چیف ایگزیکٹو ایجوکیشن تک کا عہدہ اس خاندان کے پاس تھا۔ یہ خاندان ایسے بیٹے اور بیٹیاں پیدا کرتا تھا جو انجینئر ڈاکٹر وکیل پیدا کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

اس خاندان میں اگر کوئی شادی ہوتی..... تو تقریبات دیکھنے کیلئے لوگ دور دور سے آتے..... اس خاندان میں اگر کوئی فوت ہو جاتا تو فونگی کی تقریبات بھی اپنی شان سے ادا ہوتی تھیں۔

تقی احمد کے والد چودھری خورشید احمد..... عرصہ دراز سے اپنے علاقے کے چودھری تھے، وہ ایک ماہر سیاست دان تھے۔ اپنے غریب مزارعوں پر بڑی ”شفقت“ بھری حکومت کی تھی انہوں

نے، وہ خیر دین جس کے آٹھ بیٹے ان کی زمینوں پر کام کرتے تھے ان کو ہمیشہ انہوں نے اپنے احسان تلے دبائے رکھا۔ چودھری خورشید کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے: ”مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو“..... اور چودھری صاحب اپنے مزارعوں کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے تھے۔

ڈھیروں گندم میں سے چند من گندم چودھری کا احسان عظیم ہوتا تھا۔ مزارعے دین و دنیا سے نابلد تھے اور چودھری صاحب کی بقا کیلئے یہ ہی کافی تھا۔ وہ ان کے خاندانی جھگڑے نبھاتے..... پنچائیت لگتی اور چودھری پوری شان کے ساتھ فیصلہ سناتا..... اور وہ سوچ کے قیدی مزارعے کئی دن تک..... ”چودھری خورشید“ کی تسبیح پڑھتے۔ ان کی عورتیں..... کپاس چنتی تھیں، دھان لگواتی تھیں اپنے مردوں کے ساتھ..... چودھری خورشید کے گھر آکر ڈھیروں ڈھیر چٹائیاں بلوتی تھیں۔ کئی کل مکھن نکلتا..... اور چودھری کی گوری چٹی پانچ جماعتیں پاس بیگم ”چودھرائی آمنہ بی بی“ ایک پیالے میں مکھن ڈال کر خیر و کی بیوی کو دیتیں جو فجر کی اذان سے پہلے اٹھ کر اپنے بہنوں کے گھر آ موجود ہوتی..... کہتیں۔

”لے لی اماں جیراں..... یہ بچوں کیلئے لے جا..... مکھن ٹھنڈا ہوتا ہے۔“

اور اماں جیراں..... اس ”جنیتی“ عورت کے واری صدقے جاتی، کیا سہنا دل تھا چودھرائی جی

آئے۔ چودھری کی قبر خیر دین کے پوتوں نے کھودی۔ وہ ہی انہیں تھیں جو خیر دین کی قبر میں لگی تھیں..... وہ ہی کفن تھا جو خیر دین کا کفن تھا۔ پھر..... کیوں..... اتنا فرق تھا دونوں کے طرز زندگی میں؟؟

جس دن خیر دین فوت ہوا..... اس کے گھر والوں کے حلق سے پانی کا گھونٹ بھی نہ اتر..... اور چودھری کے گھر والے اب روسٹ کھا رہے تھے۔ قل خوانی کی رسم اپنی پوری شان کے ساتھ ادا کی گئی۔

ایسے کمانے تھے کہ خیر دین کے پڑپوتوں نے جی بھر کر کھایا اور دل میں اقرار کیا کہ یہ سارے کھانے جنت سے آئے ہیں۔ چودھری ایسا نیک روح تھا کہ اپنی وفات کے بعد بھی بھوکوں کو کھانا کھلا گیا۔ تقی احمد ان کے بیٹے تھے۔ مگر سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بڑے بھائی نے سنبھالی تھی ابا کی سیٹ، مگر اب زمانہ بدلنے لگا تھا۔ جمہوریت آگئی تھی۔ لوگ تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔

تو اب فرزند ان چودھری نے بھی اپنا بزنس اسٹارٹ کر دیا تھا۔ ٹھیک ہے کہ چودھری چھوڑ کر گئے وہ سات نسلیں کیلئے کافی تھا۔ مگر ان سے اگلی جو سات نسلیں آئی تھیں..... کچھ ان کیلئے بھی کرنا تھا۔ تقی صاحب نے ساری زندگی فوج میں ایمانداری سے گزاری اور پھر ریٹائرڈ ہونے کے بعد گاڑیوں کا شوروم بنالیا۔ احسن ان کے ساتھ

کا..... کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھی وہ مزارعوں کو..... اور ”بدلے“ میں بس ان کی دعائیں لیتی..... جو وہ بھولے مزارعے پورے خلوص سے دیتے۔

اماں جیروں کے گیارہ بچے تھے اور وہ ان سب کو اک لفظ بھی نہ پڑھا پائیں، نہ قرآن نہ اسکول..... بس زمینوں پر کام کرتے کرتے انہوں نے زندگی کا خوب صورت دور گزار دیا۔

چودھری مزارعوں پر احسان کرتا گیا اور سرکاری اراضی کا مالک بنتا گیا۔ وہ خود فوج میں کپتان تھا اور پھر جلد ہی فوج چھوڑ کر واپس آ گیا۔

اپنی سلطنت پر حکومت کرنے کی بنا پر اسے آنے والے حالات کا پتہ تھا سو اس نے کئی سوا کیڑ سرکاری اراضی اپنے قبضے میں کی اور آخر کار اتنا کچھ بنالیا کہ ان کی آئندہ سات نسلیں بھی بس بیٹھ کر موبائل، انٹرنیٹ سے استفادہ کرنے والی تھیں۔

اور مزارعے..... اب وہ آدھے مرکھپ گئے تھے۔ خیر و کب گزر گیا اور اس کے اٹھ گھرو جوان بیٹوں میں سے اب بس تین باقی تھے، باقی ڈھیر ساری اولادیں چھوڑ کر ٹی بی کے مرض میں آخر دم تک محنت کرتے کتے مر گئے اور ان سب کے مرنے کے بعد چودھری..... ان کی فاتحہ کہنے اپنی لمبی سی گاڑی میں آیا تھا۔ خیر دین کے پوتے پوتیاں اس سے بہت متاثر ہوئے اور پھر اک دن گورا چٹا..... سفید داڑھی والا چودھری خورشید بھی فوت ہو گیا۔ امریکہ برطانیہ سے سارے رشتے دار



کیونکہ ایک بیوہ پر گزرنے والی قیامت صرف نبی کریم ﷺ جیسی ہستی ہی جان سکتی ہیں۔

نوشین کو ابرار کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ یاد آتا اور اس کا دل چاہتا..... وہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ جب رات ہوتی تھی..... تو وہ دعا کرتی

جلدی صبح ہو جائے..... کیونکہ ابرار کی یادیں اسے وحشت ناک اذیت میں مبتلا کر دیتیں۔ وہ لمحہ جب ابرار کا رشتہ آیا تھا..... اور کزنیں سہیلیاں اس کو چھیڑتیں۔ وہ لمحہ جب وہ دلہن بن کر اس کے گھر آئی تھی..... وہ لمحہ جب اس نے عائشہ کو جنم دیا تھا.....

اور ابرار کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ وہ عید کے خوب صورت لمحات..... رمضان کی پُر نور ساعتیں..... روزے کی حالت میں دہائیاں دیتا ابرار..... اباجی کی غصے بھری ڈانٹ..... اماں کا حمایت بھر انداز.....

نوشین دائیں کروٹ لیٹے..... بہت پیچھے کا سفر کرنے لگی۔ ریورس گیر اور وہ موجودہ زمانے سے کئی سال پیچھے چلی گئی۔ جہاں ابرار بیٹھا اباجی سے بحث کر رہا تھا۔

”نہ اباجی.....! میرے روزے سے آپ کو کیا فائدہ یا نقصان ہوگا۔ قرآن کہتا ہے جو بیمار ہو..... یا سفر میں تو اس کو روزہ معاف ہے..... اور آپ ہیں کہ زبردستی مجھے روزہ رکھواتے ہیں..... بھلا یہ کیا تک ہوئی.....؟ آج اسے روزہ بہت لگا تھا سو آج وہ بحث کر رہا تھا۔

ہوتا۔ بڑا احمد سپریم کورٹ میں ہوتا تھا اور احمد ڈاکٹر تھا۔ لائبرے کی شادی ماموں عابد کے بیٹے ڈاکٹر معیث کے ساتھ ہوئی تھی۔ ربانہ کی مگنی اس سے چھوٹے محب سے ہوئی تھیں جو سو فٹ ویر انجینئر تھا اور ربانہ ڈگری کالج میں اکنائکس کی لکچرار۔

ماریہ احمد کی مگنیز تھی۔ جو سول انجینئر تھی۔ احمد کو اعتراض تھا اسے ماریہ سے شادی ہرگز نہیں کرنی تھی..... اور وہ مالہ کے سامنے انکار کر کے تھک چکا تھا مگر..... مالہ کی میسٹری جیسے خشک سبکیٹ کی لکچرار رہ چکی تھیں..... سو مزاج بھی خشک تھا..... ماریہ ان کو پسند تھی تو احمد کو بھی پسند ہونی چاہیے تھی۔ مگر احمد وہ انکار ہی تھا..... نبانے کیوں؟

☆.....☆.....☆

کالی سیاہ رات..... اپنی بانہیں کھولے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ ستارے مدہم روشنی بکھیر رہے تھے..... وہ بازوؤں کے تکیے بنائے دائیں کروٹ لیٹی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی اور یہ آنسو روز بہتے تھے۔ جدائی کے آنسو..... جو روز اس کی آنکھوں سے نکلتے..... اور اس کے دل پر گرتے تھے۔

کتنے سال گزرے..... اسے اسی طرح روتے..... خاموش آنسو بہاتے..... کتنی اذیت ناک راتیں تھیں اک بیوہ کیلئے..... نبی کریم ﷺ ہمیشہ بیوہ عورتوں پر شفقت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی اکثر بیویاں بیوہ تھیں..... جانتے ہیں کیوں یہ شفقت تھی؟

نے انکار میں سر ہلایا نہ..... نہ..... بیٹا..... تم بیمار ہو۔  
ابرا غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا.....

”تمہیں تو میں پوچھ لوں گا..... ابا کی چچی.....  
اور خود نماز پڑھنے کیلئے مسجد چلا گیا۔ ابا جی اور نوشین  
کتنی دیر تک ہنستے رہے۔ نوشین اتنا ہنسی کہ اس کی  
آنکوں سے پانی نکل کر گالوں پر پھسلنے لگا..... اس  
نے وہ پانی صاف کرنے کیلئے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو  
وہ بے حد گھبرا گیا تھا۔ وہ کئی سال پہلے کا سفر کر کے واپس  
آچکی تھی..... اور رورو کر آنکھیں اب جلنے لگی تھیں۔  
آج اس نے پہلی بار علی پر ہاتھ اٹھایا تھا.....  
وہ ستر ہزار کا موبائل گم کر آیا تھا..... نوشین کی تو  
زمین ہی کھسک گئی تھی۔

وہ کتنی دیر بولتی رہی تھی..... علی چپ چاپ سنتا  
رہا تھا۔ اسے کسی نے نہیں روکا کہ وہ اب بس  
کردے..... ابا بھی خاموشی سے سنتے رہے۔ وہ  
بول بول کر تھک گئی تو کمرے میں آگئی۔ علی خاموشی  
سے گیلی آنکھیں لیے باہر چلا گیا..... اور اس کی  
آنکھوں کے سامنے بار بار علی کی گیلی آنکھیں آرہی  
تھیں..... وہ چپ چاپ رونے لگی۔ کتنے گہرے  
گھاؤ تھے اس کے دل پر..... وہ کس سے کہتی.....  
کس کو دکھاتی..... تھک ہار کر وہ اُٹھی اور جائے نماز  
پر کھڑی ہو گئی، بے سکون دل کو سکون آنے لگا۔ وہ  
ایک کے بعد دوسرا سجدہ کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

”میری عینک کہاں ہے حیا..... تم نے دیکھی

”نہ قرآن کے تو ایسے حوالے دے رہا ہے،  
جیسے بڑا تو قرآن کا اسکالر ہو اور ابھی پوچھ لوں تم  
سے قرآن میں کتنی کمی اور مدنی سورتیں ہیں تو.....  
یہ تمہیں پتہ نہیں ہوگا۔ ابا جی کی بات پر پکڑوں کا  
مصالحہ بناتی نوشین زور سے ہنسی تو ابرا نے اسے  
گھورتے ہوئے منہ پہ ہاتھ پھیرا۔

اور پھر جب افطاری کے وقت ابرا پوری  
اسپیڈ کے ساتھ روزہ کھول رہے تھے..... اس کو  
دیکھ کر نوشی کھنکھاری۔

”ابا جی.....! بھلا واقعی جو بیمار ہو..... ”اہم  
اہم“..... ذرا کھانس کراک بار پھر ابرا کو دیکھا.....  
وہ کنکھیوں سے دیکھنے لگا۔

”بیچارہ کچھ نہ کھا سکتا ہو..... پی سکتا ہو..... تو  
کیا..... اس کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے؟  
ابا جی مسکرائے۔

”ہاں بیٹا جی..... جو بیمار ہوں..... ان کو  
روزہ معاف ہوتا ہے کہ بعد میں قضا دے لیں.....  
اور بیمار تو کچھ کھا پی کر بھی نہیں کہہ سکتا..... میں بھی  
کتنا ظالم باپ ہوں بھول ہی گیا کہ میرا بیٹا بیمار  
ہے..... اور ہاں..... بیٹا..... تمہیں تو معدے کا  
مسئلہ ہے نا..... نوشین نے میرے لیے ساگودانہ  
تیار کیا ہے جاؤ نوشی بیٹا وہ لاؤ..... یہ پکڑے تو اس  
کا معدہ مزید خراب کریں گے۔“

ابا نے اس کے سامنے سے پلیٹ اٹھائی تو اس  
نے احتجاجی انداز میں ان کو دیکھا ابا جی..... پلیز ابا

حیالا جواب ہوگئی۔ خاموشی سے اُٹھ کر اندر گئی اور عینک لے کر واپس آ گئی۔

”سوری ابا.....! اس عینک کو اُٹھانے پر“ عینک ان کی طرف بڑھاتے وہ بولی تھی۔

”میں بس آپ کو اتنا بتانا چاہتی تھی..... کہ جس طرح میں آپ کی آنکھوں کے سامنے..... آپ کی ٹیبل سے یہ چرا سکتی ہوں، اسی طرح کوئی بھی میرے بھائی کو ہاتھ کی صفائی دکھا سکتا ہے۔ غلطی جب ہم کریں تو وہ اک حادثہ ہوتا ہے اور جب دوسرے کریں تو گناہ بن جاتا ہے..... جرم بن جاتا ہے، آخر کیوں؟ پلیز ابا جی..... آپ لوگ بھی اپنے نظریات میں تبدیلی لائیں۔ ڈانٹنے سے مارنے سے موبائل واپس تو نہیں آ یا نا..... مگر میرا بھائی ضرور ڈس ہارٹ ہوا ہے۔ جس نے کھونا ہو..... وہ عین لگا ہوں کے سامنے بھی کھو جاتا ہے اور جس نے ملنا ہو، وہ پاتال کی گہرائیوں سے بھی مل جایا کرتا، سترہ ہزار امی جی یا آپ سے اگر ہم ہوتے تو..... وہ آپ کا نصیب ہونا تھا۔ میرے بھائی سے گم ہوا تو وہ اس کا ناقابلِ معافی گناہ بن گیا۔ آپ کو پتہ ہے..... میرے بھائی کی اس وقت کیا کنڈیشن ہوگی..... وہ جو موبائل گم ہونے کا غم بھی سہہ رہا ہے..... آپ کی ڈانٹ بھی..... اس کو آپ کے حوصلے کی ضرورت تھی..... آج تک اس نے کبھی گھر کے ردی کاغذ تک نقصان نہیں کیا..... آج اگر اس سے غلطی ہوگئی تو آپ سب نے اسے اکیلا چھوڑ دیا۔

ہے..... مجھ مل نہیں رہی، پتہ نہیں کہاں گم ہوگئی ہے؟“

اباجی کے پوچھنے پر حیا نے ان کی طرف دیکھا۔

”آپ ہمیشہ چیزیں گم کرنے کے بعد ہی کیوں میرے پاس آتے ہیں، اباجی کبھی چیزیں گم کرنے سے پہلے بھی آ جایا کریں.....“

ابا سمیت سب نے چونک کر حیا کو دیکھا جو معصوم چہرہ بنائے ابا کو دیکھ رہی تھی۔

اباجی نے گہرا سانس لیا اور بیٹھ گئے کیونکہ وہ جان گئے تھے عینک حیا کی ان کے کمرے سے اُٹھا لائی ہے۔ وہ دوسری عینک لگائے کل کتاب پڑھ رہے تھے اور حیا..... وہ ہاتھ کی صفائی دکھا گئی تھی۔

”کیونکہ مجھے پتہ ہے..... میں جب بھی گم کروں گا..... میری بیٹی مجھے ڈھونڈ دے گی..... وہ میرے لئے تکلیف اُٹھائے گی تو ہی مجھے اس کی محبت کا اندازہ ہوگا نا“ اباجی کا انداز بڑا خوشامدی تھا۔ حیا سے عینک واپس لینا ناممکنات میں سے تھا۔

”تو میرا بھائی بھی تو کل آپ کے پاس یہ ہی مان لے کر آیا تھا..... پھر آپ نے کیوں نہیں دکھایا اسے محبت کا مظاہرہ؟

ابراہیم صاحب نے گہرا سانس لیا۔

”میں نے تمہارے بھائی کو اپنے سے زیادہ محبت کرنے والے کی طرف ریفر کر دیا تھا بیٹا..... اللہ کی محبت کی طاقت مجھ سے زیادہ تھی۔“

میت غسل دینے کا طریقہ نہیں آتا تھا..... یہ بات انتہائی افسوس ناک تھی..... عائشہ حافظہ تھی..... اور یہ بات سوائے گھر کے افراد کے کوئی نہیں جانتا تھا۔ عائشہ نے ماں کو منع کر دیا تھا کہ میں حفظ صرف اللہ کی رضا کیلئے کر رہی ہوں..... میری خواہش ہے کہ کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو..... میں مردوں تو میرے سینے میں قرآن ہو..... مگر اس کو جانتا کوئی نہ ہو..... نوشین نے لاکھ دلیلیں دیں کہ قرآن کو حفظ کرنا یہ تو سعادت ہے..... اور لوگوں کو بتانا چاہیے تاکہ وہ بھی تمہاری تقلید کریں..... تو عائشہ نے گہرا سانس لے کر اتنا کہا تھا کہ ”امی..... آج کے دور میں نیکی کی کوئی تقلید نہیں کرتا..... آپ پلیز..... میری خواہش کو پورا کر دیں.....“

اور پھر سب نے اس کی خواہش کا احترام کیا۔ اس نے سارا دین سیکھا اور دل کے کٹورے کو ہر یاد سے خالی کر کے..... بس اللہ کی یاد کے لئے مخصوص کر دیا۔ گاؤں جاتے اس نے بیگ میں چند کتابیں رکھی اور ماں کے ساتھ گاؤں کیلئے روانہ ہو گئی۔

اور اب سالار تایا کی بیوی راحیلہ تائی ان کے گھر بیٹھی پوچھ رہی تھی..... انہوں نے کئی ماہ بعد چکر لایا گیا تھا ادھر کا۔

”وہ بڑی امی..... وہ بڑی نانو فوت ہو گئی ہیں..... امی گاؤں گئی ہیں۔“

جواب مریم کی طرف سے آیا تھا۔  
”اچھا..... نوشی خالہ صغرا فوت ہوئی ہیں؟“

دکھ اور تکلیف میں اپنے بن کر ساتھ دینا پڑتا ہے۔ چاہے دکھ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اپنے ہونے کا..... اپنے اچھے اور بہترین والدین ہونے کا احساس ایسے ہی مواقع پر ہی تو دلا جاتا ہے..... دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ وہاں رکی نہیں..... تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی گئی..... ابا نے ایک خاموش نگاہ نوشین پر ڈالی اور پھر باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

اس ساری صورتحال میں کسی کی بھی نگاہ اس کے چھوٹے نوکیلا پر آنے والے مسج پر نہیں گئی۔ مسج صرف حیا ہی پڑھا کرتی تھی۔ باقیوں کو نہ دلچسپی تھی اور نہ..... موبائل استعمال کرنے کا ٹائم اس ساری صورتحال میں حیا سب کچھ بھولی ہوئی تھی۔ علی کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کا دل بہت برا ہوتا تھا۔

☆.....☆.....☆

”تمہاری امی کدھر ہیں؟“ علی کے موبائل کو گم ہوئے دودن ہو چکے تھے..... نوشین کی خالہ فوت ہو گئیں تھیں اور نوشین عائشہ کو لے کر گاؤں چلی گئیں تھیں۔ ممانی جان نے کہا تھا عائشہ کو لازمی ساتھ لانا، جو عورت گاؤں کی میت کو غسل دیتی تھیں وہ اپنی بیٹی کے پاس فیصل آباد گئی ہوئی تھیں..... اور یہاں گاؤں میں کسی عورت کو غسل دینے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔

عائشہ نے سنا تو جیسے سکتے میں آگئی..... تین، ساڑھے تین ہزار نفوس پر مشتمل گاؤں والوں کو

”کس کی شادی؟“

سرکھاتے اس نے اضطراب سے پوچھا۔  
”عکاشہ کی اور کس کی..... ڈٹ فکس ہوگئی ہے

۲۵ کو بلبلت ہے اس کی..... کیا ابا جی نے تم  
لوگوں کو نہیں بتایا؟“

تائی کے تعجب سے پوچھنے پر حیانے پریشانی  
سے نفی میں سر ہلایا۔

”کس کے ساتھ کی ہے کاشی بھیا کی شادی؟  
کسی موہوم امید کے تحت اس نے دھڑکتے دل

کے ساتھ پوچھا.....“  
”امبر کے ساتھ..... اور کس کے ساتھ.....

بھلا تم لوگوں کو تو جیسے پتہ ہی نہیں..... کیا نوشی نے  
نہیں بتایا.....؟ امبر اور عکاشہ کے رشتے کے  
بارے میں؟“

”دھڑم“ کوئی بہت وزنی چیز آ کر حیا کے اوپر  
گری تھی..... آنکھوں کے سامنے سیاہ دھند سی اتر  
نے لگی۔

”نہیں امی..... حیا کو نہیں پتہ..... جب امبر کا  
رشتہ ہوا تو یہ ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی.....“

جواب مریم کی طرف سے آیا..... حیانے بے  
یقینی سے مریم کی طرف دیکھا.....

”اچھا سچ..... مجھے تو بھول ہی گیا..... کیا بنا  
پھر تمہارے میڈیکل میں داخلے کا.....؟ ٹیسٹ تو

سنا ہے تم نے اچھے نمبروں سے پاس کر لیا تھا.....  
پھر گئی کیوں نہیں؟

تائی نے سوالیہ ابرو اچکاتے پوچھا تو مریم نے جھٹ  
اشارات میں سر ہلایا۔ مومنہ ساتھ خاموش بیٹھی  
تھی..... حیا نجانے کدھر تھی۔

”اچھا پھر میں چلتی ہوں.....“ راحیلہ کھڑی  
ہوئیں تو دونوں گھبرا کر کھڑی ہوئیں۔

”امی بیٹھیں نا..... کچھ ٹھنڈا گرم لاتے  
ہیں.....“ تائی امی نے نخوت سے ناک چڑھائی۔

”نہیں بھئی..... میرے بہت سارے کام  
ادھورے ہیں میں نے وہ کرنے ہیں۔“

”ایسے کون سے کام ہیں جو ادھورے ہیں.....  
ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“

سیڑھیاں اترتی حیا کے پوچھنے پر راحیلہ نے  
سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ سبز رنگ کے سوٹ میں  
ملبوس حیا بالوں کو ہاتھوں سے خشک کرتی سیڑھیاں  
اتری اور پھر راحیلہ کے سامنے سر جھکا یا..... اس ہلکا  
سا ہاتھ سر پر رکھا۔

حیا پلاسٹک کی کرسی گھسیٹ کر ان کے سامنے  
بیٹھ گئی۔ بال پیچھے کرسی کی بیک پر ڈال دیئے تھے۔

مومنہ نے جلدی سے کچن کا رخ کیا۔  
”بس ہیں..... بہت سارے کام..... میں تو

آج نوشی کو کہنے آئی تھی کہ..... تیاری کر لے.....  
شادی کی..... یہ نہ ہو عین وقت پر اس کیلئے کوئی

مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔“  
اپنی مغرور نگاہوں سے ارد گرد کا جائزہ لیتی

تائی نے کہا تو حیانے چونک کر ان کو دیکھا۔

ہوئی..... چلتی ہوں میں..... ماں آئے تو اُسے کہنا  
میری طرف چکر لگائے.....“  
کچن سے نکلتی مومنہ نے حیرانگی سے تائی کو  
دیکھا۔ حیانے کرسی سے ٹیک لگالی۔

تائی اب بیرونی چوکھٹ پار کر چکی تھی۔  
”تمہیں شرم تو نہیں آتی..... کتنی بد تمیزی کی  
ہے تم نے ان کے ساتھ..... دیکھا اب وہ ضروری  
کو یہ بات جتلائیں گی اور تمہاری وجہ سے نوشین کی  
ساری اولاد نافرمان کہلائے گی.....“  
مومنہ نے ٹرے چار پائی پر رکھ کر اُسے لتاڑا۔  
وہ ڈھٹائی سے مسکرائی.....  
تو ٹھیک ہے..... جتلا دیں..... مجھے کوئی لگا کر  
بات کرے گا تو اپنے اگلوں پچھلوں کا بھی حساب  
دے گا.....“

کپ اٹھا کر وہ کمرے کا رخ کر گئی جبکہ مومنہ  
گہرا سانس لے کر رہ گئی۔  
وہ دور آسمان پر ڈوبتے سورج کو دیکھ رہی  
تھی..... ساری دنیا کے راز اپنے سینے میں دفن  
کیے..... وہ آگ کا گولہ..... کسی اور دیس کو روشن  
کرنے چل پڑا تھا..... آنسوؤں کے قافلے نے  
دل سے کوچ کیا اور..... پھر لمبی مسافت طے کر کے  
چند لمحوں کیلئے اس کی سبز آنکھوں میں پڑاؤ کا ارادہ  
کیا۔

اک بے تاب آنسو نے دائیں سے بائیں  
مضطرب سا چکر کاٹا..... اور پھر بے دم ہو کر.....

تائی امی نے جانتے بوجھتے اس کے زخموں  
کے کھر نڈ کو اکھاڑنا چاہا..... مگر سامنے حیا تھی جسے  
لاجواب کرنا آتا تھا..... سوسب کچھ بھول بھال کر  
بڑے اعتماد سے بولی۔

”بس امی..... ابا جی کہتے تھے..... میڈیکل  
کی تعلیم مکمل نہیں کر سکتی..... کیونکہ اخراجات  
پورے نہیں ہو سکتے..... میں نے تو کہا تھا.....  
سالار تایا میرے لئے سب بندوبست کر دیں  
گے..... اور تائی امی تو میرے لئے اپنے مگر مجھ جتنے  
جھکے بھی فروخت کر دیں گی مگر..... ابا جی نہیں  
مانے..... پیٹ نہیں کیوں..... مجھے لگتا ہے..... ابا جی  
کو ہمارے پیار سے کوئی جیلیسی فیمل ہوتی ہے.....  
ہے انا امی.....؟“

”حیا زبان چلانے کے علاوہ تمہیں کیا  
آتا ہے؟ راحیلہ نے بیٹھے طنز سے پوچھا.....“  
بہت کچھ آتا ہے..... آپ بس آئیں بہت کم  
ہیں..... اس لئے آپ کو علم نہیں.....“

ویسے اک بات بتائیں..... محافظ بھائی اب  
دوبارہ بی اے کے پیپر ز دیں گے؟  
سنا ہے ان کا لاسٹ چانس بھی مس ہو گیا  
ہے..... اس بار بھی نہیں نکل سکے نا بیچارے انگلش  
میں سے؟ چیچ..... چیچ.....“

انتہائی معصوم تاثرات چہرے پر سجائے اس  
نے سادگی سے پوچھا تھا۔

راحیلہ کی رنگت بدلی اور وہ اٹھ کھڑی

پلکوں کی باڑھ پھلانگ گیا۔

نے یہ خبر سنی ہوگی..... میری بیوہ ماں کی کیا حالت

ہوگی..... جب انہوں نے اپنی آس کو ٹوٹتے دیکھا

ہوگا..... تیری رحمت ہر گھر پر اترتی ہے اللہ.....

اک وہ میرے گھر کا رستہ نہیں جانتی..... تو مجھ پر

نامہربان کیوں ہے اللہ.....؟ کیا مجھے کسی اور اللہ نے

پیدا کیا تھا..... تو میرا بھی تو رب ہے..... کیا میرا تجھ

پہ کوئی حق نہیں.....؟ کیا میں تجھ پہ تھوڑا سا بھی مان

نہیں کر سکتی..... تو میری امید کو توڑ دیتا ہے تو ہر بار

میرے دل کے ہزاروں ٹکڑے کر دیتا ہے..... اور

میں ان ٹکڑوں کو سمیٹتے سمیٹتے..... لہو لہان ہو جاتی

ہوں..... کب تک اللہ..... کب تک..... تو میری

آس و امید کو دکھاتا رہے گا..... کب تک میں اپنے

خوابوں کا تارواں بھرتی رہوں گی.....؟

پہلے بھی کہا تھا..... مجھے تیری حکمتوں کی سمجھ

نہیں آتی..... اب بھی کہوں گی..... مجھے تیری

حکمتوں کی کوئی سمجھ نہیں مولا..... رحم کرم مجھ پر.....

ترس کھا مجھ پر.....“

تڑپ تڑپ کر کہتی..... وہ کوئی..... دیوانی

روح لگ رہی تھی..... شام نے اپنے پر پھیلانے

شروع کر دیئے تھے۔

وہ پیر لمبے کر کے بیٹھ گئی..... آنکھیں بند کئے وہ

کتنی دیر تک بے آواز روتی رہی۔ وہ بہت جلد اللہ

کی حکمتوں سے آگاہی حاصل کرنے والی تھی۔ بس

اسے ادراک ہی نہیں تھا اس بات کا۔

☆.....☆.....☆

اور آنسو کی اس جرات و ہمت کی داد

دیتے..... بے شمار آنسو اپنے باغی سردار کے

پیچھے..... اپنا آپ بے مول کرنے چل نکلے۔

اس نے ہمیشہ کاشی بھائی کو عائشہ آپنی کے شوہر

کے روپ میں دیکھا تھا۔

سالار تایا نے بچپن ہی میں کہہ دیا تھا، عائشہ

میری بہو بنے گی..... اور پھر ہمیشہ جہاں عکاشہ

سالار کا حوالہ دیا جاتا..... وہاں عائشہ ابرار کا نام بھی

ضرور آتا تھا۔

اور پھر جب عائشہ نے شرعی پردہ شروع

کیا..... تو اس نے ذکر میں کمی آنے لگی۔ پتہ نہیں

عکاشہ کے گھر والوں نے کیا سوچا، جبکہ اباجی سمیت

سب کو امید نہیں بلکہ یقین تھا..... عائشہ سالار ہی کی

بہو بنے گی..... اور اب، اسرار تایا کی بیٹی امبر کی

شادی عکاشہ سے ہو رہی تھی.....

حیا بہن بھائیوں اور ماں باپ کے بارے

میں بے حد حساس تھی اور حساس تو ہم میں سے ہر

کوئی ہوتا ہے۔

اس نے دیوار سے ٹیک لگالی.....

”میرے گھر پر اتنی آزمائشیں کیوں اتار

رہا ہے اللہ..... تو ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے

والا ہے..... پھر کیوں اے مالک تو مجھ پر اور

میرے گھر پر..... ستر ماؤں والی شفقت نہیں

فرما رہا..... کیا بیتی ہوگی آپنی عائشہ پر جب انہوں

”اللہ کرے ساری بیوٹیشن کلاس مر جائے۔“

غصے سے نفیسہ نے برش پھینکا اور پھر دھپ، دھپ کرتی سیڑھیاں چڑھ کر کلاس میں چلی گئی۔

”سب سے آگے جنازہ نفیسہ ریاض کا ہو۔۔۔۔۔“

اللہ کرے، پیچھے سے شیزانے ہانک لگائی تھی۔“

”آمین۔۔۔۔۔ ثم آمین“ سب نے باجماعت

بلند آواز سے کہا اور پھر سب کی سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

وہ اس وقت گراؤنڈ میں بیٹھی گملوں کو سرخ اور

سبز پینٹ کر رہی تھیں۔۔۔۔۔

گورنمنٹ ووکیشنل کالج میں میل اسٹاف نہ

ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ سو وہ سب لڑکیاں بہت

ایزی ہو کر گملوں کو پینٹ کر رہی تھیں۔۔۔۔۔ دو چار

لڑکیاں سامنے بنے مصنوعی کنویں کو سفید چونے

میں رنگے میں مصروف تھیں کچھ داخلی دروازے کو

پینٹ کر رہی تھیں۔۔۔۔۔

نفیسہ بے چاری بھی سبز رنگ مانگ رہی تھی کہ

گملے کے اوپر والے سرے پر کر سکے۔۔۔۔۔ مگر وہ جس

کے پاس بھی کھر لینے جاتی وہ دبے اٹھائے بھاگ

جاتی۔

نفیسہ کے کانوں نے شیزا کی بات سنی مگر وہ نظر

انداز کرتی آگے بڑھ گئی۔

قتدیل بالکل بت بنی۔۔۔۔۔ سفید کلیوں کو دیکھ

رہی تھی آج صبح ہی سے وہ خاموش تھی۔ جبکہ ساری

کلاس چپک رہی تھی۔۔۔۔۔

کیونکہ آج صبح ہی میم نے سب کو گملے پینٹ

کرنے پر لگا دیا تھا۔ نہ تو ان کو آج کسی چیز کی

پریکٹس کرنی پڑی تھی اور سب سے سنورنے کی شوقین

خواتین کو سجانا، سنوارنا ہی۔۔۔۔۔ سب سے برا لگتا۔۔۔۔۔

محنت کرنا ان کیلئے کسی سزا سے کم نہیں ہوتا۔۔۔۔۔

اے بلبل تو کس شاخ پہ جا بیٹھا

نہ پھول اپنا نہ شاخ اپنی

تو کس سے دل لگا بیٹھا

شمرہ نے قتدیل کے پاس بیٹھتے۔۔۔۔۔ باقاعدہ

اشاروں سے شاخ اور پھول کی طرف اشارہ کرتے

شعر گنگنا یا تو بت بنی قتدیل کا سکتہ ٹوٹا۔

”شمرہ۔۔۔۔۔ کیا آپ مجھے چند لہجوں کیلئے اکیلا

نہیں چھوڑ سکتی؟ بہت ضبط سے اس نے چباتے

ہوئے پوچھا، شمرہ نے انتہائی سنجیدگی سے نفی میں سر

ہلایا۔۔۔۔۔“

”میری ممانے کہا تھا۔۔۔۔۔ پھولوں کے پاس

بیٹھی لڑکی کو اکیلا مت چھوڑنا۔۔۔۔۔ ورنہ سر توڑ دوں

گی۔۔۔۔۔“

”آ نکھیں جھپکتے اس نے اک کلی کو توڑ کر ناک

کے قریب کیا۔۔۔۔۔“ آہ۔۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔۔“

لمبا ساس اندر کھینچتے اس نے گویا۔۔۔۔۔ کلی کی

تعریف کی تھی۔

”اداس کیوں ہو پیاری۔۔۔۔۔؟ قتدیل خاموش

رہی۔۔۔۔۔“

”جب لڑکیاں۔۔۔۔۔ پھولوں کو اداسی سے دیکھنا



چڑتی ہو۔“

قتدیل یکدم تپ اٹھی۔

”کیا یہ تم لوگ جاہل لڑکیوں کی طرح ہر وقت، شادی، منگیتروں کی باتیں کرتی رہتی ہو..... وقت آنے پر سب کچھ مل جائیگا..... پھر اس بے ہودہ کوئی کا مطلب؟ میرے پاس بیٹھنا ہوتا ہے تو اس طرح کی فضول بکواس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں..... آئی سمجھ، اس نے غصے سے کہا..... مگر شمرہ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ ڈھیٹ بن کر مسکراتی رہی۔

”میرے لئے دعا کیا کرو قندیل.....“ اس نے سورج مکھی کو غور سے دیکھتے آرزوگی سے کہا تھا۔

”کردوں گی..... اب جان چھوڑو.....“ اس نے بیزارگی سے کہا تو شمرہ نے زور کی دھپ رسید کی۔

”کتنی بے مروت اور بدتمیز ہو تم.....؟“

کاش آج حریم فاطمہ چھٹی نہ کرتی.....“ اٹھتے ہوئے بولی تو قندیل طنزیہ مسکرائی۔

”تمہاری داستان عشق سن کر حوصلہ افزائی جو کرتی ہے..... وظیفے بتاتی ہے کہ منگیتروں کو اس طریقے سے قابو کیا جاسکتا ہے، ہے نا.....؟“

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

شروع کر دیں تو پتہ ہے کیا ہوتا ہے؟ شمرہ نے آنکھیں پٹیٹاتے کلی کو مٹھی میں دباتے کہا، اب کی بار قندیل نے سنجیدہ مگر سخت نظروں سے اسے گھورا تو وہ گڑ بڑائی..... تم..... میرا مطلب ہے..... کوئی پریشانی ہو تو ہی لڑکیاں اداس ہوتی ہیں تو..... تمہیں کیا پریشانی ہے؟

قتدیل نے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا..... اور چبا چبا کر بولی۔

”تم اگر دنیا کی آخر لڑکی بھی ہوتی تو..... میں تم سے اپنی پریشانی کبھی نہ کہتی..... تم سے پریشانی شیراز کرنے کے بجائے تو بہتر ہے..... بندہ اس مصنوعی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر مرجائے۔“

شمرہ نے زور سے ہتھکھڑکایا۔ قندیل رخ موڑ کر سورج مکھی کے پودوں کو دیکھنے لگی۔

”مگر..... تم اور حریم فاطمہ..... میرے لئے وہ دو آخری لڑکیاں ہو..... جن سے میں اپنی پریشانی کہہ سکتی ہوں..... اور امید کر سکتی ہوں..... میری پریشانی یا مسئلہ تم بس اپنے تک ہی محدود رکھو گی۔“

گھاس کا تنکا توڑتے..... اس نے اطمینان سے کہا۔ تو قندیل کا رخ اس کی طرف پھیرا۔

”تو اس ملانی کو بھی سناتی رہتی ہو..... تم داستانِ عشق؟“ اس نے چبھتے لہجے میں پوچھا۔

شمرہ نے گردن پھیر کر قندیل کو دیکھا.....

”کیا قندیل مستقبل میں حریم نے تمہاری

سوکھ تو نہیں بننا..... جو تم..... اس قدر حریم سے

# خوفِ خدا



کاش کہ ایسی فکر ہر مسلمان ماں بہن کے دل میں پیدا ہو جائے..... ایک ایمان افروز اور دل سوز واقعہ

سناتا ہوں“..... یہ الفاظ سنتے ہی میں نے بھی اپنے کان کھڑے کر لیے، وہ کہہ رہے تھے:

”ہم سن 2000ء میں ساؤتھ افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کی ایک بڑی جامع مسجد میں جماعت کے ساتھ گئے۔ ہماری سات ماہ کی تشکیل تھی۔ ہمارے امیر صاحب بہت اللہ والے تھے۔ اللہ کا

خوف ان کے رگ و پے میں بھرا ہوا تھا۔ دین کی اشاعت کا جذبہ ان کے دل میں اس قدر موجزن تھا کہ وہ ہر وقت اُمت کے ہر فرد کی اصلاح کی فکر میں لگے رہتے۔ کوئی موقع ہاتھ سے ناجانے دیتے کہ جس سے ایک بھٹکا ہوا انسان راہ راست پر آجائے یا کوئی بھی انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

ایک شام گشت پر نکلی ہوئی ٹولی جس کی قیادت و تکلم کے فرائض امیر صاحب خود نبھا رہے تھے، میں

”بیٹا! اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ جس دل میں اللہ کا خوف آجائے، اس دل کو راہ حق سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ زندگی کی ڈوری بہت کمزور ہے، کب کہاں کس موڑ پر ٹوٹ جائے، کچھ معلوم نہیں، اس لیے اس ڈوری میں اللہ کے خوف کا دھاگہ شامل کر لو گے تو اس کے ٹوٹنے کا دکھ نہیں ہوگا.....“

مسجد کے صحن میں نورانی چہرے والے صاحب کی آواز کانوں میں پڑی تو میں نے جلدی سے اپنی نماز پوری کی اور ان کی باتوں کی چاشنی میں کھوسا گیا۔ وہ اپنے پاس بیٹھے ایک نوجوان کو سمجھا رہے تھے اور وہ نوجوان نہایت ہی انہماک کے ساتھ ان کی بات سن رہا تھا۔ نوجوان کو متوجہ پا کر وہ بزرگ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے نہایت ہی نفیس مسکراہٹ کے ساتھ بولے:

”بیٹا! میں تمہیں اللہ کے خوف کا ایک واقعہ



وہی تازگی ہر بار

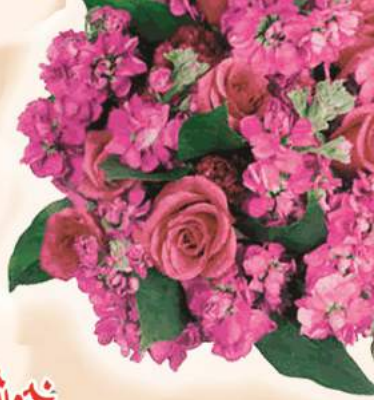


زندگی جو...



وائیٹل پیو





خوشبو جو دل کو بہائے  
تازگی جو ہر کوئی چاہے

خوشبو کی دُنیا کے 8 شگفتہ احساس





**Vanadium Water Company Pakistan**

**MR. FUJI Vanadium Mineral Water for Healthy Life**



**DIABETES?**  
**I'M NOT WORRIED**

**4 glasses/day**

**Vanadium Mineral Water**  
**keeps my**

**SUGAR LEVEL**  
**Under Control**



**100% Natural Mineral Water**  
**Packed at MR. FUJI Japan**



**PROMOTES CHOLESTEROL  
& CONTROLS BLOOD SUGAR**



**LOWERS  
BLOOD PRESSURE**



**CONTROLS OBESITY  
& IMPROVES BODY SHAPE**



**REDUCES  
CHOLESTEROL LEVEL**



**DETOXIFIES  
OUR BODY**



**BEAUTIFUL OXYGENATED  
24-HOUR SWEET TASTINESS**

**KARACHI : 0343 - 2200666, 0300 - 6092000, 0342 - 0024414**

**PUNJAB : 042 - 36883970, 0300 - 9462870**

**ISLAMABAD/RAWALPINDI/KPK : 0335 - 0600111, 0333 - 9915074**

● info@vwcpsk.com ● www.vwcpsk.com ● VanadiumWater ● Vanadium Water Company Pakistan



کچھ چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہے۔ اس دوران انہوں نے اپنے گھر والوں سے دوری اختیار کئے رکھی، اور کسی کو کچھ نہیں بتایا، نہ کسی سے رابطہ کیا۔ اس دوران ہم نے انہیں دین کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سکھا دیا تھا۔ ہمارا وقت مکمل ہوا تو ہم نے انہیں ایک مسلمان فیملی کے سپرد کیا اور پاکستان آ گئے۔ البتہ امیر صاحب کا نمبران کے پاس تھا کہ کسی بھی الجھن پریشانی میں وہ ان سے رابطہ کر سکیں۔

ایک سال بعد امیر صاحب کے پاس اس خاتون کا فون آیا، تو وہ بہت رو رہی تھی اور پوچھ رہی تھی کہ آج دورانِ سفر بس میں ہاتھ کا دستانہ کھلنے کی وجہ سے غیر محرم کی نظر میرے ہاتھ پر پڑ گئی ہے، کیا میری بخشش ہو جائے گی؟ (اللہ اکبر!) امیر صاحب نے انہیں تسلی دی اور اطمینان دلایا۔ فون بند کر کے امیر صاحب خوب روئے اور فرمانے لگے کہ وہ عورت جو نائٹ کلب میں غیر محرموں کے ساتھ فحش ماحول میں رہ رہی تھی، آج اس کے دل میں اللہ کے خوف کا یہ عالم کہ ہاتھ کا کچھ حصہ کھلنے پر بخشش ہونے نہ ہونے کا ڈر پیدا ہو گیا، یہ قربت الہی کی دلیل ہے۔“

میں نورانی چہرے والے ان صاحب کی بات سن کر مسجد کے صحن میں بیٹھا ضرور تھا، مگر کھڑا اپنے گناہوں سے لت پت آئینے کے سامنے تھا اور اپنے دل میں خوفِ خدا کا کوئی ذرہ تلاش کرنے میں مصروف تھا۔

☆.....☆.....☆

بھی اس میں شامل تھا۔ ہم ایک نائٹ کلب کے پاس سے گزر رہے تھے، تو امیر صاحب نے نائٹ کلب میں جانے اور وہاں موجود لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کچھ دوستوں نے اس بے حیائی و بے شرمی کے گندے جو ہڑ میں جانے سے منع کیا، مگر امیر صاحب ہمیں لے کر اندر چلے گئے اور تاکید کی کہ اپنی نظریں نیچی رکھنا، استغفار پڑھتے رہنا، اللہ سے مدد طلب کرتے رہنا اور کسی بھی ناخوش گوار عمل کی صورت میں کوئی رد عمل ظاہر مت کرنا..... نائٹ کلب میں رش معمول سے بہت کم تھا، چند ایک گاہک اور کلب کا عملہ موجود تھا۔ امیر صاحب نے کلب کے میوزیشن (ڈرم بجانے والا) کو تنہا پا کر دعوت دینا شروع کی۔ اللہ نے مدد کی اور اس نے کسی قسم کے رد عمل کی بجائی ہماری بات کو نہایت ہی سکون اور اعتماد کے ساتھ سنا۔ وہ ہم پر بہت حیران ہو رہا تھا، اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ بات ختم ہوئی تو اس کی بیوی جو چھپ کر امیر صاحب کی باتیں سن رہی تھی، آگے بڑھی اور فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی، وہ اپنے شوہر کو بھی کلمہ پڑھا کر مسجد ہمارے ساتھ لے آئی۔ ہم سب کی خوشی کی انتہا نہیں تھی کہ ہم اس گروپ کا حصہ تھے جس کی محنت سے کسی کی زندگی میں اسلام کی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔

ہم نے اپنے اس نئے مسلمان بھائی بہن کی خدمت میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی تھی۔ خاتون کو مستورات کے پاس بھیج دیا گیا۔ سات ماہ وہ سب

# شک کی راہ

امامہ عبداللہ مکیکن۔ سرگودھا

ایک ایسی لڑکی کی داستان، جس نے گھر والوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور  
اپنے لیے شکوک کی راہیں کھول دیں.....

ناکمل ہے تو اسے جلد از جلد مکمل کرنا چاہتی ہوں،  
سو چا جلدی نکل جائیں گے۔

تو تمہیں مجھے پہلے بتادینا چاہیے تھا تاکہ میں  
تیار ہو جاتی۔

مجھے خیال نہیں رہا۔ چلو اب تیاری کرو جلدی  
سے۔ میں بیٹھی ہوں۔

لیکن!

لیکن ویکن کچھ نہیں بس چلو پلیز میری مجبوری  
ہے۔ نمبرہ نے التجائیہ انداز میں کہا تو وہ کمرے سے  
باہر نکل گئی اور پانچ منٹ ہی بعد پلٹ آئی۔

چلو نمبرہ! ثمنیہ نے نقاب کی پن لگاتے ہوئے  
کہا۔

اور نمبرہ بھی چادر سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی  
ہوئی۔

ثمنیہ بیٹا!!

جی امی!

ثمنیہ نے کمرے سے جوابی ہانک لگائی۔

بیٹا نمبرہ آئی ہے۔

ثمنیہ!! لیکن اتنی جلدی؟ اس نے گھڑی کی

جانب نظر دوڑاتے ہوئے سوچا۔

السلام علیکم ثمنیہ!

وعلیکم السلام..... کیسی ہو؟

ٹھیک تم سناؤ! کیا کر رہی تھی؟

کچھ نہیں کھانا بننے کے انتظار میں ہوں۔ ثمنیہ

مسکرائی۔

اوہ اچھا!! میں تو اکیڈمی نکلنے کا سوچ رہی تھی۔

لیکن ابھی تو ٹائم ہے نمبرہ!

ٹائم تو ہے لیکن مجھے کچھ کام تھا۔ میری ایک کاپی

ہوئی۔



اللہ حافظ! امی جان! ثنیہ نے کچن میں جھانکتے ہوئے کہا

بیٹا کھانا تو کھالو۔

نہیں امی جان واپسی پر کھالوں گی، نمرہ کو دیر ہو رہی ہے۔

اچھا چلو بیٹا جیسے آپ کو آسانی ہو۔ فی امان اللہ! نمرہ اور ثنیہ محلہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کالج میں ایک ہی کلاس کی طالبات تھیں اور اکیڈمی بھی ایک تھی۔ اکیڈمی چونکہ زیادہ دور نہیں تھی اس لئے وہ مل کر چلی جاتیں اور پھر کٹھی ہی لوٹتیں۔

مین سڑک پر پہنچتے ہی نمرہ نے اسے دوسری جانب مڑنے کو کہا۔

لیکن کیوں؟ اکیڈمی تو اس طرف ہے۔ ثنیہ کے لہجے سے تشویش ٹپک رہی تھی۔

ہاں ایک چھوٹا سا کام ہے، آؤ نا۔ نمرہ نے اس کی کلائی کھینچی۔

کہاں کام ہے؟

وہ مجھے نا یہاں قریب ہی ایک دوست کے پاس جانا ہے ابھی ٹائم ہے نا! اتنے میں ہم لوٹ آئیں گے۔

کک..... کیا؟ لیکن تمہیں تو اکیڈمی میں کام مکمل کرنا تھا۔

نہیں یار وہ تو میں نے ویسے کہا تھا کہ کہیں تمہاری امی جانے سے روک نہ دیں۔

تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ صاف بات

کرنی چاہیے تھی، اب میرے گھر والوں کو بھی نہیں معلوم۔ ثنیہ نے اسے خفگی سے گھورا۔

تو کیا ہوا؟ وہ کون سا تمہارا تعاقب کرنے نکلیں گے؟ انہیں پتہ ہے اکیڈمی ہی گئے ہیں۔ ویسے بھی ہم کونسا روز روز ایسے کرتی ہیں صرف آج ہی ایسا ہونا۔

لیکن پھر بھی بُری بات ہے۔ گھر والوں کو کچھ بتانا اور جانا کہیں اور، اس سے ان کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔

اچھا اچھا بھئی بس کرو..... میں انہیں واپسی پر بتا دوں گی۔ ابھی خاموش ہو جاؤ۔

نمرہ کے جھنجھلانے پر ثنیہ بھی خاموش ہو گئی۔

جب تک وہ سہیلی کے دروازے تک پہنچ چکی تھیں، اطلاعی گھنٹی بجتے ہی اس کی سہیلی دروازہ کھول چکی تھی۔ گویا وہ اسی انتظار میں تھی۔ ثنیہ کو مکمل یقین ہو گیا کہ وہ پہلے سے پروگرام بنا کر یہاں آئی تھی۔ لیکن یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ شاید کوئی کام ہو۔ مگر آدھا پونا گھنٹا وہ بے مقصد گفتگو کرتی رہیں، اور پھر ثنیہ کے دسویں ٹہوکے پر اُٹھ ہی کھڑی ہوئی۔

اچھا اللہ حافظ! اب ہم چلتے ہیں پھر ملاقات ہوگی۔

اللہ حافظ!

آخر وہ اکیڈمی پہنچ ہی چکی تھیں لیکن کافی دیر سے۔ اسی وجہ سے ان کا کام بھی مکمل نہ ہو سکا لیکن

سوائے خاموشی کے کچھ نہ تھا۔

یار بس زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ۔ اس نے  
الٹجاکے۔

بالکل نہیں جاؤں گی نمرہ کیونکہ ہمیں گھر والوں  
سے خیانت نہیں کرنی۔

ارے اس میں خیانت کی کیا بات! انہیں  
کونسا معلوم ہے؟

یہی تو خیانت ہے میری بہن کہ ہم بتا کر  
تو اکیڈمی کا آتے ہیں اور خاک سارے جہاں کی  
چھانتی پھریں، تو خیانت ہی ہوئی نا۔  
کچھ نہیں ہوتا اتنی سی بات سے پلیر!

بہت کچھ ہوتا ہے نمرہ، اس طرح گھر والوں  
کا اعتماد ٹوٹ جاتا ہے اور پھر جب اعتماد ٹوٹ جائے  
تو بہت خطرناک انجام ہوتا ہے۔

لیکن ثنیہ! انہوں نے ہمیں منع تو نہیں کیا نا!  
اجازت بھی تو نہیں دی نا! اور عورت کا بغیر  
اجازت گھر سے نکلنا جائز ہی نہیں ہے، پلیر تم میری  
بات مان لو ایسا نہ کرو، جب کوئی کام ہو ان سے  
اجازت لے کر چلی جایا کرو جب وہ منع نہیں کرتے  
تو ایسا کام کیوں کیا جائے جو غلط ہو.....

بس بس! اپنا فلسفہ مت جھاڑو، نہیں چلنا تو نہ  
سہی..... میں خود کسی کے ساتھ چلی جاؤں گی، تم  
اپنا انتظام کر لینا گھر جانے کے لئے۔

نمرہ منہ بناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ ثنیہ  
افسوس کرتی رہ گئی۔

نمرہ تو بیگ اٹھائے جا چکی تھی جبکہ ثنیہ حیران و

اس کے بعد نمرہ جاتی تو وقت پر ہی تھی لیکن

واپسی پر اسے کوئی نہ کوئی کام یاد آ جاتا جسے نمٹانے کی  
خطرہ انہیں دس پندرہ منٹ ضرور دیر ہو جاتی۔ چونکہ  
وہ گھومنے پھرنے کی دلداد تھی لہذا وہ کوئی نہ کام  
ضرور ہی نکال لیتی اور کچھ نہیں تو کبھی رستہ بدلنے  
پر ہی بضد اصرار شروع کر دیتی۔ ثنیہ نے کئی بار  
سمجھا یا لیکن وہ ہنس کر ٹال جاتی۔ ثنیہ کے پاس اور  
کوئی چارہ نہ تھا اور نہ ہی نمرہ کے پاس کوئی ایسا جواز  
تھا جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ  
دیتیں۔ ثنیہ کا ایک ہی بھائی تھا جو اس سے بھی چھوٹا  
تھا۔ اس کے لیے اکیلے واپس جانا ممکن نہ تھا، جبکہ  
نمرہ کو تو مسئلہ نہیں تھا کیونکہ اگر وہ کسی اور کے ساتھ  
آتی تو پھر اسے سیدھا ہی واپس آنا جانا پڑتا۔

اس روز وہ اکیڈمی ٹائم سے پانچ منٹ پہلے ہی  
فارغ ہوئیں تھیں کہ نمرہ کو نیا کام سوجھ گیا۔

ہیلو ثنیہ! نمرہ نے اسے پکارا۔  
ہوں۔ اس نے کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

کیا کر رہی ہو؟  
جانے کی تیاری.....  
اچھا ایک کام تھا؟  
کیا؟

آج نا مجھے ایک دوست سے ضروری کام ہے  
اس لئے میرے ساتھ چلو گی نا!!

نہیں ہرگز نہیں۔ ثنیہ نے دو ٹوک جواب دیا۔

پریشان تھی کہ کس کے ساتھ جائے۔ تبھی اس کے ذہن میں ایک خیال کو ندا اور اس نے ایک دس سالہ بچے کو روکا جو اسی اکیڈمی کا تھا۔

بچے بات سنو!

جی آپنی!

آپ کا گھر کدھر ہے؟

وہ مین سڑک کے بالکل ساتھ..... کیوں؟

آپ میرا ایک کام کرو گے؟

کیا کام؟

مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ تو کیا آپ مجھے مین سڑک کے پیچھے والی گلی تک چھوڑ آؤ گے۔ اس کی آنکھوں میں امید چمکی۔

جی..... آجائیں۔ بچے کا جواب ملتے ہی اس نے جلدی سے کندھے پر بیگ ڈالا اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ بچہ بھی کافی سلیجھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ جسے ساتھ چلنے کے آداب شاید معلوم تھے۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ جب وہ عین دروازے پر پہنچ چکی تو شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے رخصت کیا اور خود اندر بڑھ گئی۔

وہ لاؤنج میں اپنی امی کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مگن تھی کہ امی کا موبائل بجا۔ اسکرین پر نمبرہ کے گھر کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید نمبرہ موبائل ثنیہ کے جانب بڑھا دیا۔

وہ لاؤنج میں اپنی امی کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مگن تھی کہ امی کا موبائل بجا۔ اسکرین پر نمبرہ کے گھر کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید نمبرہ موبائل ثنیہ کے جانب بڑھا دیا۔

وہ لاؤنج میں اپنی امی کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مگن تھی کہ امی کا موبائل بجا۔ اسکرین پر نمبرہ کے گھر کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید نمبرہ موبائل ثنیہ کے جانب بڑھا دیا۔

وہ لاؤنج میں اپنی امی کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مگن تھی کہ امی کا موبائل بجا۔ اسکرین پر نمبرہ کے گھر کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید نمبرہ موبائل ثنیہ کے جانب بڑھا دیا۔

کیسی ہو بیٹا؟..... اکیڈمی نہیں گئی آپ؟ جی آئی گئی تھی لیکن آچکی ہوں۔ ثنیہ ٹھٹھی۔

اچھا!! تو نمبرہ کہاں ہے؟؟

نمبرہ!! وہ تو آگئی تھی ٹائم پر ہی۔

بیٹا ایک گھنٹہ گزر چکا ہے اکیڈمی آف ہوئے۔

ادھر پہنچا تو تالا لگ چکا تھا۔ میں نے سوچا تمہاری طرف ہوگی۔

ان کی آواز سے دکھ اور تشویش نمایاں تھی۔

کیا تم اس کے ساتھ نہیں آئی؟

نہیں آئی اس نے کہا تھا تم کسی کے ساتھ چلی جاؤ مجھے کچھ کام ہے۔ ثنیہ نے ڈرتے ڈرتے جملہ پورا کیا۔

اللہ خیر!! کہاں گئی۔

یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ نمبرہ کی امی کے پاس جتنے نمبر تھے ان سب پر وہ رابطہ کر چکی تھیں لیکن ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ اتفاق سے اس دن اس کے بھائی بھی جلدی گھر آچکے تھے۔ ان کا غصہ بھی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ جبکہ نمبرہ اپنی ایک نئی سہیلی کے گھر موجود تھی، اس نے جلدی لوٹنا چاہا لیکن اس کے اصرار پر یہ سوچ کر رک گئی کہ بھائی تو گھر ہیں نہیں۔ امی کو کچھ نہ کچھ کہہ کر منالوں گی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اسے تو تلاش کیا جا رہا تھا۔ آج ایک دفعہ آئے تو سہی..... بڑے بھائی مٹھیاں جھنجھتے ہوئے چلائے۔

بیٹا دعا کرو وہ خیریت سے ہو۔ امی نے سمجھنا

بھائی کا جملہ اس پر ہم بن کر گرا اور وہ پھوٹ

پھوٹ کر رودی۔

”امی میں صرف سہیلی کے گھر گئی تھی اور کہیں نہیں آپ میرے ساتھ چل کر پوچھ سکتی ہیں..... آپ لوگ مجھے معاف کر دیں، میری یہ غلطی ضرور ہے کہ میں نے اجازت نہ لے کر آپ کو پریشان کیا ہے۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا مجھے معاف کر دیں۔“

وہ پاؤں میں پڑی معافی مانگ رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے امی کا دل پگھل گیا اور انہوں نے اسے اٹھایا۔

”ٹھیک ہے بیٹا آئندہ ایسا مت کرنا۔ دیکھا کتنا برا انجام ہے اجازت نہ لینے کا۔“  
 ”بھیا آپ بھی معاف کر دیں۔“  
 اس نے ہاتھ جوڑے تو ان کی آنکھوں سے غصہ گم ہو گیا اور آگے بڑھ گئے۔

اس واقعے نے نمرہ کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے تھے۔ جب کچھ سن بھلی تو شنیہ کو کال کر کے اس سے بھی معافی مانگی۔ اس دن کے بعد اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اتنی سی بات کا کس قدر بھیا تک انجام تھا۔ واقعی اب وہ اعتماد کھو چکی تھی اور بھائی کے بغیر ایک قدم بھی باہر نکالنے کی اسے اجازت نہ تھی، چاہے کتنی ہی مجبوری کیوں نہ ہوتی۔ اپنے لئے شک و تشویش کی راہیں تو اس نے خود کھولی تھی۔

☆.....☆.....☆

چاہا۔

خیریت سے ہی ہوگی، اپنی مرضی سے گئی ہے نا! اگر اکیڈمی جاتی ہے تو اسے اتنی اجازت کس نے دی کہ وہ گھومتی پھرے۔

نہیں معلوم کہاں ہے؟ چھوٹا بھائی جو بانیک دوڑا دوڑا کر آیا تھا آہستگی سے بولا۔

ثنیہ بھی پریشان تھی اور ساتھ ہی ساتھ دعا کر رہی تھی کہ یا اللہ! خیر سے آجائے۔

آن کی آن میں محلے میں خبر پھیل گئی، ہر شخص اپنی جگہ تجھے لگانے میں مصروف تھا۔ جبکہ گھروالوں کے علیحدہ سر جھک چکے تھے۔ تبھی ایک رکشہ ان کے دروازے کے سامنے رکا۔ نمرہ کی اترتے ہی نظر بھائی پر پڑی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے گم ہو گئے۔ وہ مختلف تانے بانے بنتی گھر کی دہلیز عبور کرنے لگی جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا ایک زناٹے دار تھپڑ اسے قوت سماعت سے مخروم کرتا چلا گیا۔

کہاں تھی تم؟؟

وہ..... وہ..... اس کی زبان نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

تمہاری اتنی جرات کیسے ہو گئی کہ تم جہاں مرضی سیر کرتی پھرو، ہم نے کہاں کہاں نہیں پتہ کیا..... اور کہیں سے تمہارا سراغ نہ مل سکا۔ امی بھائی برس رہے تھے اور وہ گنگ کھڑی تھی۔

ہماری عزتوں کو داغ لگانا چاہتی ہے.....

## صراطِ مستقیم



قسط نمبر: (۶)

صابیوس قریشی

”پچھلی پانچ اقساط کا خلاصہ“

”صفوان، علوہ، فضہ اور بطانہ چاروں بہن بھائی ہیں۔ ان کے والد حیالی ان کے بچپن میں ہی ایک ایک قتل کے کیس میں جیل چلے گئے تھے۔ اسے میں عاتکہ بیگم نے تنہا جان توڑ محنت کر کے اپنے بچوں کو نہ صرف تعلیم دلوائی بلکہ ان کی دینی خطوط پر تربیت بھی کی..... صفوان کو انہوں نے خاص طور پر عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم سے بھی آراستہ کیا تھا۔ صفوان حافظ بھی ہے عالم بھی اور فی الوقت وہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے..... اور روزانہ شام کو اپنے گھر میں درس دیتا ہے۔ یونیورسٹی میں صفوان کا تقریباً دس بارہ لڑکوں پر مشتمل گروپ ہے، یہ سب آپس میں گہرے دوست ہیں۔ ان سب کا لیڈر صفوان ہے۔

میم سندس ملک کی جانی مالی شخصیت میں جو بیک وقت کئی کارہائے سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کی پاکستان میں ایک بہت بڑی بوتیک ہے جس میں انہوں نے فضہ حیات کو بغیر کسی رشوت کے جاب دی ہے اور بے انتہا مراعات مہیا کی ہیں.....

راج ایک ہندو بے مکروہ اپنے اندر کسی برحق ہستی کی جستجو محسوس کرتا ہے اور وہ اس تلاش میں نکل کھڑا ہوا ہے۔ اس تلاش کے راستے میں صفوان نے اس کا ہاتھ تھاما اور اس کو راہ حق دکھانے کیلئے پُر جوش ہے اور اس کا رخیہ کیلئے صفوان نے راج کو مولانا سلطی احمد سے متعارف کروایا ہے۔

جیوب یہود کا ایک ایجنٹ ہے جو پاکستان محض اس مقصد سے آیا ہے کہ دینی مدارس میں ایسی کون سی تعلیمات دی جاتی ہیں کہ ہر مسلمان اپنے دین، اپنے رب، اور اپنے نبی کیلئے مرنے تک کو تیار ہے۔ جیوب کو یہود کی کیونٹی نے پورے تحفظات کے ساتھ بھیجا ہے..... جس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

شانزے اور کبشہ بچپن سے ہم جماعت رہی ہیں، کبشہ کا گھرانہ بہت سلجھا ہوا اور دینی خطوط پر استوار ہے..... شانزے نے ایک عیسائی گھرانے میں آنکھ کھولی ہے۔ کبشہ کی شدید خواہش ہے کہ اس کی بچپن کی سہیلی آخرت میں بھی اس کے ساتھ رہے لہذا وہ اس کیلئے خاصی پُر جوش ہے کہ وہ خود حقائق کا موازنہ کر کے حق کو قبول کر لے اس کیلئے کبشہ نے شانزے کو ایک مختصر ترجمہ تفسیر کی کتاب بھی گفٹ دی ہے۔

اب آگے پڑھیے.....

میں ہاتھ میں ایک انتہائی خوبصورت گلاب کی کلی پکڑے ہوئے سر جھکا کر عویمیر آیا تھا..... اور قاسم کے سامنے کلی بڑھاتے ہوئے خاصی شرمندگی سے بولا تھا۔ سب کے لبوں پر مدہم مدہم مسکان نے بسیرا کر لیا تھا۔

”یار! ہم تو بھائی ہیں معافی مانگ کر شرمندہ نہ کر..... بس آئندہ خیال رکھنا.....“ قاسم نے نرمی سے کہتے ہوئے کلی پکڑی تھی۔

”نہیں قاسم! میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا اور سب سے بڑا گناہ کسی مومن کا دل دکھانا ہے..... تو کہہ دے کہ تو نے مجھے اللہ کی رضا کیلئے معاف کر دیا.....“ قاسم نے ذرا جذباتی سا ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ پیچھے سے شہیر نے انگوٹھے سے ”اوکے“ کا اشارہ کیا تھا۔

”عویمیر! میں نے آپ کو اللہ کی رضا کیلئے معاف کر دیا ہے۔“ قاسم نے اس کی تسلی کیلئے ٹھہر ٹھہر کر نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ پھر قاسم نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس کو گلے سے لگایا تھا۔

”بس کرو یار!“ مدلاج نے شریر لہجے میں چھیڑا۔ ”ہاں یار! اب کیا لڑکیوں کی طرح ایموشنل (Emotional) ہو رہے ہو تم دونوں۔“ مدلاج نے تہقہہ لگایا تھا۔

”اوں ہوں!! بات کو اچھے طریقے سے ختم ہو جانے دو..... اچھی بات ہے دل صاف ہو جائیں گے۔ وگرنہ دل میں بات رہ گئی تو پہلے کی طرح پیار و محبت سے نہیں رہ سکیں گے ہم۔“ صفوان نے ان کو ٹوکا

آج خیر تھی قاسم؟ تیرا ٹیسٹ تو کبھی بھی ایسا نہیں ہوا؟ کلاس سے نکلتے ہوئے سلطان نے حیرت سے پوچھا تھا۔

بس یار! ہوم ٹیوٹن جو ان کی ہیں تو..... رات کو تھک جاتا ہوں۔ کوشش کر رہا ہوں روٹین سیٹ کرنے کی..... قاسم کا لہجہ خاصا تھکا تھکا سا تھا۔

”مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ قاسم کا ٹیسٹ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔“ یہ مدلاج تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ان کے ساتھ مل ہی گیا تھا۔

”بس یار! زندگی میں اتنا چڑھاؤ تو آتے رہتے ہیں۔“ شہیر کی آواز تھی۔

”قاسم! ماں بہت یاد کر رہی ہیں تجھے..... آج یونیورسٹی سے میرے ساتھ چل.....“ شہیر نے کسی کو بھی بولنے کا موقع دیئے بغیر کہا تھا۔

”یار! آج تو نہیں..... پھوپھو کو کہنا پھر کسی دن چکر لگا لوں گا۔“ قاسم نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تھا۔

”چلا جا قاسم! کتنے دن سے پیغام آرہے ہیں۔“ صفوان کا انداز اگرچہ نرمی لئے ہوئے تھا مگر تحکمانہ لہجہ تھا۔ کچھ تھا ایسا صفوان کے انداز میں، لہجے میں کہ سب کو ماننا ہی پڑتی تھی اس کی بات۔

”ٹھیک ہے یار چلیں گے،“ قاسم نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

”قاسم! آئی ایم سوری یار! بس اللہ کی رضا کیلئے مجھے معاف کر دے.....“ وہ سب یونیورسٹی کے لان میں حسب معمول اکٹھے ہو چکے تھے۔ سب سے آخر

تھا۔

ہی لیا تھا۔

انتہائی سنجیدگی سے کہہ کر وہ مونگ پھلی چھیلنے لگا اور باقی سب اب کی بار اپنے ایلٹے قمقمے پر قابو نہ رکھ سکے تھے۔ حاطب بس اس کو گھور کر رہ گیا..... مگر سلطان کا طمینان دیدنی تھا۔

☆.....☆.....☆

”أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْأَهْلَىٰ فَمَا رَمَحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ“

ترجمہ: ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے۔ لہذا نہ ان کی تجارت میں نفع ہوا، اور نہ انہیں صحیح راستہ نصیب ہوا۔“

”مطلب یہ کہ ان منافقین کو تجارت کا سلیقہ بھی نہ ہوا کہ ہدایت جیسی چیز چھوڑ دی اور گمراہی جیسی بُری چیز خرید لی ہے۔ منافقین اکثر چونکہ کاروباری اور تجارتی لوگ تھے اس لئے ان کو تجارت کی تمثیل سے سمجھایا گیا کہ ان کو تجارت اور سوداگری کا بھی سلیقہ نہ آیا۔“

شانزے اپنے کمرے میں بستر میں آسان ترجمہ قرآن اور اپنی کچھ نصاب کی کتابی لے کر بیٹھی تھی۔

”مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يُبْصَرُونَ“

ترجمہ: ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک آگ روشن کی، پھر جب اس آگ نے اس

”کیا ہو رہا ہے گانزا؟“ حاطب اور حسن بھی آن دھمکے تھے۔

”تمہیں ہی یاد کر رہے تھے۔“ سلطان کی زبان میں کھلی ہوئی تھی۔

”تبیخ تو نظر نہیں آرہی۔“ سامنے بھی حاطب تھا۔

”تو تیرا کیا خیال ہے کہ میں تبیخ پکڑ کر، حاطب۔ حاطب۔ حاطب۔ پڑھوں؟“ سلطان بھڑک سا گیا۔ باقی سب اپنی ہنسی روک رہے تھے۔ ہاں ظاہری بات ہے۔ جب یاد کر رہا ہے تو تبیخ تو پڑھنی پڑے گی ناں۔“ حاطب نے تسلی سے بیٹھتے ہوئے کمال بے نیازی سے کہا تھا۔

”تجھے شرم نہیں آتی۔ اس طرح صرف اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ تیرا ضمیر مر گیا ہے۔“ سلطان مکس کر رہ گیا تھا۔

”انا لله وانا اليه راجعون.....“ ویسے بڑا دکھ ہوا..... ضمیر کے مرنے کا..... حاطب نے مونگ پھلی منہ میں ڈالتے ہوئے دکھ کا مظاہرہ کیا تھا۔

”یہ عجیب سی اسمیل کہاں سے آرہی ہے؟“ حسن نے ناک کو مخصوص انداز میں سکڑتے ہوئے پوچھا۔

”کہیں سے نہیں آرہی..... بس اس کا ضمیر مر گیا تھا نا..... یہ اس کی ہی بدبو ہے..... سلطان نے حاطب کے ہاتھ سے مونگ پھلی کا پیکٹ تقریباً کھینچ

اندھوں کی طرح دیکھ بھال نہیں سکتا تو جس طرح یہ شخص روشنی کے باوجود اندھیرے میں رہ گیا، اسی طرح منافقین نورِ حق واضح ہونے کے باوجود ظلمتِ ضلالت میں جا پھنسے ہیں۔ جس طرح اس روشنی سے ماحول کی چیزیں صاف نظر آنے لگتی ہیں اسی طرح اسلام کے دلائل سے حقیقت اُن پر واضح ہو گئی..... لیکن پھر ان کی ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی ان سے سلب کر لی اور وہ (حق) دیکھنے کی قوت سے محروم ہو گئے۔

”صَحْمٌ مُّبْكِمٌ عَمِّي فَهْمُهُ لَا يَزِجُوعُونَ“

ترجمہ: وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، چنانچہ اب وہ واپس نہیں آئیں گے۔  
”مطلب یہ کہ جہالت و ضلالت میں پھنس کر اُن کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ گویا بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں اُن کے کان حق بات سننے کے قابل نہ رہے اور زبان ان کی حق بات کہنے کے لائق نہ رہی اور آنکھیں حق دیکھنے کے کام کی نہ ہیں تو ایسی حالت میں ان کے حق کی طرف رجوع ہونے کی کیا اُمید ہے۔“

ایک تسلسل سے پڑھتے پڑھتے شانزے ٹھٹھک کر ٹھہر گئی.....

”کتنی گہری مثال ہے“ وہ سوچ کر رہ گئی۔

”اگر مسلمانوں کا دین ہی حق ہے جس کے بارے میں خداوند نے یہ مثال دی ہے کہ یہ دین ارد گرد کو روشن کر دیتا ہے تو پھر ہمارا مذہب؟“ اس نے سر پیچھے کر کے بیڑا اُون پر نکالا تھا.....

کے ماحول (ارد گرد) کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔

”مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے زمانے میں منافقین دو قسم کے تھے۔“

”ایک تو وہ جو دل سے پکے اسلام کے دشمن تھے اور دل کھول کر کفر اختیار کئے ہوئے تھے، مگر بظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہونے اور مسلمانوں کے ہمدرد و رفیق ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔“

”دوسری قسم کے وہ منافقین تھے جو طبیعت کے کمزور اور دل کے کچے تھے اور اسلام کے حق ہونے میں کبھی کبھی تردد ہوتا تھا اور کبھی اسلام کی خوبیاں دیکھ کر کچھ کچھ ادھر میلان ہونے لگتا تھا۔ مگر جب اغراض نفسانی کا غلبہ ہوتا اور ذاتی ذُیوٰی مفاد پیشِ نظر ہوتا تو پھر انکار کرتے۔ نیز جب اسلام کے احکام کی ذمہ داریاں اور حلال و حرام کی باتیں سامنے آتیں تو اپنی خود غرضی کی وجہ سے رُک جاتے۔“

”اس آیت مبارکہ میں پہلی قسم کے منافقین کی مثال دی جا رہی ہے۔“

”ان منافقین کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے سخت اندھیری رات میں کہیں آگ جلائی ہو اور اس آگ کی روشنی سے ارد گرد کی تمام چیزیں روشن ہو گئیں اور وہ اس قابل ہو گیا ہو کہ ارد گرد میں نفع و نقصان کی چیزوں میں فرق کر سکے مگر اچانک اس کی آنکھ کی روشنی اللہ تعالیٰ نے چھین لی ہو کہ اب اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ روشنی کے باوجود



”أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ  
وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي  
أَذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ  
وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ“

ترجمہ: یا پھر (ان منافقوں کی مثال ایسی ہے) جیسے آسمان سے برسی ایک بارش ہو، جس میں اندھیریاں بھی ہوں، اور گرج بھی اور چمک بھی۔ وہ کڑکوں کی آواز پر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیتے ہیں اور اللہ نے کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

کافی دیر جب اس کے اندر گہرا سناٹا چھایا رہا تو اس نے کالی ملائم جلد کو کھول لیا تھا۔

”پچھلی آیت میں منافقین کی پہلی قسم کے بارے میں مثال سے سمجھایا گیا اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی مشعل جلائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دین اسلام کو روشن کیا، تو مخلوق کو اس روشنی میں منزل مقصود کا راستہ معلوم ہو گیا لیکن منافق اندھے بن گئے اور جب آنکھ میں روشنی اور نور ہی نہیں تو مشعل کی روشنی سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اب اس آیت مبارکہ میں منافقین کی دوسری قسم کے بارے میں مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے.....“

پرہیزگار سے ہٹ کر حاشیے میں پینسل سے لکھی عبارت کو شانزے نے قریب کر کے پڑھا تھا۔

”کتنی باریکی سے پڑھتے ہیں مسلمان اپنی کتاب؟“ ایک اور سوچ غالب ہوئی تھی۔ مگر اس نے فی الحال اپنی توجہ آیت کی تفصیل پر لگائی تھی.....“

”جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے تو ہمارا مذہب ”عیسائیت“ بھی اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے..... ہم بھی تو خدا کو تقریباً انہی صفات کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں، جو دوسرے مذاہب میں خدا کیلئے بیان کی جاتیں ہیں.....“

اس کا ذہن لاشعوری طور پر دین اسلام اور عیسائیت کے تانے بانے ملانے لگا تھا۔

”عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک زندہ جاوید وجود ہے، جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے۔ اُسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا، اس لئے اُس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے، کہ وہ فی نفسہ کیا ہے؟ ہمیں معلوم نہیں۔ صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں۔“

”کبشہ بھی یہی کہتی ہے کہ جو چیز ہمیں اللہ نے ہماری کتاب میں بتادی ہے ہم اس کو ماننے کے مجاز ہیں جو نہیں بتائی اس کے پیچھے پڑنا بے وقوفی ہے۔ پھر کیا فرق ہے؟“

”اور عجیب تو یہ ہے کہ اس کتاب میں اتنی وضاحت کے ساتھ اس کو نہ ماننے کو بہرا، گونگا، اندھا، کہا جا رہا ہے.....“

”اُف“ اس نے بے اختیار سر تھام لیا۔  
”کہیں میں نے اس کتاب کو پڑھنے کا فیصلہ کر کے کوئی غلطی تو نہیں کر دی؟ کتاب کی ملائم جلد پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا تھا۔

چھین لیتا، بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔  
 ”مطلب یہ کہ موت کے خوف سے یہ لوگ  
 کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں مگر بجلی کی حالت یہ  
 ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لے  
 لی اور جہاں بجلی کی چمک اور روشنی ہوئی تو اس کی روشنی  
 میں چلنا شروع کیا اور جب اُن پر تاریکی ہوئی پھر  
 کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

نیز قرآن کریم میں جو دلائل اور حق تھانے والوں  
 کیلئے جنت کے جو وعدے کئے گئے ہیں انہیں بجلی کی  
 روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جب یہ روشنی ان کے  
 سامنے چمکتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں، مگر کچھ دیر میں  
 ان کی خواہشات کی ظلمت ان پر چھا جاتی ہے تو  
 کھڑے رہ جاتے ہیں.....“

تو یہاں مثال سے یہ سمجھایا گیا کہ جس طرح  
 اندھیری طوفانی بارش میں لوگ کبھی چلنے سے رک  
 جاتے ہیں کبھی موقع پا کر آگے چلنے لگتے ہیں، اسی  
 طرح منافقین تردد میں پڑے ہوئے ہیں کہ کبھی آثارِ  
 غلبہ اسلام میں نور اسلام کی جھلک دیکھ کر ادھر کو بڑھنے  
 لگتے ہیں اور کبھی خود غرضی کی ظلمت میں پڑ کر حق سے  
 رُک جاتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت میں بھی ان  
 منافقین کا یہی حال رہے گا۔ جب کہ لوگوں کو ان کے  
 ایمان کے اندازہ کے مطابق نور ملے گا۔ بعض کو کئی کئی  
 میلوں کا، بعض کو اس سے بھی زیادہ، کسی کو اس سے کم،  
 یہاں تک کہ کسی کو اتنا ملے گا کہ کبھی وہ روشن ہوگا اور کبھی  
 اندھیرا، کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سی دور چل

دوسری قسم کے منافقین جو دل کے کچے تھے۔  
 کبھی اسلام کی خوبی دیکھ کر ادھر میلان ہوتا اور  
 اغراض نفسانی اور ذاتی مفاد پیش نظر ہوتا تو یہ میلان پھر  
 بدل جاتا ہے تو یہاں اسلام کو ایک برستی ہوئی بارش  
 سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کفر و شرک کی خرابیوں  
 کا جو بیان ہے، اسے اندھیروں سے، اور اس میں کفر  
 و شرک پر عذاب کی جو دھمکیاں دی گئی ہیں انہیں گرج  
 سے تشبیہ دی گئی ہے۔

”جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہو اور  
 سخت اندھیری رات ہو اور بادل کی آواز اور بجلی کی  
 چمک بھی ہو تو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ  
 اپنے کانوں میں کڑک (گرج) کے سبب اندیشہ  
 موت سے انگلیوں کو ٹھونس لیتے ہیں۔“

”اپنے دنیاوی ذاتی مفاد کیلئے یہ دین اسلام سے  
 جس طرح بھی بھاگیں مگر اللہ نے ان کو گھیر رکھا ہے  
 بالآخر اللہ کے پاس ہی حاضر ہونا ہے.....“  
 ”يَكَاذِبُ الْبَرُّ يُخْطَفُ أَبْصَارُهُمْ كُلَّمَا  
 أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ  
 عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ  
 بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ  
 شَيْءٍ قَدِيرٌ“

ترجمہ: ”ایسا لگتا ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو  
 اچک لے جائے گی۔ جب بھی بجلی ان کیلئے روشنی  
 کر دیتی ہے تو وہ اُس (روشنی) میں چل پڑتے ہیں اور  
 جب ان پر اندھیرا کر دیتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں  
 اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے سننے اور دیکھنے کی طاقتیں

”مطلب اللہ کو کچھ بھی کرنے کیلئے اپنے ساتھ کسی کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہمارے مذہب میں عقیدہ تثلیث، کیوں پایا جاتا ہے.....“

”پھر ہمارے عقیدہ تثلیث میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جب کہ اب تک جتنا میں نے قرآن پاک پڑھا ہے کہیں بھی خدا کے ایک، دو، باتیں یا کئی خدا ہونے کے بارے میں کوئی بحث ہی نہیں ہے۔ بس ایک ذات اللہ کا ہی ذکر آتا ہے ہر جگہ.....“

اُس نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا تھا۔ ایسے جیسے گتھی ایسی الجھ گئی ہو کہ سرا پکڑنا تو درکنار نظر بھی نہیں آ رہا تھا.....

اُس نے سائیڈ ٹیبل سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیا..... اس کی کیفیت اس وقت ایسی تھی کہ وہ ایک ہی گھونٹ میں پورا گلاس پی گئی..... اور اس کو پتہ نہیں چلا۔ ایک گلاس اور پانی کا بھر کر پی کر اس نے چند گہرے گہرے سانس لئے تھے۔

”عام طور پر عیسائی مذہب کا مسلک یہ ہے کہ ”خدا“ باپ، بیٹے اور روح القدس کے مجموعے کا نام ہے۔“

”عیسائی مذہب میں بچہ بچہ جانتا ہے کہ خدا تین اکا نیم ہیں۔“

”اور ہم یہ حقیقت نہیں چھپا سکتے کہ ان تین اکا نیم کے بارے میں بھی ہمارے مذہب میں خاصا اختلاف ہے، میں تو بس حیران ہوں کہ ان مسلمانوں کی کتاب میں کہیں بھی خدا دو، یا تین جھگڑا نہیں..... بس ایک ہی ذات کی بات ہے ہر جگہ۔“

سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے۔ پھر ذرا سی دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا یہ پورے منافق ہوں گے۔

الغرض منافقین کی یہ دونوں مثالیں بیان فرما کر اخیر میں ان کو دھمکی دی جاتی ہے کہ:

”إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

ان کی خباثتوں اور شرارتوں اور منافقانہ رویہ پر ہر وقت اور حال میں وہ ہلاک و تباہ و برباد کئے جاسکتے ہیں اور ان کے دیکھنے اور سننے کی طاقتیں بھی سلب کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے حق کو چھوڑ کر ان کو مطمئن نہ ہونا چاہیے بلکہ اللہ کی قدرت سے ڈر اور خوف کھانا چاہیے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں سزا دے سکتا ہے۔

اس وقت کے مسلمانوں کو بھی غور کرنا چاہیے کہ خدا نخواستہ ہماری حالت تو کسی درجہ میں منافقین سے مشابہت نہیں رکھتی۔

”اف!“ بے اختیار اس نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

”کیسی کیسی مثالوں سے حقیقت کو سمجھایا جا رہا ہے؟“

”حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہر چیز کیلئے صرف ایک ذات ”اللہ“ کا نام ہے اور اس کے کوئی مددگار ساتھی، کسی کا ذکر نہیں..... آخر میں اللہ کی ذات کی طاقت کو مزید مضبوطی سے بیان کر دیا گیا.....“

## اظہارِ تعزیت

① ماہنامہ حیا کے کمپوزر بھائی محمد عامر حسین کی خالہ محترمہ ایک طویل عرصہ علیل رہنے کے بعد گزشتہ دنوں اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

② ماہنامہ حیا کی بزرگ قاریہ اور لکھاری ”خولہ بنت سلیمان“ کی والدہ محترمہ بھی اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر دارِ بقا کے سفر پر روانہ ہو گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ ماہنامہ حیا ان دونوں حضرات کے غم میں شریک ہے اور بارگاہِ صمدیت میں دعا گو ہے کہ باری تعالیٰ ان دونوں مرحومین کی کامل و مکمل مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، اور لواحقین اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

البحثے ذہن کے ساتھ اس نے لمبے بھر کو آنکھیں بند کی تھیں..... ایک نور کا ہالہ تھا جو اپنے ارد گرد کو مکمل حصار میں لئے ہوئے تھا..... اس حصار کے اندر بس روشنی ہی روشنی تھی اور وہ اس حصار سے باہر تھی..... یکا یک اس نے آنکھیں کھول لیں تھیں۔

”یہ مجھے کیا نظر آنے لگا ہے؟ کچھ دن پہلے بھی اس کتاب کو پڑھتے ہوئے مجھے یہی سفید روشنی نظر آئی تھی.....“

”شانزے!“

”شانزے بیٹا!“ ملکہ بیگم کی آواز قریب آرہی تھی۔ اس نے جلدی سے ایک نصاب کی کتاب کھول لی تھی اور سیاہ ملامت جلد والی کتاب جس پر اب پھولوں والا کور چڑھا ہوا تھا۔ ساری کتابوں کے ساتھ ملا کر رکھ دی تھی۔

”کیا تم ہر وقت پڑھتی رہتی ہو؟ ملکہ بیگم نے محبت بھری حلقی ظاہر کی تھی۔“

”بس ماما! ایگز امز قریب ہیں..... نظریں جھکا کر بہت آہستگی سے اس نے جواب دیا تھا۔“

اچھا آؤ!.....“ ملکہ بیگم نے اس کے گرد پھیلی کتابیں دیکھ کر واپس پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

”تمہیں پتا ہے شانزے! کہ میری بہن یاقوت کتنے سالوں بعد نیکسٹ ویک پاکستان آرہی ہے۔“

شانزے کے ڈانگ ہال میں پہنچتے ہی ملکہ بیگم نے اس کو بتایا تھا۔ وہ خاصی پرجوش تھیں۔

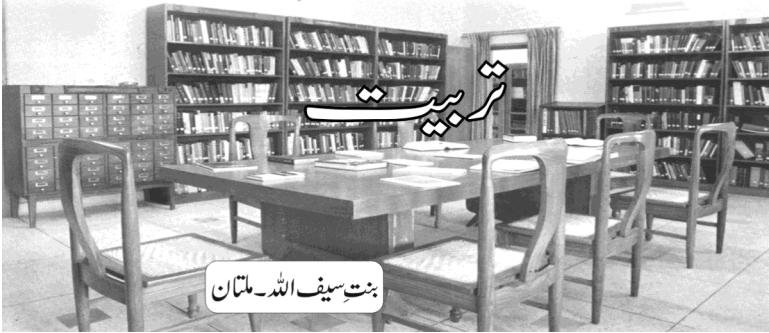
اس کے پایا کے علاوہ اس وقت یہاں سب موجود تھے۔

”ہمارے مذہب عقیدہ تثلیث کے نظریے کو ہم یوں تعبیر کرتے ہیں کہ باپ خدا ہے..... بیٹا خدا ہے..... اور روح القدس خدا ہے..... لیکن یہ تین مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے، اس لئے ہمارے عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔“

”اسی بات کو ہمارے عیسائی عالم قدرے تفصیل سے یوں بیان کرتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک ”خدائی وحدت“ تیار کرتے ہیں، جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابل تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا ہے، اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا، لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے..... اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا..... بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے۔ جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے۔“

”لیکن اگر یہ ایک ہستی کیلئے تین الگ الگ لفظ استعمال کئے گئے ہیں تو ہمارے مذہب میں باپ، بیٹا اور روح کی تعریف الگ الگ کیوں ہے؟ جبکہ مسلمانوں کی کتاب میں ساری صفات ایک ہی ذات کیلئے ہیں۔“ اپنے مذہب کو اپنے ذہن میں مستحضر کرتے ہوئے اس نے جیسے خود سے سوال کیا تھا.....

اولاد کی بہترین اچھی تربیت ہی آپ کے اچھے کل کی ضامن ہے.....



## تربیت

بنت سیف اللہ - ملتان

بیٹھے تھے۔ دو کنال کے اس شاندار سے گھر میں وہ اکیلے مکین تھے۔ ان کے علاوہ چند ملازم تھے۔ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی، انہوں نے آنکھیں کھول کر ارد گرد کا جائزہ لینے کے بعد ملازم کو آواز دی۔

”اکرم! اکرم!“ وہ نظر کا چشمہ صاف کرتے ہوئے ملازم کو آواز لگا رہے تھے۔ سرونٹ کو ارٹھر سے ایک درمیانی عمر آدمی برآمد ہوا اور ان کے سامنے آ کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔

”جاؤ باہر دیکھو، کون آیا ہے؟“ انہوں نے گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد ملازم کے ساتھ ایک آدمی آیا اور آتے ہی انہیں مخاطب کر کے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

”السلام علیکم عبداللہ صاحب کیسے ہیں آپ؟“ وہ زمی سے ان کے ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔ ”اوہ! عون بیٹا! علیکم السلام، بہت اچھا کیا جو ملاقات کے لیے آگئے۔“ عبداللہ صاحب نے بڑی

لوگوں کا جمع دیکھتے ہی انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا حکم دیا۔ ”پتہ نہیں یہاں اتنے لوگ اکٹھے کیوں ہیں؟“ ایک سوال ان کے ذہن میں گونجا۔

”اکیلے رہتے تھے بے چارے۔“ ”کسی کو کیا خبر ہوتی؟ بیگم پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں اور ملازموں کو بھی چھٹی دے دی تھی۔“ ”ایک بیٹا تھا، وہ بھی امریکہ چلا گیا۔“

”ایسی اولاد اللہ کسی کو نہ دے، دولت کے لیے باپ کو اکیلا مرنے کے لیے چھوڑ گیا“..... الفاظ ان کی سماعتوں پہ تھوڑوں کی طرح برس رہے تھے۔ انہوں نے ڈرائیور کو گھر کی طرف چلنے کا کہا اور سرسید کی پشت سے ٹکا لیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک اور منظر گھوم گیا۔

☆.....☆.....☆

آنکھیں موندھے وہ نہ جانے کب سے ماضی کی یادوں میں گم تھے۔ اس وقت اپنے گھر کے نہایت خوب صورت اور صاف ستھرے باغیچے میں

”دیکھئے محترمہ! آپ ذرا تحمل سے کام لیں، میں ابھی مس شازیہ کو بلاتی ہوں۔“ پرنسپل صاحبہ ان کے اس شدید ردِ عمل پر گھبرائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد آفس کا دروازہ کھلا اور ایک خاتون اندر داخل ہوئیں، انہوں نے حجاب کیا ہوا تھا۔ آتے ہی انہوں نے سلام کیا اور ایک کرسی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئیں۔

”آئیے مس شازیہ! بیٹھیے، یہ طلحہ حسن کی والدہ ہیں، آپ سے ملنا چاہتی تھیں۔“ پرنسپل صاحبہ نے صوفے پر بیٹھی خاتون کی طرف اشارہ کیا جو تھوڑی دیر پہلے چنچ رہی تھیں۔

”تو آپ ہیں مس شازیہ؟ ساتویں کلاس کو اسلامیات آپ ہی پڑھاتی ہیں نا؟“ انہوں نے حقارت سے مس شازیہ کو دیکھتے ہوئے اپنی بات کی تائید چاہی۔

”جی میں ہی پڑھاتی ہوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرے بیٹے کا ریکارڈ ہے کہ اس نے ک۔جی سے آج تک کبھی فرسٹ پوزیشن سے کم نہیں لی اور اس بار آپ کے سنجیک کی وجہ سے وہ پیچھے رہ گیا۔“ انہوں نے رپورٹ کارڈ کو میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔ وہ بات اس انداز میں کر رہی تھیں جیسے ابھی مس شازیہ کو کچا چبا جائیگی۔

”دیکھئے میڈم! اس میں آپ ہی کے بیٹے کی کوتاہی ہے، میری نہیں۔ اس کے رٹن (Written) میں تو نمبر پورے آئے ہیں مگر نتو

گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور پھر ملازم کو چائے کا کپہ بھیجا۔

”عبداللہ صاحب سنا ہے حماد اور اس کی بیوی آرہے ہیں پاکستان؟“ عون نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں عون بیٹا! اس عید کے بعد آئیں گے ان شاء اللہ! پہلی بار میرا پوتا اور پوتی آرہے ہیں۔ تم دیکھنا میں کتنی شاندار دعوت رکھتا ہوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ واقعی بہت خوش تھے، خوشی ان کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

”ویسے عبداللہ صاحب! آپ نے بھی قابل رشک قسمت پائی ہے۔ پہلے خود تر قیاں کیں اور اب آپ کے بیٹے ہی کو دیکھ لیں، یونیورسٹی میں ٹاپ کیا اور ایک انٹرنیشنل آرگنائزیشن میں اس کو جاب ملی۔ ہر طرح سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے۔“ عون نے ان کے ماضی پر ایک تبصرہ کیا اور رشک سے ان کو دیکھنے لگا۔

”ہاں بالکل! اللہ نے ہر طرح سے نوازا ہے مگر خود بھی دن رات محنت کرنی پڑتی ہے تب جا کر کہیں انسان کامیاب ہوتا ہے اور آج کل تم دیکھو مقابلہ کتنا ہے۔“ انہوں نے فخریہ انداز میں کہا اور چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

”پرنسپل صاحبہ! یہ کیسی ٹیچر ہیں؟ لگتا ہے ان کو بالکل بھی پڑھانا نہیں آتا۔“ وہ پرنسپل آفس میں بیٹھی اپنے بیٹے کی ایک ٹیچر کی شکایت کر رہی تھیں۔

یہ قدم نہ اٹھائیں، آئندہ کارکردگی بہتر ہو جائے گی  
ان شاء اللہ!“ انہوں نے مسز حسن کو ٹھنڈا کرنے کی  
کوشش کی۔ مسز حسن کچھ کہے بغیر کھڑی ہو گئیں اور  
پرس اٹھا کر چل دیں۔

☆.....☆.....☆

”صاحب جی! کچھ دن کے لیے چھٹی چاہیے  
تھی، عید سے پہلے جانا چاہتا ہوں گاؤں، دراصل  
کچھ کام ہیں ضروری۔“ ملازم سر جھکائے عبد اللہ  
صاحب سے کہہ رہا تھا۔ وہ لاؤنج میں صوفے پر  
بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے جب بوڑھا ملازم ان کے  
پاس آیا۔

”ہاں ضرور چلے جاؤ بلکہ ایک کام کرو، عید کے  
بعد بھی کچھ دن وہیں رہ لینا گھر والوں کے ساتھ،  
یہاں تو میرا بیٹا اور بہو آئیں گے پھر تو تمہاری  
ضرورت نہیں ہوگی اتنی۔“ انہوں نے اسے اجازت  
دیتے ہوئے کہا اور دوبارہ اخبار میں گم ہو گئے۔

”شکریہ صاحب!“ ملازم نے مسرت سے  
کپکپاتے ہوئے کہا، وہ زیادہ چھٹیاں ملنے پر خوش  
نظر آ رہا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے ہی عبد اللہ صاحب نے  
لپک کر ریسپور اٹھایا۔ وہ صبح سے ٹیلی فون کے پاس  
ہی جگے ہوئے تھے اور اب شام کے وقت اس کی  
گھنٹی سن کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔

”ہیلو حماد بیٹا! کیسے ہو؟ آ رہے ہو پھر؟ فلائٹ  
کس دن کی ہے؟“..... انہوں نے خوشی کے  
مارے دھڑا دھڑا سواولوں کی بوچھاڑ کر دی۔

اس کی نمازیں پوری ہوتی ہیں اور نہ ہی روزانہ  
تلاوت کر کے آتا ہے۔ ان سب چیزوں کے ایکسٹرا  
پوائنٹس ہیں وہ نہیں ملے آپ کے بیٹے کو، ورنہ وہ  
فرسٹ ہی آتا۔“ انہوں نے بڑے تحمل سے بات  
سمجھانے کی کوشش کی۔

”لیکن ان سب چیزوں کا حساب رکھنے کا  
آپ کو کس نے کہا ہے؟ آپ صرف بچوں کی پرسیج  
پر دھیان رکھیں۔ مارکس ہی اہم ہوتے ہیں۔ آج  
کل جو Competition ہے اس پر پورا اترنے  
کے لیے بچوں کو محنت کروائیں۔“ انہوں نے مس  
شازیہ کو مخاطب کیا اور پوری تقریر جھاڑ دی۔

”دیکھئے میڈم! جو بھی ہو میں اس چیز سے  
اختلاف رکھتی ہوں۔ مارکس اور گریڈز ہی تو سب  
کچھ نہیں ہوتے۔ استاد کا فرض ہوتا ہے اپنے  
اسٹوڈنٹس کی تربیت کرنا۔ میں اس میں کوتاہی نہیں  
کر سکتی۔ اپنا رزق حلال کمانا چاہتی ہوں۔“ مس  
شازیہ نے اپنا موقف بتایا اور اس بار اُن کا لہجہ بھی  
ذرا سخت تھا۔

”اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ میں اپنے بچے کو کسی  
اور اسکول میں داخل کروا دوں گی۔“ انہوں نے  
رپورٹ کارڈ اٹھاتے ہوئے سرد لہجے میں کہا اور  
پرنسپل صاحبہ کو گھورے لگیں جو اس تمام کارروائی کے  
دوران صرف فریقین کو آنکھیں چھاڑ کے دیکھنے میں  
مصروف تھیں مگر اسکول بدلنے کی بات پر وہ آخر بول  
پڑیں۔

”دیکھئے مسز حسن! آپ ایک سال کے زلزلے



کی تجارت کی۔

☆.....☆.....☆

”آج ہم دوسرے اسکول جا رہے ہیں، نئے اسکول۔“ طلحہ کار میں بیٹھ کر دروازہ بند کر رہا تھا جب یہ خبر بجلی بن کے اس کی سماعت پہ گری۔

”کیا؟“ اس نے حیرت سے کہا، وہ یقیناً اس بات سے خوش نہیں تھا۔

”ہاں! جس اسکول میں لبنی صاحبہ کے بچے جاتے ہیں، میں نے بڑی تعریف سنی ہے وہاں کی۔ اور پتہ ہے ہر سال بورڈ میں پوزیشنز اسی اسکول کی آتی ہیں۔“ انہوں نے نئے اسکول کی تعریف کرتے ہوئے کہا، ان کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں وہ حماد سے نظریں ملا کر بات نہیں کر رہی تھیں۔

”لیکن ماما! میرے سارے دوست اسی اسکول میں ہیں، میں نے نہیں جانا نئے اسکول۔“

طلحہ نے احتجاج کیا۔

”دیکھو ماما کی جان! وہ اسکول بہت بہتر ہے۔ وہاں بھی تمہارے نئے دوست بن جائیں گے اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھو، کبھی بھی اپنے مستقبل پر سمجھوتہ نہ کرنا۔ دوستیاں کرنے اور نبھانے کے لیے پوری زندگی پڑی ہے، فی الحال سب سے اہم گریڈز ہیں۔ اچھے گریڈز نہیں ہوں گے تو اچھے کالج میں داخلہ نہیں ملے گا اور پھر فیوچر کا بیڑہ غرق۔“ انہوں نے پیار سے سمجھایا اور طلحہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”بس بسبیں گاڑی روک دو، چلو بیٹا! آگیا تمہارا

ان کے چہرے پر موجود مسکراہٹ پہلے ہلکی ہوئی اور پھر غائب ہوتی چلی گئی۔ شاید دوسری طرف سے ان کو خلاف توقع جواب ملا تھا۔

”ابو! دراصل ہمارا تو پورا پلان تھا، ٹکٹ بھی لے لیے تھے مگر کمپنی والوں نے ٹور کا کہہ دیا۔ مجبوری ہے ابو! اور ویسے بھی یہ پروموشن کے لیے ایک بہترین موقع ہے۔“ وہاں سے کسی نے کہا تھا اور عبد اللہ صاحب کو جیسے چکر سا آگیا، انہوں نے دیوار کا سہارا لے کر خود کو سنبھالا۔

”ہوں۔“ انہوں نے ایک لفظی جواب دیا۔

”اور ویسے بھی ابو! آپ ہی تو کہتے ہیں کامیاب ہونا ہے تو زندگی میں ملنے والے ہر موقع کو استعمال میں لانا ضروری ہے، ورنہ دوڑ میں پیچھے رہ جاؤ گے۔“ حماد نے انہی کے الفاظ کو دہرایا جو ان کی سماعت پہ بم بن کے گرے۔

”ہوں۔“ دوبارہ وہی مختصر سا جواب۔

”ابو میں ٹھیک کر رہا ہوں نا؟ آپ یقیناً میری ترقی سے بہت خوش ہوں گے اور ماننا ملانا تو پھر بھی ہو سکتا ہے۔“ حماد نے اپنی بات کی تائید چاہی مگر عبد اللہ صاحب کی زبان کو جیسے تالا لگ گیا ہو، آخر ہمت مجتمع کر کے وہ بولے۔

”ہاں بیٹا! صحیح کہہ رہے ہو۔“ انہوں نے آہستگی سے کہا اور آنسو پونچھنے لگے۔

آج پہلی دفعہ انہوں نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا احتساب کیا تھا اور جمع تفریق کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ انہوں نے خسارے

بہت ضروری بھی ہو مگر پھر بھی زندگی میں پیسے اور شہرت کے علاوہ بھی کئی چیزیں اہم ہوتی ہیں۔ ہر چیز میں توازن رکھنا چاہیے۔“ ساتھ کھڑے ایک بزرگ ایک نوجوان سے کہہ رہے تھے، وہ بغور سن رہا تھا اور تائید میں سر ہلارہا تھا۔

چند لمحوں بعد ایک تابوت باہر لایا گیا، تابوت میں بند ہونے کے باوجود لاش سے بو آرہی تھی۔ شاید موت کئی دن پہلے ہوئی تھی اس لیے لواحقین کا انتظار کیے بغیر لاش کو دفنایا جا رہا تھا۔ وہ مزید وہاں نہیں رک سکیں، انہوں نے ڈرائیور کو گھر کی طرف چلنے کا کہا اور سیرسٹ کی پشت سے ٹکا لیا۔ اس چند منٹ کے مشاہدے نے ان کو وہ سبق دے دیا تھا جو شاید کئی دلدل لیکچر سننے سے بھی نہ ملتا۔

ان کی آنکھوں کے سامنے ایک اور منظر گھوم گیا اور گھر پہنچنے تک وہ ایک حتمی فیصلہ کر چکی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”السلام علیکم!“ مسز حسن نے کہا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا، مس شازیہ نے نوٹ بک سے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا تو ان کی آنکھوں میں حیرت کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔

”علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ نے طلحہ کو کسی اور اسکول میں داخل کروادیا تھا نا؟“ وہ حیرت سے پوچھ رہی تھیں اور پھر انہوں نے ساتھ کھڑے طلحہ کو دیکھا جو بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

”جی! لیکن میرا ارادہ بدل گیا ہے، میں چاہتی ہوں کہ یہ اب یہیں پڑھے۔ آپ اس کو سکھائیے گا

اسکول۔“ انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا اشارہ کرتے ہوئے طلحہ سے کہا۔

”اللہ حافظ ماما!“ طلحہ نے رو ہانسا منہ بناتے ہوئے کہا۔

واپسی پر مسز حسن نے اپنے گھر سے کچھ اسٹریٹ پہلے ایک بڑے گھر کے سامنے کافی لوگوں کی بھیڑ دیکھی۔

”یہاں سب کیوں جمع ہیں؟“ ڈرائیور کو گاڑی ایک طرف روکنے کا کہتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

”کیا ہوا ہے یہاں؟“ انہوں نے پاس کھڑی ایک عورت سے پوچھا۔

”یہاں ایک آدمی کی موت ہوئی ہے، فوت تو چند دن پہلے ہوئے مگر پتہ آج چلا۔“ اس خاتون نے افسردہ لہجے میں کہا اور افسوس کرنے لگی۔

”کیا مطلب؟ پتہ نہیں چل سکا؟“ مسز حسن نے حیرت سے پوچھا۔

”دیکھئے جی! عبداللہ صاحب تقریباً ساٹھ سال کے تھے، اکیلے رہتے تھے بے چارے۔ کچھ سال پہلے بیگم کی وفات ہو گئی تھی اور اکلوتا بیٹا پہلے ہی پڑھائی کے فوراً بعد امریکہ شفٹ ہو گیا تھا اور نہ جانے ملازمین کو چھٹی کیوں دے دی تھی؟“ اس خاتون نے تفصیل بتائی اور چند لمحوں بعد وہ جھوم کو کاٹتی گھر کے اندر چلی گئی۔

”بھئی! بیٹے کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، ملازمت کے چکر میں اپنے باپ کو اکیلا مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اب ایسی بھی کیا ہوس؟..... مانا کہ

کہ زندگی میں توازن کیسے پیدا کیا جاتا ہے۔“ وہ شرمندہ سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

مس شازیہ پہلے حیرت سے ان کو دیکھتی رہیں، پھر مسکرا کر گویا ہوں۔

”بالکل صحیح! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، علم اگر تربیت کے بغیر ہوتو بے کار ہے۔ علم کا مقصد ہی شعور

کی بیداری اور اپنے حقوق و فرائض سے آگاہی ہوتا ہے تاکہ طالب علم سیکھے کہ اس نے زندگی کیسے گزارنی

ہے؟ کس چیز کو اہمیت دینی ہے۔ آج کل علم کا مفہوم صرف اور صرف ”رٹا سسٹم“ تک ہے، جتنا اچھا رٹا

اتنے اچھے ماکس اور اچھی سے اچھی ڈگری۔ بس یہی ترجیح ہے آج کل سب کی۔“ مس شازیہ نے تفصیل

سے تبصرہ کیا اور پھر ایک نظر گھڑی پر دوڑائی۔

”جی بالکل! میں متفق ہوں آپ سے، آج کل لوگ دوڑ میں اتنا آگے نکل جاتے ہیں کہ وہ سب

رشتوں ناطوں کو پیچھے چھوڑ رہے ہیں، بس اندھا دھند بھاگے چلے جاتے ہیں۔“ مسز حسن نے بات

میں اضافہ کیا، ان کی نظروں کے سامنے تابوت میں جاتی لاش کا منظر گھوم گیا تھا۔

”چلئے پھر ملاقات ہوگی، ابھی لیکچر کا وقت ہے۔“ مس شازیہ نے اجازت چاہی اور طلحہ کو

سامنے کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آؤ بیٹھو طلحہ!“ مسز حسن کلاس روم سے باہر آگئیں مگر وہ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر کلاس روم کو دیکھ رہی تھیں۔ مس شازیہ نے پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

”اچھا تو سب بتاؤ کل پانچوں نمازیں کس کس نے پڑھی ہیں؟“ مس شازیہ نے کلاس سے پوچھا

اور ساتھ ہی کئی ہاتھ فضا میں بلند ہو گئے اور مسز حسن کی نظریں جھک گئیں کیوں کہ ان کے بیٹے کا ہاتھ

بلند نہیں ہوا تھا۔

”بہت اچھے! جھوٹ تو نہیں بولا نا کوئی؟“ انہوں نے دوبارہ پوچھا اور اس دفعہ کئی ہاتھ بلند

ہوئے اور ساتھ ہی سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

”اچھا اچھا ٹھیک ہے۔“ انہوں نے کلاس کو چپ کروایا۔

”دیکھو بچو! ہم انسان ہیں، ہماری کئی ذمہ داریاں ہیں اس لیے ہمیں ان ذمہ داریوں اور

فرائض کو پورا کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے نمبر پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کیوں کہ اس

سے اللہ راضی ہوتا ہے اور پھر ہمارے والدین کا سب سے زیادہ حق ہے ہم پر، تو ان کو کوئی تکلیف

نہیں چاہیے۔“ انہوں نے بتایا۔

”یس میم!“ سب بچوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

مسز حسن نے تائید میں سر ہلایا اور وہاں سے چل دیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ بہت جلد ان کے

بیٹے کا ہاتھ بھی دوسرے ہونہار بچوں کی طرح بلند ہو گا۔ انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ ان کے بیٹے کی تربیت صحیح طریقے سے ہو رہی ہے، اس لیے وہ بڑھاپے میں عبد اللہ صاحب کی طرح اکیلی نہیں ہوں گی۔



## دور کی کوڑی.....!

مریم شہزاد

حوالے کر دیتی ہیں۔“ فرحین بڑے بوڑھوں کی طرح سنجیدہ انداز میں بولی۔

”کہاں سے لے آتی ہو تم یہ نئے نئے فلسفے؟“  
زمین نے پوچھا۔

”گہرائی میں جا کر گھوجنا پڑتا ہے“ فرحین نے بھی بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا، اور پھر سنجیدگی سے بات آگے بڑھائی:

”زمانے کے دستو بھی نرالے ہیں۔ ساس بہوکا رشتہ بنتا ہے اور بگڑتا رہتا ہے۔ ہزاروں کہانیاں، ڈارمے اس پر بنتے ہیں، یہ شکوہ بھی الگ ہے کہ کبھی ساس اچھی نہیں تو کبھی بہوکا اچھی نہیں..... مگر حقیقت تو یہی ہے کہ یہ رشتہ ہے ہی انوکھا۔ ساس نے ہر قیمت پر اپنے لاڈلے بیٹے کیلئے پیاری سی دلہن ڈھونڈنی ہے، اس کو اپنی بہو بنانا ہے، ہزاروں میں سے چندے آفتاب، چندے ماہتاب لڑکی ڈھونڈ کر اپنا لائق فائق بیٹا اس کے حوالے کر دینا ہوتا ہے۔“

”اُف میں کیا کروں“ زمین نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”اتنے سال ہو گئے خدمتیں کرتے ہوئے مگر آج بھی وہ اسی طرح باتیں سنا دیتی ہیں، کوئی عزت ہی نہیں ہے۔ ہر کسی کے سامنے شروع ہو جاتی ہے، سمجھتی ہیں میں آج بھی وہ سولہ سال کی ہوں کوئی عقل ہی نہیں مجھ میں۔“

”تو بہ ہے زمین بالکل نئی نوپلی بہوؤں کی طرح شکایت کر رہی ہو، اب تو اتنے سال ہو گئے خیر سے بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں“ فرحین نے سمجھایا۔

”ہاں تو وہ بھی تو سوچیں نا، میں بھی بالکل ماں کی طرح سمجھتی ہوں مگر جب وہ سب کے سامنے“..... زمین پھر رونا شروع کر دیا۔

”زمین! زمین! تم تو اتنی اچھی ہو، بے چاری بوڑھی ہو گئیں ہیں، چڑچڑی ہو جاتی ہیں، اب دیکھو نا عمر بڑھنے ساتھ ساتھ ہم بھی تو پریشان ہو جاتے ہیں جلدی سے، اور یہ شیطان بہکا تا ہے،“ فرحین نے سمجھایا۔

”ہاں یہ تو ہے، واقعی شیطان ہی بہکا تا ہے، میں بھی بس ایک دم ہی پریشان ہو جاتی ہوں“ زمین نے کہا۔

”ہاں بھئی! حالانکہ بہوؤں کو تو ساس کا احسان مند ہونا چاہیے!“ فرحین نے اک نیا شوشہ چھوڑا۔  
”ساسوں کا احسان مند؟! کیوں بھئی،“ زمین نے حیرانگی سے پوچھا۔

”بھئی یہ ساس ہی تو ہوتی ہیں جو اپنے بیٹوں کے لئے لڑکی پسند کر کے لاتی ہیں اور اپنا بیٹا اس کے

”ہاں یہ تو ہے“..... زمین نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”اب میں کچھ کہوں؟“  
 ”کیا کہوں؟“ اس نے کچھ چھینٹتے ہوئے کہا،  
 ”یہی کہ فرحین صاحبہ بھی اب ساس بننے کی تیاری کر رہی ہیں“ زمین نے کہا اور فرحین بھی مسکرا دی۔  
 اور وہ اس کو دل ہی دل میں داد دیتی رہ گئی کہ کتنی دور کی کوڑی لائی ہے۔

☆.....☆.....☆

### حکمران کی ذمہ داری!.....

ایک مرتبہ خلافت عثمانیہ کے حکمران سلیمان قانونی کی خدمت میں ایک بوڑھی خاتون یہ شکایت لے کر حاضر ہوئی کہ خلیفہ کے سپاہیوں نے اس کے مویشی چرا لیے ہیں جبکہ چوری کے وقت وہ اپنے گھر کے اندر سو رہی تھی۔  
 سلیمان ذیشان نے بڑھیا کی سرزنش کرتے ہوئے کہا: تمہارے لئے ضروری تھا کہ اپنے مویشیوں کی حفاظت کیلئے رات کو جاگتی اور سونے سے اجتناب کرتی! خلیفہ کی بات سن کر بڑھیا ٹکٹی باندھے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، پھر اس کی سرزنش کا جواب ان الفاظ میں جواب دیا:

”میرے آقا! میں نے سمجھا کہ آپ ہماری دیکھ بھال کیلئے جاگ رہے ہیں اس لیے میں کسی پروا کے بغیر اطمینان کی نیند سوئی رہی۔“  
 بڑھیا کا اطمینان بخش جواب سن کر سلیمان کو اپنی غلطی کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، چنانچہ وہ گویا ہوا:  
 تمہارے ساتھ حق ہے۔ (یعنی تم حق پر ہو۔)  
 (سنہری کرنیں سے برہ رانی کا انتخاب)

”کیوں؟ ساس کیا ماں نہیں ہیں؟.....“ فرحین نے پوچھا۔ ”فرحین، فرحین!!“ زمین اب اپنا رونا بھول چکی تھی۔ ”کہاں سے آتا ہے یہ سب تمہارے دماغ میں؟“

”ارے دماغ میں آنے کی کیا بات ہے، شوہر کا ملنا اللہ کی شکرگزاری میں آتا ہے تو اس میں ساس تو خود بخود آگئیں نا، ساس ہمیں منتخب کریں گی تو ہم کو شوہر اور اولاد ملے گی نا“۔ فرحین نے سمجھایا۔

”دال میں کچھ کالا ہے فرحین؟“..... زمین نے اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹٹولا۔

”وہ ایک دم گڑ بڑائی، تو یہ ہے، تم تو ایسے دیکھ رہی ہو، کیا ہو گا دال میں کالا“۔

”ساس کی محبت ایسے ہی نہیں جاگی، اوہو، گویا میں ٹھیک سمجھی ہوں یہ ساس نام اس لئے“.....

”ہاں تو کوئی غلط تو نہیں کہا میں نے، سب باتیں ٹھیک ہیں۔“

”تو اتنا لمبا فلسفہ جھاڑنے کی کیا ضرورت

## تلخیاں جو میں نے دیکھیں

معاشرے میں پائی جانے والے غلط رویوں کو اجاگر کرتی ایک بہترین تحریر

جانے کی اجازت طلب کر لی، باپھر چھوٹی بیٹی کی کسی خواہش کا اظہار کر دیا یا پھر بیٹے کے لیے چند روپے طلب کر لیے..... تو بھی پارہ ہائی ہو جاتا ہے اور مجرم بچوں کی ماں بنتی ہے، غلطی بیوی کی ہوتی ہے، کہ اس نے نماز کے لیے ٹھیس اٹھایا، کپڑے استری نہیں کیے، ابھی دو، چار مہینے پہلے تو میکے سے ہو کے آئی تھی، بیٹی کے لیے ابھی پچھلے مہینے تو چیزیں لایا تھا، بیٹے کو کیا ضرورت پڑ گئی ہے سو روپے کی؟..... نہ سمجھ میں آنے والا مجرم سا رویہ، نان سٹاپ نشتر، چھتی باتیں، طعنے گالیاں، الامان الحفیظ.....

اتنا ہی نہیں بچوں سے کوئی اونچ نیچ ہو گئی، تو خوب بنانا کے نشتر مارے جاتے ہیں، نماز میں ایک رکعت رہ گئی یا پھر صبح آنکھ دیر سے کھلی، اسکول سے واپسی پر دیر ہو گئی، گاڑی نہیں ملی یا کوئی اور بات ہو گئی، کھیتے ہوئے کھیل ہی کھیل میں بچے آپس میں الجھ گئے، یا ایک دوسرے کی کاپی پھاڑ دی..... یہ

اک بات جو ہمارے متوسط گھرانوں میں قدرے مشترک پائی جاتی ہے کہ ہر بات کا ذمہ دار ماں کو ٹھہرایا جاتا ہے، اکثر گھرانوں میں ایسا دیکھنے کو ملا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ماں کو دوش دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کے تیر کا نشانہ ماں ہی بنتی ہے، چاچا، ماما ہو یا پھر، تایا، دادا..... سب ہی ماں کو مجرم خیال کرتے ہیں۔ صرف خیال ہی نہیں کرتے بلکہ عملاً تصویر بنا لیتے ہیں، باتیں گھسیڑ گھسیڑ کے دماغ کی درگت بنا دیتے ہیں اور تو اور خود اسکے شوہر یعنی بچوں کے باپ کی توپ کا رخ بلا شرکت غیرے اپنی زوجہ کی طرف ہی ہوتا ہے۔ دال ساگ ٹھیک نہیں بنا، یا پھر سالن میں نمک کی کمی زیادتی ہو گئی، طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کھانا ناشتہ بنانے میں دیر ہو گئی، کپڑے لائیٹ نہ ہونے کی وجہ سے بروقت پریس نہ ہو سکے، صبح نماز کے لیے لاکھ اٹھانے کے باوجود بھی نہ اٹھے، بیگم نے اپنے میکے

انکی تربیت پے؟..... انہیں تو اپنی بیوی کا شکر گزار ہونا چاہیے، کہ انکی بیوی نے برابر کا ساتھ دیا، ہاتھ بٹایا، دکھ سکھ، صحت بیماری، الجھن پریشانی، خوشی غمی کے ہر ہر موقع پر ساتھ دیا، میرے شانہ بشانہ رہی، مشکل سے مشکل حالات میں بھی مہر شکر کے ساتھ وقت گزارا، میرے بچوں کو پالا پوسا، میرے مال اولاد کا خیال رکھا، میری ضرورت میری تسکین کا سامان کیا، مگر نہیں..... وہ ایسا کیوں کر سوچیں گے؟ وہ تو بہت نیک سیرت، خوش خو، اور غریبوں، مزدوروں کا خیال رکھنے والے شمار ہوتے ہیں۔ ان کی سیرت کا تو ہر طرف چرچا ہے مگر گھر میں داخل ہوتے ہی تیوری چڑھ جاتی ہے، کبھی بیوی بچوں سے ہنس کے کیا مسکرا کے بھی بات نہیں کی۔ بچے باپ کی مسکراہٹ کے لیے ترس گئے۔ مگر وہ کیوں بد خوئی کے اوپر خوش خوئی کا لباس پہننا کے ہنس مکھ سے بات کریں گے؟ گھر سے باہر وہ تھوڑا لوگوں سے ہنس مکھ کے بات کرتے ہیں جو گھر پر بھی خوش اخلاقی سے پیش آئیں؟ بیوی بچوں سے مسکرا کے بات کریں؟ اگر ایسا کریں گے تو گھر کے افراد پہ جو رعب و دبدبہ قائم کر رکھا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے بیوی بچوں کا خیال رکھا تو لوگ کیا کہیں گے؟ اسکے بھائی وغیرہ کیا کہیں گے؟ کہیں گے بیوی کا غلام ہو گیا، بے غیرت وغیرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس سے اچھا ہے رعب بنے رہنا چاہیے..... مزید خود کو جھوٹی تسلی بھی دینے اور اگر کبھی ضمیر ملامت بھی کرے تو خود ہی سے حدیث شریف کا

ساری غلطیاں بھی ماں کے حصے میں آتی ہیں۔ ماں ہی ایسی ہے، جیسی ماں ویسے بچے، ماں نے تربیت ہی نہیں کی، تربیت کرے گی تو انہیں عقل آئے گی، اسکے لاڈ و پیار نے یہ حال کیا ہوا ہے..... اور بھی بہت کچھ اول فول، لغویات، بکواسات، گالیاں سننے کو ملتی ہیں۔ بعض دفعہ تو حد ہو جاتی ہے اور سننے والا جیتے جی مر جاتا ہے اور سوچتا ہے کیوں زمین پھٹی نہیں اور میں دھنسا نہیں۔ اور اگر خود سے کوئی چوک ہوگئی، غلطی ہوگئی، کسی کام میں مگن تھے کہ نماز رہ گئی یا دیر ہوگئی، تو کہا جاتا ہے خیر ہے، انسان سے ہی غلطیاں ہوتی ہیں۔ انسان خطا کا پتلا ہے، کوئی بات نہیں۔ جبکہ دوسرے کی باری پہ غلطی نہ ہونے کے باوجود آسمان سر پہ اٹھادیا جاتا ہے۔ اپنی باری پے ماشاء اللہ اور دوسرے کی باری پے استغفر اللہ، مزید ماں کو طعنہ دیتے وقت طعنہ دینے والے کو یاد ہی نہیں رہتا کہ یہ بچہ انہیں کے زیر سایہ پلتا رہا ہے۔

والد یہ بات بھول جاتا ہے کہ اولاد تو اس کی بھی ہے وہ بھی تو برابر کا شریک ہے ان بچوں کی تعلیم و تربیت میں، انکی دیکھ بھال میں، انکے اچھے برے میں..... باقی سب کی بات تو سمجھ آتی ہے اور کسی نہ کسی درجے میں انکی بات مانی بھی جاسکتی ہے، مگر ان بچوں کے والد کو تو احساس کرنا چاہیے، اسے تو احسان مند رہنا چاہیے، کہ میری زوجہ اور ان بچوں کی ماں نے اپنی ذمہ داری سے زیادہ ذمہ داری نبھائی۔ میں نے اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا کیا؟ کتنا وقت دیا میں نے انہیں؟ کتنی توجہ دی بچوں پے،

اس لیے کہ اس نے ان کو پالا پوسا؟ یا بچہ ماں کے زیادہ قریب ہوتا ہے تب؟ یا پھر یہ جرم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی ہر کڑوی کیسی بات سنتی ہے، مگر برداشت کرتی ہے، میاں کی باتوں پہ آف تک نکالنا میاں کی بے ادبی سمجھتی ہے، میاں کا اتنا احترام کرتی ہے کہ ہر کڑوی کیسی بات کو پی جاتی ہے، آنسو نکال لیتی ہے مگر میاں کے احترام کا دامن نہیں چھوڑتی، ہر طعنہ، ہر گالی، ہر کڑوی بات پہ صبر کرتی ہے اور صبر کا یہ صلہ ملتا ہے؟..... ہزار باتیں سننے کے باوجود اپنے شوہر کے سامنے سر جھکائے کھڑی رہتی ہے۔ یہ غلطیاں ہیں کیا؟.....

اس وجہ سے ماں مجرم ہے یا پھر یہ کوئی خاندانی روایت ہے جو چلی آرہی ہے؟ جو گھر کے وڈھیرے نبھا رہے ہیں؟ یا رعب بنائے رکھنا اچھا لگتا ہے؟ یا کوئی اور راز ہے جو میری سمجھ میں نہیں آپا رہا؟..... خدا را..... اس روایت کی بیخ کنی کیجئے، اپنی زوجہ کی قدر کیجئے، خود کا محاسبہ کیجئے، کہیں آپ سے جانے انجانے میں ظلم تو نہیں ہو رہا؟ آپ محبتوں کے بیج بونے کی جگہ نفرت کے بیج تو نہیں بورہے؟ آپ اپنی بیوی بچوں کے دلوں میں نفرت تو نہیں ڈال رہے؟ ایسا نہ ہو کہ پانی سر سے گزر جائے، اور سیدہ کو بی مقدر ہو، ہم نے بروز قیامت اپنے رب کے سامنے پیش ہو کر ایک ایک لفظ کا حساب دینا ہے، اسوہ حسنہ کو اپنائیے، آپ عفو عافیت والا معاملہ کریں گے تو کل بروز قیامت اللہ پاک بھی یقیناً عافیت والا معاملہ فرمائیں گے۔

☆.....☆.....☆

مفہوم سوچ کے من ہی من میں مطمئن ہونے کی کوشش کریں گے کہ ہے نا ایسی ایک حدیث کہ ”گھر والوں پہ کوڑا لٹکائے رکھو“۔ میں تو اس پہ عمل کرتا ہوں اور تو ایسی کوئی بات نہیں، میں تو اس لیے ایسا کرتا ہوں کہ بچوں کی تربیت اچھے سے ہو۔ میں تو ان کے بھلے کے لیے ایسا کرتا ہوں۔

یہ عام فضا ہے متوسط گھرانوں کی، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اور کیوں کیا جاتا ہے؟ ماں کو ہی کیوں مجرم گردانا جاتا ہے؟ ہر اپنی پرانی غلطی کا سارہ ملبہ کیوں ماں پہ گرایا جاتا ہے؟..... حالانکہ ماں بیوی کے روپ میں اپنے شوہر کا خاص خیال رکھتی ہے، اسکی ہر ہر ضرورت کو پورا کرتی ہے، اسکا کہا مانتی ہے، اسکے والدین کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی..... کیا ہوا اگر تھوڑی سی دیر ہوگئی کھانا دیر سے بنا، یا ناشتہ میں دیر ہوگئی، وہ بھی تو انسان ہے، کپڑے بروقت نہ پر لیں ہو سکے تو اسکی کیا غلطی ہے؟ جبکہ لائٹ ہی نہیں تھی، اس نے تو آپکو بروقت نماز کے لیے اٹھایا تھا آپ ہی نہ اٹھ سکے اب اسکی غلطی؟..... وہ بچوں کو نصیحت کرتی ہی رہتی ہے اب اسکے باوجود اگر بچے آپس میں الجھ گئے تو اسکا قصور؟ بچے ہی تو ہیں دو منٹ بعد وہی کلباڑی وہی دستہ والی بات ہوگی۔ اس نے تو بروقت بچوں کو نماز کے لیے بھیجا تھا، پہنچنے میں دیر ہوئی اور رکعت نکل گئی، یا وضو ٹوٹ گیا اور وضو دوبارہ کرنے کی وجہ سے دیر ہوئی اگر تو اس میں ماں کا قصور؟؟؟ ماں کی غلطی؟؟؟ ماں کا جرم؟؟؟..... کیا یہ جرم ہے کہ اس نے ان بچوں کو جنا؟ یا پھر



# سائبان

نے اسے میکے جانے کا کہہ دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا  
منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

☆.....☆.....☆

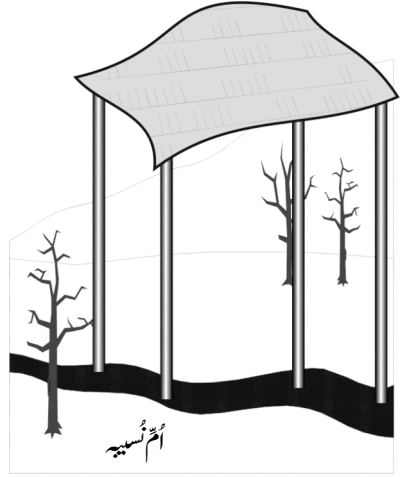
زوبی تمہیں کس چیز کی کمی ہے یہاں؟ تمہاری  
کون سی ایسی فرمائش ہے جو آج تک پوری ہونے  
سے رہ گئی ہو؟ بولو جواب دو۔

پچھلے دو ماہ سے اس کی نوکری کرنے کی ضد  
بڑھتی ہی جا رہی تھی جسے عامر ٹالتا رہا۔ کبھی محبت سے  
سمجھایا، کبھی نقصانات سے آگاہ کیا، مگر آج زوبیہ کی  
ضد نے زور پکڑا تو اسے بھی طیش آ گیا۔

دیکھیں آمنہ بھی تو جاب کر رہی ہے اور گھر  
چلانے میں اپنی شوہر کا ساتھ دے رہی ہے۔ پھر  
میں کیوں نہیں؟“ زوبیہ نے اپنی خالہ زاد آمنہ کی  
مثال دی۔

دیکھو زوبیہ شوہر کا ساتھ دینے کے لیے عزت  
دار پیشہ اپنانے کے میں خلاف نہیں، ہاں مگر شوقیہ  
نوکری کے حق میں بھی نہیں۔ جب اللہ نے مرد کو  
بیوی بچوں کا کفیل بنایا ہے اور عورت کو گھر اور بچوں  
کی ذمہ داری دی ہے تو بلاشبہ اسی میں ہی بہتری اور  
حکمت پوشیدہ ہے۔“ عامر نے اسے سمجھانا چاہا۔

مگر زوبیہ آج کسی طور پر بھی ماننے کو تیار نہ تھی۔  
”عامر آپ اتنا بیک ورڈ کیوں سوچ رہے  
ہیں؟ ایک ٹیوشن سینٹر میں استقبالیہ پر چند گھنٹے بیٹھنے  
کی جاب ہی تو ہے، آخر اس میں قباحت ہی کیا ہے؟  
زوبیہ نے تکی سے پوچھا۔



جون کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور تپش میں وہ  
تقریباً پندرہ منٹ سے اسٹاپ پر کھڑی تھی۔  
کڑکتی دھوپ اور ہوکا عالم۔ رکشہ دکھائی دے رہا تھا  
نہ ہی کوئی ٹیکسی۔ البتہ اب تک لوگوں سے بھری دو  
بسیں اس کے سامنے سے گزر چکی تھیں۔ مگر وہ تو یہ  
تک نہیں جانتی تھی کہ اس کی امی کے گھر تک کون سی  
بس جاتی ہے۔ کبھی بس کا سفر کیا ہوتا تو معلوم ہوتا۔  
پہلے عامر کے ساتھ موٹر سائیکل پر جانا ہوتا تھا۔ پھر  
اوپر تلے تین بچوں کے بعد وہ ہمیشہ اسے ٹیکسی میں  
ہی لے جاتا۔ وہ تو کبھی اسٹاپ تک بھی نہ آئی تھی  
ہمیشہ عامر ٹیکسی لے کر گھر آتا اور وہ سب بیٹھ کرامی  
کی ہاں چلے جاتے، مگر آج کوئی ٹیکسی بھی نظر نہیں  
آ رہی تھی۔ آگ برساتا سورج اور لو کے تھپڑے،  
اسے سخت کوفت ہوئی۔ رہ رہ کر عامر کے ساتھ گزری  
زندگی میں اپنی دی گئی قربانیاں یاد آئیں تو اس کی  
آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔ مانا کہ عامر  
کا غصہ اکثر وقتی ہوتا تھا مگر آج کتنے آرام سے عامر

”اور میں تم سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ جاب کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا ہم قناعت اختیار نہیں کر سکتے؟“ عامر کا لہجہ بھی تیز ہو گیا۔

”قناعت کا مطلب! آپ مجھے سمجھا رہے ہیں؟ دس سال ہو گئے اس قناعت کو اختیار کیے ہوئے۔ اب میری بس ہو گئی۔ آخر ان بچوں کا بھی مستقبل ہے، ہم دونوں مل کر بوجھ بانٹیں گے تو کچھ بن سکے گا۔ آپ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔“

زوبیہ کسی طرح عامر کی بات ماننے کو تیار تھی نہ ہی وہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے والا تھا۔ مزید بحث و مباحثہ کے باعث جہاں عامر آپے سے باہر ہوا وہاں زوبیہ کی آواز بھی بلند ہو گئی اور معاملہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ تینوں بچے سہم کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ زوبیہ کے اپنی بات پر ڈٹے رہنے پر عامر نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور سخت لہجے میں بولا:

”ٹھیک ہے اگر نوکری کرنے کا پکا ارادہ کر ہی لیا ہے تو اپنے باپ کے گھر جا کر کر لینا۔“ زوبیہ سن ہو کر رہ گئی۔

عامر اتنا کہہ کر رکنا نہیں بلکہ تینوں بچوں کو لے کر گھر سے باہر نکل گیا۔ زوبیہ غصے سے لال بھبھوکا چہرہ لیے اٹھی، برقعہ اوڑھا اور پرس تھام کر پیر پختے ہوئے گھر سے نکل گئی۔

قریب ہی شیطان نے اپنے پسندیدہ کام کی تکمیل کے بعد مکروہ قہقہہ لگایا اور اپنا بوریا ستر سمیٹنے لگا۔

☆.....☆.....☆

کسی کی آواز پر اس کی سوچ کا تسلسل ٹوٹا۔ مڑ کر دیکھا تو ایک فقیرنی چھوٹے سے بچے کو اٹھائے

اس سے بھیک کا مطالبہ کر رہی تھی۔

”اس جان لیوا گرمی میں غربت نے اس عورت کو کیسا مجبور کیا ہوگا کہ وہ اس کمزور سے بچے کو لیے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہی ہے۔“

اس نے پل بھر میں سوچا اور چند روپے عورت کو تھمائے پھر متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

اتنے میں ایک اور بس آ کر رکی اور اس کے ساتھ کھڑی دو عورتیں مع چار چھوٹے بچوں کے مسافروں سے بھری ہوئی اس بس میں لد گئیں۔

چھوٹے سے بچے کو اٹھائے دوسری عورت نے پائیدان پر بمشکل پیر ہی ٹکائے تھے کہ بس چل پڑی۔ زوبی نے افسوس سے اس عورت کی طرف دیکھا جو بس کے اندر چڑھنے کی سعی کر رہی تھی۔

اتنے میں دور سے ایک ٹیکسی بھی آتی ہوئی دکھائی دی۔ قریب آنے پر اس نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ مطلوبہ جگہ کا نام بتایا اور بیٹھنے ہی لگی تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی۔ ڈرائیور کی معنی خیز نگاہیں اسے اپنے وجود کے آر پار ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

ایک ایک وہ دہل کر رک گئی۔ چند قدم پیچھے ہوئی اور دھڑکتے دل کے ساتھ اسٹاپ پر کھڑی خواتین کی جانب بڑھ گئی۔ پیچھے سے ٹیکسی ڈرائیور کی آواز بھی کانوں سے ٹکرائی:

”کیوں جی!! ڈر کیوں گئیں؟ آجاؤ بیٹھ جاؤ۔“

وہ اور بھی پتا نہیں کیا کیا بول رہا تھا مگر زوبی نے لرزتے وجود کی ساتھ آواز کی سمت دیکھنے سے بھی گریز کیا۔ چند لمحوں بعد ساتھ کھڑی خواتین بھی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو گئیں اور وہ پھر اسٹاپ پر اکیلی رہ

چھپکے مارے اور کمرے کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔ اتنے میں عامر اور بچے گھر میں داخل ہوئے۔ عامر نے زوبی کی جانب دیکھا تو اس نے خفگی سے نگاہیں پھیر لیں۔ عامر اس کے سامنے آکھڑا ہوا اور اس کی لال ہوتی ناک کو شرارت سے کھینچتے ہوئے بولا:

”تو محترمہ نوکری کا فیصلہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟“  
نن..... نہیں کس نے کہا آخری فیصلہ ہے، مجھے نہیں کرنی جا اب۔ آپ کو بھی تو پسند نہیں نا۔“  
زوبی نے جلدی سے کہا۔

عامر نے اسے حیرت سے دیکھا اور اتنی جلدی اس بڑی تبدیلی پر خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولا: ”واقعی اسے جیسے یقین نہ آیا۔“  
”جی جی بالکل“ زوبی نے بدستور نظروں کو جھکائے رکھا۔

”ویسے اگر میں سچ سچ امی کے گھر چلی جاتی تو.....؟“ زوبی نے اپنا سوال ادھورا چھوڑا۔  
تمم..... تم اس طرح مجھے چھوڑ کر جا ہی نہیں سکتیں۔“

عامر نے بڑے مان سے کہا اور اس کی نازک کلائیاں تھام کر لائے ہوئے موتیا کے کنگن پہنانے لگا۔ زوبی نے کن اکھیوں سے عامر کو دیکھا جو اس کی ہی جانب دیکھ کر محبت و پیشیانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

پاس ہی وسوسے ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ابلیس لعین نے تلملاتے ہوئے اس صورت حال سے گھبرا کر فرار ہونے کی ٹھانی۔

☆.....☆.....☆

گئی۔ دل کی دھڑکن اب تک کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے گھر واپس جانے کا سوچا ہی تھا کہ پاس ایک کالے شیشوں والی کار آ کر رکی۔ آنا فانا ڈرائیور نے اپنی جانب کا شیشہ نیچا کیا اور اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا۔ زوبی کی سانس حلق میں اٹک گئی۔ وہ کب ان حالات سے گزری تھی جو اسے معلوم ہوتا کہ شیطان کے آلہ کار کس طرح جنت حوا کا تعاقب کرتے ہیں۔ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہ جلدی جلدی گھر کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ وہی گھر جو اس کی جنت تھا، جس گھر کی وہ ملکہ تھی اور جہاں وہ خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔ اسے آج اس بات کا ادراک ہوا تھا کہ اس کا ہم سفر درحقیقت اس کا سائبان اور اس کے لیے گھنی چھاؤں ہے جو معاشرے کے سردو گرم رویوں سے اسے بچا کر رکھتا ہے۔ جو اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات کا احترام کرتا ہے۔ آنسو تیزی سے اس کے نقاب میں جذب ہونے لگے۔ پورا راستہ خدا کو یاد کرتے اور اپنی نافرمانیوں کی معافی مانگتے ہوئے کانٹا عجلت میں گھر کا دروازہ کھولا تو طمانیت کے شدید احساس نے اس کی روح کو سرشار کر دیا، گویا وہ کسی محفوظ پناہ گاہ میں پہنچ گئی ہو۔

شیطان ملعون نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے اپنے نشانے کو خطا جاتے ہوئے دیکھا، پر اس کے پاس ابھی ایک راستہ اور بھی تھا۔

چند لمحے تو زوبی بند دروازے سے ٹپک لگائے گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ کچھ حواس بحال ہوئے تو احساس ہوا کہ عامر اور بچے اب تک گھر نہیں لوٹے تھے۔ اس نے چہرے پر پانی کے

# جنونی



ایک باپ کی داستان المناک..... جسے نوجوان بیٹے کی موت نے جنونی بنا دیا تھا..... کیوں اور کیسے؟..... معاشرے کے چند تلخ حقائق کو اجاگر کرتی تحریر

ایک معقول رقم کے باعث ڈیل سو فیصد کامیاب رہی تھی، میں نے اپنی جیب کو ٹٹول کر دستاویزات کو انگلیوں کی پوروں سے محسوس کیا اور ایک گونا سکون کی لہر کو سر سے پاؤں تک بہتے پایا۔

خوشی تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح ہوتی ہے جو انگ انگ میں اتر کر آپ کو زندہ ہونے کا احساس دلاتی ہے، شرابور کرتی ہے اور بے حسی کا جمود توڑ کر گزر جاتی ہے۔ میں ایسی ہی انجانی لمحاتی خوشی کی کیفیت میں تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا، راہداری کا خوش رنگ محلی قالین میرے پاؤں نیچے دبا جا رہا تھا، سامنے نیم روشن بلب جسے ایک حفاظتی شیشے نے

جب میں وہاں سے نکلا تو میرا جسم پسینے سے شرابور تھا، شدید گرمی، ذہنی پراگندگی، دماغ کا ضرورت سے زیادہ استعمال اور سب سے بڑھ کوئی ایسا کام جو آپ کو ناپسند ہو لیکن زمانے کی بھیڑ چال میں فقط اولاد کے بہتر مستقبل کے لئے کرنے نکلے ہوں تو بدن پر اترنے والی تھکاوٹ وجود کو توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔ آپ جلد سے جلد ایسے کام سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور جب ایسا کام نیٹ جاتا ہے تو انجام کار آپ کے سر سے ڈھیروں وزن جاتا رہتا ہے۔ ایسا ہی اس معاملے میں میرے ساتھ ہوا تھا، کئی راتوں کی ذہنی کشمکش اور

ممنوع تھا، تنہائی، اندھیرے اور حالات کی اچانک سنگینی نے میرے بدن میں ٹھنڈک کی ایک لہر دوڑا دی۔

مجھ سے ٹکرانے والا ایک بوڑھا لیکن توانا شخص تھا اس نے جھک کر چاقو اٹھایا اور کھر دری آواز میں بولا۔  
”دیکھ کر نہیں چل سکتے۔“

میں تو پہلے ہی ڈرا ہوا تھا اس لئے اس کے سوال کا کوئی جواب دیے بغیر میں نے وہاں سے کھسنے ہی میں عافیت سمجھی۔ شاید بوڑھا بھی جلدی میں تھا اس لئے اس نے چاقو کو اپنے کپڑوں میں یوں چھپا لیا کہ سرسری نظر میں وہ دکھائی نہ دے اور مزید کچھ

بولے بغیر اسی جانب روانہ ہو گیا جس جانب سے میں آ رہا تھا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں اترا خون میرے حواس گم کرنے کے لئے کافی تھا۔ مجھے اب وہاں کیوں ٹھہرنا تھا اس لئے افراتفری میں بغیر اس بات کا خیال کیے کہ رات کا اگلا پہر شروع ہو چکا ہے میں پیدل ہی وہاں سے نکل بھاگا، اگرچہ ٹیکسی ہوٹل میں بھی منگوائی جاسکتی تھی لیکن جانے کیوں مجھے لگا جیسے پیچھے ہوٹل میں کچھ ہونے جا رہا ہو اور وہاں میری موجودگی میرے لئے مشکلات کا باعث بننے جا رہی ہو۔ میں نے آخری مرتبہ ہوٹل پر نظر دوڑائی، چاندنی میں وہاں عجیب سے سکوت کا راج تھا اور کوئی بھی غیر معمولی آواز میری طرف آتی ہوئی مجھے سنائی نہ دی۔

باہر ہو کا عالم تھا اور دور دور تک اسٹریٹ لائٹ

ڈھانپ رکھا تھا، گہرے مٹیالے رنگ کی روشنی اگل رہا تھا۔ کام ہو جانے کے باعث میں کچھ جلدی میں تھا۔ میں نے راہداری کو دونوں جانب سے بغور دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا، ہر طرف سکوت کا عالم تھا پھر احتیاطاً مگر تیز قدموں سے میں وہاں سے یوں نکلا کہ باہر وسعت میں پھیلی اور اندر بند کمروں سے اڈتی رات کی مدہم آوازوں کو بھی سن سکتا تھا۔ جانے کیوں ملاقاتی نے شہر کے اس ویران اور مضائقہ ہوٹل کو پسند کیا تھا۔ خیر بات کچھ بھی ہو ملاقات نتیجہ خیز رہی تھی، اس سے قطع نظر کہ یہ ایک ایسا پرانا، تاریک، سالخوردہ سا ہوٹل تھا جس میں عام حالات میں، میں قدم بھی نہ رکھتا۔

میں جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا، اپنی ہی دھن میں تیزی سے نیچے اتار رہا تھا کہ کوئی تاریکی میں مجھ سے ٹکرا گیا۔ ٹکراتی شدید اور اچانک تھی کہ میرا سر گھوم گیا اور آنکھوں میں چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں، کچھ ایسا ہی اس اجنبی شخص کے ساتھ بھی ہوا تھا کیوں کہ انتہائی کوشش سے سنبھالے رکھنے کے باوجود کوئی شے چھنا کے سے نوارد کے ہاتھ سے پھسلی اور پھر سیڑھیوں پر تیز آواز پیدا کرتی ہوئی گرتی چلی گئی تھی۔ گھومتے اور چکراتے ہوئے سر کے ساتھ میں نے دیکھا وہ نوانچ پھل اور تیز دھار والا ایک شکاری چاقو تھا جو نیم تاریکی میں بھی خوب چمک رہا تھا۔ چاقو جس کی دھار پر خوب محنت ہوئی تھی یقیناً پرانے وقتوں کی ایسی خوفناک یادگار تھی جسے اس دور میں یوں کھلے عام لیے پھرنا یقیناً خطرناک اور

سنان رات میں درختوں کے خشک پتوں، کیڑے مکوڑوں اور جھنگروں کی آوازیں اب میرے ساتھ مسافر تھیں جو رات کے اس پہر مجھے وہاں زندگی جیے جانے کا احساس دلا رہی تھیں، ایک ایسی زندگی جوازل سے دھرتی پر نمودار تھی سانس لیتی، آوازیں لگاتی، لہراتی، چمکتی دکھتی زندگی جسے میرے ہونے یا نہ ہونے سے رائی کے دانے کے برابر بھی فرق نہ پڑتا تھا۔

زندگی جس سے میں بے انتہا پیار رکھتا تھا، اسکول ماسٹر ہونے کے ناتے مجھے رات کے سناٹے کی یہ ساری آوازیں اسکول کے بچوں کی آوازوں کی طرح میٹھی اور نمکین لگیں اور میں گرد و پیش سے لیکھت بیگانہ ہو کر کسی اور ہی دنیا میں کھو گیا اور شاید یہی میری غلطی تھی۔ جیسے ہی میں کھیتوں سے ذرا ہی دور نکلا تھا کہ مجھے پیچھے سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے بے چینی سے اپنی جیبوں کو ٹولا۔ میری جیب میں قیمتی دستاویزات کے علاوہ محدود ہی رقم تھی، لیکن یہ بھی اتنی ضرورت تھی کہ میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں پٹنے سے بچا رہتا، میں نے پیچھے دیکھ بغیر اپنے قدموں کو پہلے سے بھی تیزی سے اٹھانا شروع کر دیا۔ چنداں بھاگتے قدموں کی آواز میرے بالکل قریب چلی آئی، اتنی قریب کہ اب میں اپنے سائے کے ساتھ ساتھ ایک اور سائے کو چاندنی میں زمین پر متحرک دیکھ سکتا تھا جس کے ایک ہاتھ میں نواج کی خطرناک شے تھی جسے میں بخوبی پہچانتا تھا اور ساتھ ہی میں ان پھولے

بند پڑیں تھیں، میں آگے بڑھ کر اندھیرے میں داخل ہو گیا، میری چھٹی حس جاگ اٹھی تھی، پہلے پہل تو مجھے وہاں کچھ بھی دکھائی نہ دیا لیکن پھر چاند کی مدھم روشنی پھوٹ پڑی جس سے سڑک کے اونچے نیچے گڑھے دکھائی دینے لگے میں ان کھدوں سے بچتا بچتا آگے بڑھتا گیا، اس دوران ایک بھی ٹیکسی مجھے نظر نہ آئی جس پر سوار ہو کر میں وہاں سے روانہ ہو پاتا۔ وہاں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی ایسی خاموشی جس میں رات کے حشرات کی آوازیں بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ تاریک آسمان پر ستارے چمک رہے تھے، ارد گرد گھنی جھاڑیاں تاریکی کی چادر میں سے سر نکال کر جھانکتی ہوئی نظر آتی تھیں، ہر طرف جیسے زندگی بکھری پڑی ہو۔ سنان پڑی سڑک اور گرد و پیش موجود ان تاریک جھاڑیوں نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ لیکن اب کیا کیا جاسکتا تھا بوڑھے سے ٹکرانے کے واقعے نے مجھے ہراساں کر دیا تھا اور یوں میں ہوٹل واپسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جوں جوں میں ہوٹل سے دور ہو رہا تھا خود کو محفوظ محسوس کر رہا تھا۔

دور دور تک اس وقت کوئی ذی روح دکھائی نہ دے رہا تھا، میں کافی دیر چلتا رہا۔ یہ ایک ذیلی سڑک تھی جو کھیتوں اور ویران قبرستان کے سامنے سے گزرتی تھی، مین روڈ اب زیادہ دور نہ تھی، یہاں سے مجھے آسانی سے کوئی سواری مل سکتی تھی، اس خیال سے مجھے کافی راحت محسوس ہوئی اور میں نے پہلے سے زیادہ تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیے۔

تھا مجھے لگا جیسے میں کسی گھرے کنویں میں گر چکا ہوں اور ڈوبنے سے بچنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔  
”رقم..... وہ خونچاں لہجے میں غرایا۔ اس کی آواز لوہے کو بھی پگھلا دینے والی تھی۔

پھر اچانک میری نگاہ اس بریف کیس پر گئی جسے میں اچھی طرح پہچانتا تھا اور اسے میں پیچھے ہوٹل کے ایک کمرے میں کسی کے سپرد کر آیا تھا۔ میرے تو بدن سے جان ہی نکل گئی۔ یہ یقیناً وہی بریف کیس تھا جس میں کثیر رقم موجود تھی..... تو کیا..... تو کیا؟؟؟.....

”تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟.....“ میں کانپ اٹھا۔ پہلی بار مجھے معاملے کی سنگینی کا ادراک ہوا اور ساتھ ہی چاقو پر موجود سرخ اور ثقیل مادے کی نوعیت بھی سمجھ میں آ گئی۔ میں اس لمحے سخت خطرے میں تھا، وہ یقیناً کوئی جنونی قاتل ہی ہو سکتا تھا کیوں کہ اگر معاملہ لوٹ مار کا یا صرف پیسوں ہی کا ہوتا تو بریف کیس میں معقول رقم پہلے سے ہی موجود تھی، اس لئے وہ مجھے اس تاریک راستے پر بھاگ کر گھیرنے اور گواہ بنانے کی بجائے بریف کیس لے کر رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتا اور وہاں سے کب کا رنو چکر ہو چکا ہوتا۔

”ہاں..... تم نہیں جانتے، پاجی لوگوں کے لئے میں نے قسم کھائی ہوئی ہے۔“ غصے سے اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ اس نے میرے سوال کا مہمل سا جواب دینے کے بعد ارد گرد دیکھا اور پھر میری گردن پر چاقو کا دباؤ بڑھا کر مجھے قبرستان کی جانب دھکیلنے لگا۔

ہوئے سانسوں کو بھی اپنی پشت پر محسوس کر سکتا تھا جو یقیناً ایک لمبی دوڑ کا حاصل تھے لیکن میں نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، میرا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا اور میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔ پھر مجھے اور تو کچھ نہ سوچا میں سرپٹ بھاگ اٹھا، زندگی میں شاید ہی میں پہلے کبھی اتنی تیز بھاگا ہوں گا لیکن وہ مجھ سے تیز نکلا۔ اس نے مجھے قبرستان کے قریب جالیا اور اس سے پہلے کہ میں بچاؤ کی کوئی اور ترکیب کرتا تو انچ لمبا چاقو میری گردن پر چبھنے لگا تھا اور یوں آخر مجھے وہاں بے حس ہو کر رکنا ہی پڑا۔

صحیح بات بتاؤں تو چاقو سے زیادہ اس پر لگے سیال مانع نے مجھے پریشان کر دیا تھا جو یقیناً میری گردن سے تو نہیں بہا تھا لیکن آگے کیا ہونے والا تھا اس خیال ہی سے گودہ میری ہڈیوں میں جھنکے گا۔  
”ذرا بھی حرکت نہیں..... ورنہ تم بھی.....“ وہ غرایا۔ یہ جملہ ایسا ایٹمی میٹم تھا جس سے میں کانپ اٹھا۔ بوڑھے کی آواز میں درندگی کی تیز اور کاٹ دار لہر موجزن تھی، وہ وہاں رات کے اس پل اس تنہائی میں ایک ویران سڑک پر میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا اور کوئی کبھی جان بھی نہ پاتا کہ وہاں ایک اکیلے شخص کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔

”تمہیں کیا چاہیے؟..... میرے پاس زیادہ پیسے نہیں بس کچھ ہی رقم باقی بچی ہے..... لیکن جو کچھ بھی موجود ہے میں تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں۔ چاقو میری گردن سے دور ہٹاؤ“ میں گھبراہٹ سے چلایا تھا۔ لیکن میری آواز کو اس لمحے جانے کیا ہو گیا

بڑھا دیا جو اتنا بڑھا کہ میری گردن پر لہو کی بریک سی لکیر بہہ لگی اور تکلیف سے میری آنکھوں میں آنسو اتر آئے، جسم کا نپٹنے لگا میں نے آنکھیں بند کیں اور دعا مانگنے لگا۔ اس کے اس مختصر سے جملے سے مجھے اندازہ ہوا کہ جنونی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ یقیناً تھوڑا بہت پڑھا لکھا بھی تھا۔

”مڑ جاؤ“.....

میں مڑ گیا۔ اس لمحے چاند کے سامنے آئی ہوئی بادلوں کی ٹکڑی اس سے پرے جا چکی تھی اور چاندنی میں ہم ایک دوسرے کو اب بخوبی دیکھ سکتے تھے، وہ لمبے قد کا ایک غیر معمولی جٹ والا ایسا انسان تھا جس کی زیادہ تر زندگی ضرور سخت قسم کی مشقت کرتے ہوئے گزری ہوگی۔ چہرہ غربت اور تنگ دستی کے انمٹ نشانوں سے چمک رہا تھا، اس نے اپنا چہرہ چھپانے کی چنداں ضرورت محسوس نہ کی، اس کے قبل از وقت سفید بالوں کو، چہرے کی کرخنگی، بدن کی پھرتی اور قدموں کی تیزی سے کچھ مناسبت نہ تھی۔ دائیں ہاتھ میں پکڑے چاقو کی چمک لہو کے نشانات کے باعث قدرے مدھم پڑ چکی تھی لیکن اب وہ پہلے سے بھی ڈراؤنا دکھائی دینے لگا تھا۔ میں نے چاقو کی دھارا اور بوڑھے کی آنکھوں میں اترے خون کو بھانپ کر ارد گرد بھاگنے کے لئے نظر دوڑائی لیکن جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہاں سے آسانی سے راہ فرار ممکن نہیں۔

”مجھے بتائیے اس تکلیف دہ صورت حال سے

چھٹکارے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا“ میں سسکا۔

”مجھے مت مارو..... میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میرے پاس جو کچھ ہے سب لے لو مجھے جانے دو“..... میں رو دینے والی آواز میں چلا اٹھا اس نے ابھی تک مجھ سے کسی قسم کی ڈیمانڈ نہ کی تھی جس سے اس کا دماغی توازن بگڑا ہونے اور صرف اپنے جنون کی تسکین کے لئے کسی کا خون بہانے کے خیال پر میرا یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا اور یہ ایک ایسی بات تھی جو راہ گیروں اور راہ چلتے لوگوں کو لوٹنے والوں کی کارگزاریوں سے کہیں زیادہ خطرناک تھی۔ ”دیکھو میں اتنی جلدی تمہاری ہلاکت نہیں چاہتا..... بشرط کہ تم وہی کرو جو میں چاہتا ہوں۔ زیادہ ہوشیاری دکھاؤ گے تو میں اپنے چاقو کی گارنٹی نہیں دیتا۔“

”تم کیا چاہتے ہو؟..... میرے پاس زیادہ کچھ نہیں تم تلاشی لے سکتے ہو۔ کچھ کاغذات ہیں جو تمہارے لئے بیکار ہی ہونگے اور بس تھوڑی سی رقم..... اور میرا اندازہ ہے کہ تم کم از کم اتنی چھوٹی سی رقم کے لئے تو میرے پیچھے چاقو لئے بھاگے چلے نہ آئے ہو گے..... اور جہاں تک میری یادداشت ساتھ دیتی ہے، ہم ایک دوسرے کو زندگی میں پہلی بار ملے ہیں اس لئے ماضی کا کوئی تنازعہ بھی میرے گمان میں نہیں..... جب میں راستے سے ہٹ کر قبرستان میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں چاقو کا دباؤ قابل برداشت رہ گیا تو ڈرتے ڈرتے بولا تھا۔ میرا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

”شرالاک ہومز نہ بنو“ اس نے چاقو کا دباؤ پھر



کیا کریں گے.....“ میں نے دستاویزات بھی سامنے موجود قبر پر رکھ دیں اور اسے دیکھنے لگا۔ اب میں وہاں سے بھاگنے کے بارے میں سوچنے لگا تھا لیکن وہ اس دوران اتنا چوکنا رہا تھا کہ مجھے اس کے جنونی ہونے پر بھی شک گزرا تھا۔ اس نے اب تک ایک معمولی موقع بھی ایسا مجھے نہ دیا کہ میں اس سے چھٹکارے کی کوشش کر سکتا۔

”دیکھو اگر جان عزیز ہے تو سب کچھ نیچے رکھ کر فوراً قبر کے قدموں کی طرف کھسک جاؤ تا کہ میں دیکھ سکوں کہ میری مطلوبہ شے مجھے ملے گی بھی یا نہیں.....“ میں نے اس کے کہنے پر بے چوں چراں عمل کیا لیکن میرے اندر اس کی بات نے یہاں میری پریشانی کو اور ہوا دی وہیں اندر ہی اندر تجسس نے بھی کروٹ لی۔ وہ بوڑھا جنونی شخص آخر ان دستاویزات کے بارے میں کیا جانے اور پھر وہ ان کا کرے گا بھی کیا..... میرا خیال نہیں تھا کہ اس کا کوئی گھر بار بھی ہو گا کیوں کہ کئی روز کے پہنے گندے بوسیدہ کپڑوں اور خود اس کی بے ترتیب جھاڑ جھنکار کی طرح بڑھی ڈاڑھی اور سب سے بڑھ کر اس کی ناگفتہ بہ حالت نے میرے اس خیال کو کافی تقویت دی تھی۔

”یہ یقیناً وہی ہیں، وہ کاغذات کو ماچس کی مدھم روشنی میں دیکھ کر اچھل پڑا، اس کی خوش دیدنی تھی..... میرا بیٹا خوش ہوگا..... وہ خوش ہوگا..... کیا وہ خوش ہوگا“۔ آخری سوالیہ جملہ اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ میں اس کا کیا

”جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے سب کچھ نکال کر اس قبر پر ڈھیری کر دو“ اس نے حکم دیا تھا۔ میں نے اپنی ساری پونجی جو اس وقت میرے پاس تھی حتیٰ کہ جیب میں موجود آخری پائی تک نکال کر اس کے سامنے ڈھیری کر دی لیکن کمال ہوشیاری سے دستاویزات کو اپنے ہاتھوں میں ہی تھامے رکھا۔ اس نے مجھے ماچس روشن کرنے کو کہا اور ان اشیاء کو ٹٹولنے لگا جو میں نے زمین پر ڈالی تھیں، اس نے قبر پر موجود رقم کو مطلق نہ چھوا۔ جب جلتی ہوئی تیلی میری انگلیوں کو جلانے لگی تو میں نے اسے پھینک دیا اور ایسا کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا جیسے ماچس کی مدھم روشنی میں زمین پڑی رقم کی بجائے اس کی نظریں ان دستاویزات پر لگیں تھیں جو میرے ہاتھ میں تھیں۔

”تم نے ساری چیزیں زمین پر نہیں پھینکیں“ اس کا اشارہ واضح تھا، وہ بھنا اٹھا اور گردن پر دباؤ بڑھتے ہی میری دوبارہ اسے چنچ نکل گئی۔

”دیکھو یہ نا تو کوئی ایسے کاغذات ہیں جن کی مارکیٹ میں کوئی قیمت ہے اور نہ ہی قیمتی بانڈز یا اسی طرح کی کوئی شے..... یہ تو بس.....“ میں کہتے کہتے رک گیا۔

”بکواس نہ کرو..... میں سب جانتا ہوں۔ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے سب باہر نکالو اور نہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا.....“

”یہ..... یہ ہم جیبوں کے لئے تو بیکار شے ہی ہے حضور..... کاغذ کے چند ٹکڑے..... آپ ان کا

”یہ کاغذات میں نے اپنی گزشتہ زندگی کی ساری جمع شدہ پونجی کا ایک بڑا حصہ خرچ کر کے حاصل کیے ہیں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک استاد کی تنخواہ سے زیادہ ہلکی اور پاک روزی کس کی ہو سکتی ہے، اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ اگر آپ کو یا آپ کے بیٹے کو ان دستاویزات کی ضرورت ہے تو انہیں آپ یونہی رکھ لیجئے اور مجھے بس اپنے بچے کے لئے اس کی ایک عدد فوٹو کا پی دے دیجئے، ہم اسی سے کام چلا لیں گے اور جاتے جاتے مجھے یہ بھی بتا دیجئے کہ اس کا کیا ہوا..... اس ہٹل والے مہمان کا جسے میں یہ بریف کیس معاوضے کی صورت دے کر آیا تھا۔“

”فوٹو کا پی..... موت کی فوٹو کا پی مانگ رہے ہو ماسٹر..... پڑھ لکھے ہو کر..... ایک استاد ہو کر جس کا کام ہی ساری زندگی بچوں کو امین رہنے کا درس دینا اور دیانت سیکھانا ہے..... اس حرام زادے کی طرح تم بھی نہیں سمجھ رہے ہو ماسٹر..... آخر تم جیسے سبھی بڑے، سامنے کی یہ سادہ سی چند باتیں بھی کیوں نہیں سمجھ پارہے ہو۔ ویر پو..... بچوں کے لئے ان کا مستقبل ہی سب کچھ ہوتا ہے..... زندگی موت کی بازی..... بغیر انصاف کے وہ زندگی سے زیادہ موت کے قریب چلے جاتے ہیں۔ انہیں مسابقت کی دوڑ دوڑنے دو..... ادھر ادھر سے حرامزدگی مت کرو..... انہیں آگے بڑھنے دو سب اپنے ہی ہیں کوئی بگاڑ نہیں..... جو آگے نکل جاتا ہے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومو..... اور پیچھے رہ جانے والے کا حوصلہ بڑھاؤ..... انہیں محنت کا راستہ

جواب دیتا..... میرے تو پلے ہی کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ ایک بوڑھا جو کسی کی گردن پر ابھی چاقو چلا کر آیا تھا اور پھر اس نے وہی چاقو میری گردن پر بھی رکھ چھوڑا تھا..... ایسا اس نے اپنے بیٹے کے لئے کیا تھا اور ان کاغذات کے لئے.....

”تمہیں ان کاغذات کی کیوں ضرورت ہے“  
”مجھے نہیں شاید میرے بیٹے کو ہوگی..... اسے ضرور ہوگی..... مجھے تو اس نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ خود ہی خود اپنے طور پر فیصلہ کر لیا۔ میرے بارے میں تو سوچا ہی نہیں کچھ اس نے۔ کیسے اکیلا رہوں گا..... کیسے جیوں گا۔ جینے کے لئے کوئی سہارا تو چاہے ناں..... چاہیے ناں۔“ اس نے چاقو مضبوطی سے تھام کر مجھے سے پوچھا تھا..... میں اس کی آنکھوں میں بسیرا کیے ہوئے جذبات میں رچی وحشت، درندگی یا بھرنا جیسی کوئی شے دیکھ کر چپکے سے کچھ اور دور کھسک گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں ان کاغذات کو پا کر شاید اسے اتنی خوشی نہ ہو لیکن کسی برے شخص کے انجام پر ضرور اسے راحت ہوگی..... وہ خوش ہو جائے گا..... اس نے کاغذات کو اپنی شلوار کے نیفے میں اٹلے سیدھے انداز میں ٹھونکتے ہوئے چاقو کی دھار پر انگلی پھیری تھی۔ اسے ایسا کرتے دیکھ کر ایک بار پھر میں گھبرا گیا اور مجھے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی عجیب سنی بوڑھا تھا پل میں کچھ اگلے پل کچھ۔“  
”دیکھیے.....“ میں نے اپنی دانست میں آخری بات کہہ دی۔

دکھلاؤ حرامزدگی کا نہیں۔“ میں حیرت سے اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا، وہ کون تھا؟..... ہاتھ میں خون آلود چاقو پکڑے کیا کہہ رہا تھا؟.....

”میرے بیٹے کو شاید ان کا غذات کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ یہاں سے دور چلا گیا ہے مجھ سے ناراض ہو کر..... نہیں ہم سب سے ناراض ہو کر.....“

”اگر اسے ان کی ضرورت نہیں رہی تو.....“ بیقراری سے بولتے ہوئے ابھی میرا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا اس نے چاقو عین میری آنکھوں کے قریب لا کر مجھے جھکنے کے لئے کہا۔

”نیچے جھکو.....“ میں گھٹنوں کے بل جھک گیا اس نے میرے بال مٹھی میں بکڑ کر میرے سر کو قبر کے کتبے سے لگا دیا۔ جب اس نے یہ الفاظ کہے تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی، پھر مجھے اس کے رونے کی آواز آئی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ سنگ دل انسان تھا یا پھر اسے اپنے آپ پر غیر معمولی ضبط تھا، مگر اس کی حالت دگرگوں تھی کیونکہ میں نے ایسا درناک منظر زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پھر وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ رات کے اس پل ویران قبرستان میں اس کی آواز کسی بدروح کی چیخ کی مانند لگ رہی تھی اور روتے ہوئے اس کا چاقو میرے اتنے نزدیک آ گیا تھا کہ میری پلکوں کو چھونے لگا تھا۔ میں نے گھبراہٹ میں آنکھیں بند کر لیں۔

”آنکھیں کھولو ماسٹر..... پوری طرح کھولو

آنکھیں۔۔۔ ورنہ میں تمہارے ڈیلے نکال کر یہاں ڈھیر کر دوں گا اس کے قدموں میں ابھی کے ابھی..... دیکھو وہ یہاں سویا ہوا ہے میرا بیٹا۔ بن ماں کا لاڈ پیار سے پالا ہوا بیٹا۔ جوان اور فطین۔ اسے تو سارا پرچہ آتا تھا لیکن نقل نہ کروانے کی کیا اتنی بڑی سزا۔ سبھی ملے ہوئے تھے وہاں۔ اس نے جس لڑکے کی شکایت کی اسے کمرہ امتحان سے نکال دیا گیا۔ جب میرا بیٹا امتحان گاہ سے باہر نکلا تو ظالموں نے اس کا پیٹ ایسے چاک کیا کہ انتڑیاں باہر لٹک گئیں، مرنے تک بھی وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے کیا کیا کہ جس کی اتنی بڑی سزا ملی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، کیا مرتے ہوئے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھنا کسی باپ کے لئے آسان ہوتا ہے۔ اس روز اس کے ساتھ ساتھ میں بھی مر گیا..... جسے تم دیکھ رہے وہ زندہ انسان نہیں بس ایک لاش ہے۔ اسے کسی ایک لڑکے نے نہیں مارا بلکہ ہم سب برے لوگوں نے مل جل کر مارا ہے۔ یوں اب وہ ان امتحانی پرچوں سے بے نیاز ہو چکا ہے جنہیں تم اپنے بیٹے کے لئے خرید کر لائے ہو..... جیسے تم کسی اور کے بیٹے کی موت خرید کر لائے ہو اسی طرح کسی دوسرے نے میرے بیٹے کی موت کو خرید لیا تھا۔ ہم سب برے ہیں، کوئی کم کوئی زیادہ..... میں کہتا ہوں اپنی آنکھیں کھولو..... اور کھولو..... اور..... اور..... اتنی زیادہ کھولو کہ وہ تمہیں ڈھیروں مٹی تلے دبا صاف دکھائی دینے لگے.....“ میرا وجود انجانے دباؤ سے کپکپانے لگا، میری آنکھیں خود بخود اتنی کھل گئیں

وہیں زمین پر پڑا چھوڑ کر چل دیا۔ رقم سے بھرا بریف کیس میرے سامنے جلائے گئے کاغذات کی راکھ میں پڑا تھا، جسے وہ یقیناً میرے لئے چھوڑ گیا تھا۔ اس کے اس عمل سے میرے بدن میں اُمید کی کرن نے جنم لیا جس سے میرے استعجاب کو تحریک ملی۔ اور میں کہہ اٹھا

”اس کا کیا حشر ہوا“

”وہی جو بالعموم ایسے پلید لوگوں کا ہوا کرتا ہے۔ اس حرام زادے کی موت تو طے تھی۔ یہاں آئے دن روزانہ دھماکوں میں ان گنت بے گناہ اور معصوم انسان مارے جاتے ہیں جنہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، ایسے میں ان کے پیچھے پیچھے چند پلید اور پاپی بھی چلے جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے.....“

پھر جاتے جاتے وہ اچانک رکا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، اس کی تیز نگاہ اندر روح تک اترتی چلی جا رہی تھی..... میرے چہرے پر استعجاب اور استفسار کی جھلک تھی۔

”سنو ماسٹر! تم ایک شریف انسان ہو..... ایک استاد..... جاؤ اپنے حصے کا دیا جلاؤ دوست..... بچے کو سیدھا راستہ دیکھاؤ..... اور اس جیسے سارے کے سارے حرام خوروں کو میرے چاقو کے لئے رہنے دو“۔ ایسا کہتے ہوئے اس کی جنونی آنکھوں میں دوبارہ سے خون اتر آیا تھا اور چاقو پر اس کی گرفت پہلے سے بھی مضبوط تر ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

جب تنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہ کھلیں تھیں، مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں میرے باہر کو پھیلے ڈیلے اس لمحے قبر پر ہی نہ ڈھلک جائیں..... مجھے کچھ بھجائی نہ دیا کہ میں اس لمحے بوڑھے کے دکھ پر نوحہ گریں یا پھر اپنی حالت زار پر گریہ کروں۔

”وہ تمہیں نظر آیا.....“ وہ جنونی انداز سے چاقو کا دباؤ بڑھاتے ہوئے چلایا۔

”ہاں..... ہاں..... میں اسے اب دیکھ سکتا ہوں..... وہ تو بہت جوان اور پیارا سا ہے اور دیکھو تو اس کی داڑھی تو نئی نئی پونگری ہے“ میں نہیں جانتا اس جملے نے میرے اندر کہاں جنم لیا تھا۔ دل میں یا میری آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں میں۔ میری آنکھوں میں جانے کیوں آنسو جاری ہو گئے تھے..... یہ نہیں کہ میں رونے لگا تھا۔ بس یونہی آنسو سے تھے وہاں..... لاحول ولا قوۃ کیسا احق پرن تھا جس شخص کی وجہ سے میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا اس کے بیٹے کے لئے آنسو..... لیکن میرا دل انجانے غم کے بوجھ سے دبا جا رہا تھا اور اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو رنج کے مارے اس دنیا کو ہی خیر باد کہہ چکا ہوتا۔ میرے باہر کو ڈھلکے نمناک ڈیلوں میں موجود ایک جوان عکس کو باپ نے دور سے ہی دیکھ لیا اور پھر اچانک اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ بیٹے سے بے انتہا محبت اور حالات کی ستم ظریفی نے اس لمحے بوڑھے کو بذات خود ایک زندہ لاش بنا کے رکھ چھوڑا تھا۔ پھر میرے ہاتھ سے ماچس لے کر اس نے خاموشی سے ان کاغذات کو آگ دکھائی اور مجھے

# قدر دان

فرجی نعیم

شہزاد نے بھی سنجیدگی سے کہا۔  
 ”لیکن میں فیصلہ نہیں کر پارہا بہت کڑا امتحان  
 ہے یار، پوری زندگی کا معاملہ، اف!!“  
 وہ سر ہاتھوں میں ڈال کر بیٹھ گیا۔ کس دور ہے  
 پر تھا وہ، یہ کوئی اُس سے پوچھتا۔  
 ”یا اللہ میری مدد کر“ ایان زیر لب بولا تھا اور  
 شہزاد اُسے ہمدردی سے دیکھنے لگا۔  
 قسمت نے اُسے کہاں لا کر کھڑا کیا تھا۔ وہ  
 اچھی طرح اس کشمکش کو سمجھ رہا تھا جس سے آج کل  
 ایان گزر رہا تھا اور آج بھی وہ اُسے ایک فیصلہ کی  
 جانب لانے کیلئے موجود تھا۔

☆.....☆.....☆

خدیجہ نے کوفتوں اور پلاؤ کی ٹرے دسترخوان  
 پر رکھی اور دونوں بچوں کو آواز لگائی:  
 ”اب آ بھی جاؤ کھانا لگ گیا۔“ ایک نظر اُس  
 نے دسترخوان پر چنے برتنوں کو دیکھا پھر مطمئن انداز  
 میں سر ہلایا اور بوتل سے گلاس میں پانی نکالا اتنے

آخر کب تک تم اپنی صورت بگاڑ کر بیٹھے  
 رہو گے، زہر لگ رہے ہو اور گر پانچ منٹ کے اندر تم  
 نے اپنی شکل درست نہ کی تو میں چلا جاؤں گا۔  
 شہزاد نے دھمکی آمیز لہجے میں ایان سے کہا اور  
 غور سے گھڑی کی سوئیوں کو دیکھنے لگا۔ ”چار منٹ رہ  
 گئے“ ایک منٹ بعد اس نے آواز لگائی۔ تین منٹ،  
 دو منٹ.....“ اب کے اس نے بلند آواز میں کہا اور  
 اس سے پہلے کہ وہ ایک منٹ کہہ کر جانے کیلئے کھڑا  
 ہوتا۔ ایان نے پاس پڑا کٹن اس پر دے مارا۔  
 ”یہ کس لئے بھی؟“.....؟ شہزاد نے کشن کو  
 مہارت سے کچھ کرتے ہوئے اپنی بغل میں دبایا۔  
 ”بکواس نہ کر تم کو معلوم ہے نائیں کتنا پریشان  
 ہوں.....؟“ وہ چہرے کے تاثرات بشکل نارمل  
 کرتے ہوئے بولا۔ ”ایسا لگتا ہے کہ ہوا میں معلق  
 ہوں۔“  
 ”تو میں تم کو زمین پر واپس لا تو رہا ہوں۔ تم کو  
 فیصلہ کرنے میں مدد تو دے رہا ہوں۔“ اب کے

میں سہیل اور عفر ا بھی آچکے تھے۔

اپنے ہی برادری کے ہیں، اُن کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ انہیں بھی عفر ا پسند آئی ہے۔“  
 ”ہوں.....“ سعود نے بے نیازی سے سنا اور اخبار کا صفحہ پلٹا۔

”آپ سن رہے ہیں نا، اب اگر یہ رشتہ آگیا اور اس میں کس قسم کی کوئی کمی نہ ہوئی تو یقین جانیں میں ہاں کر دوں گی.....“

خدیجہ میاں کے توجہ نہ دینے پر تلملائی۔  
 ”میری اور عفر ا کی مرضی کے بغیر.....؟“  
 ”انہوں نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔  
 ”جی ہاں“ خدیجہ نے ناراضگی سے اپنی بات چبا کر کہا۔

”ارے بھی آخر تمہیں اتنی جلدی کیا ہے۔ اس کو گریجویشن تو کرنے دو، تم کو معلوم ہے نا وہ پڑھائی کے معاملے میں کتنی حساس ہے۔ وہ ماسٹرز کرنا چاہتی ہے تو تم کیوں اُس کے راستے کے رکاوٹ بن رہی ہو، پچھلے سال بھر سے تم کو اس کی شادی کرنے کا بھوت سوار ہو چکا ہے ہر دوسرے رشتے پر تم ہاں کرنے کیلئے تیار ہو جاتی ہو۔ ابھی میری بیٹی بیس سال کی بھی نہیں ہوئی۔ جب تک عفر ا شادی کیلئے تیار نہیں ہوگی۔ مجھے اس کی شادی نہیں کرنی۔“ سعود نے جیسے دو ٹوک بات کی۔

”بہت خوب !! وہ تو کہتی ہے مجھے ماسٹرز کے بعد، ایم فل کرنا ہے، پی ایچ ڈی کرنا ہے تو کیا اس کی عمر ہی اسی طرح گنوادیں۔ بس لڑکیوں کو اتنی تعلیم کی بھی ضرورت نہیں۔“ خدیجہ نے منہ چڑھا لیا تھا۔

”چلو بیٹا بسم اللہ کرو“۔ سعود نے بھی کہتے ہوئے اپنی پلیٹ میں چاول نکالے اور پھر چاروں ادھر ادھر کی بات چیت کے درمیان کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے دوران خدیجہ، سعود اور عفر ا کے درمیان ہونے والی نوک جھونک پر زیر لب مسکراتی رہی۔ سعود، اکلوتی بیٹی کے بہت لاڈ اُٹھاتے تھے، اگرچہ اکلوتا تو سہیل بھی تھا۔ لیکن عفر ا کے مقابلے میں وہ زیرو ہو جاتا۔ عفر ا تو باپ کی چیمٹی تھی بلکہ بقول سہیل کے چمچی، بلکہ کتنی دفعہ تو خدیجہ کو بھی لگتا ہے کہ عفر ا وہ طوطا ہے جس میں سعود کی جان بند ہے۔

عفر ا کوئی فرمائش کرے یا ضد، بہت مجبوری کے علاوہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ سعود نے عفر ا کی ضد کو رد کیا ہو یا کسی فرمائش کو نالا ہو اور آج جو بات خدیجہ، میاں سے کرنے لگی تھی اُس میں بھی عفر ا کی ضد ہی رکاوٹ بنتی نظر آ رہی تھی لیکن آج خدیجہ نے بھی تہیہ کر لیا تھا وہ بھی میاں سی اپنی منوا کر رہے گی۔ کھانے کے بعد عفر ا نے ماں کے ساتھ کھانا سمٹوایا اور پھر کچھ دیر بات چیت کے بعد دونوں اپنے کمروں کی طرف چل پڑے کہ امتحانات نزدیک تھے اور تیاری کرنی تھی، سعود کھانے کے بعد اب صبح کا اخبار دیکھ رہے تھے کہ خدیجہ نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

”آج چند خواتین آئیں تھیں اپنی عفر ا کیلئے مجھے تو لوگ بہت اچھے لگے، شریف، سلجھے ہوئے،

میاں کی ایسی طرفداری، بیٹی کیلئے کبھی کبھی تو خدیجہ کو بڑانا گوارا کرتی۔

”یہ کیسی باتیں کر رہی ہو، تعلیم کی ضرورت تو قدم قدم پر ہوتی ہے۔ فی حال ابھی اس کا بی، ایس، سی مکمل ہونے دو اور اس کو بھی یکسوئی پڑھنے دو۔“

”اچھے رشتے بھی عمر کے ساتھ آتے ہیں، آپ کم از کم ان لوگوں سے مل تو لیں۔ اگر نصیب میں ہوگا تو..... لیکن اگر رشتہ آیا تو میں فوراً انکار نہیں کروں گی۔“ خدیجہ نے میاں کو خبردار کیا۔

”اللہ مالک ہے، جو نصیب میں ہوگا وہ اُسے مل کر رہے گا۔“ سعود نے بات مکمل کی ورنہ ان کو معلوم تھا کہ خدیجہ کے ساتھ پھر بحث لمبی ہو جانی ہے۔ عفرہ کا بھی بی، ایس، سی فائنل چل رہا ہے تھا اور پچھلے دو سال سے اُس کیلئے بڑے اچھے رشتے بھی آئے لیکن عفرہ کے خواب تو بہت اونچے تھے۔ ماں سے نہیں تو باپ سے اُس نے کہہ دیا تھا وہ پڑھے گی اور جب تک اس کی تعلیم مکمل نہ ہو جائے اس گھر میں اس کی شادی کا ذکر نہ کیا جائے۔ باپ نے تو بیٹی کی بات پر فوراً گردن ہلا کر اُسکے حق میں اپنا تائیدی بیان دے دیا لیکن ماں، بیٹی کو آنکھیں دکھا کر رہ گئی تھی۔

کتنا سمجھایا کہ بیٹی ایسے رشتے پھر نہ آئیں گے۔ لیکن بیٹی بھی اپنی ضد کی پکی تھی۔ یوں پچھلے دو سال میں خدیجہ نے کئی رشتوں کو صرف بیٹی کی کم عمری کا بہانہ کر کے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اب وہ مزید اللہ کی ناشکری نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے خاندان کی ہی کتنی لڑکیاں عمر گزرنے کی وجہ سے، یا اچھے رشتے کی

آس میں والدین کی دہلیز پر ہی بیٹھی رہ گئیں تھیں۔

☆.....☆.....☆

اور پھر خدیجہ کی توقع کے عین مطابق اگلے ہفتے ہی راحیل کے والدین عفرہ کا رشہ لے آئے تھے۔ راحیل پڑھا لکھا، سمجھدار لڑکا تھا۔ دوائیوں کی ایک کمپنی میں بڑے اچھے عہدے پر تھے۔ دیندار گھرانہ تھا۔ خدیجہ کو راحیل کی والدہ، بہنیں، اور پھوپھی سے ملاقات کر کے دلی خوش ہوئی تھی، وہ اپنی بیٹی کیلئے ایسے ہی تو نیک سلجھ ہوئے لوگ چاہتی تھی اور پھر جب اس نے زبردستی کر کے میاں کو راحیل سے ملنے اس کے آفس بھیجا تو سعود بھی راحیل سے بے حد متاثر ہوئے۔ سعود، اپنے بڑے بھائی کو بھی ساتھ لے گئے تھے اور یہ خدیجہ کے حق میں تو کم از کم اچھا ہی ہوا تو بھائی صاحب نے واپسی کے سارے راستے میں بھائی سے راحیل کی تعریف ہی کی، اتفاق سے اُس آفس میں بھائی صاحب کے جانے والے بھی مل گئے تھے، انہوں نے بھی راحیل کے کردار و اخلاق کی تعریف کی اور یوں سعود بھی بھائی سے کسی قسم کا اختلاف نہ کر سکے۔ اب ایک طرف تو اُسے اچھے رشتہ کو مسترد کرنا بھی مناسب نہ لگ رہا تھا تو دوسری طرف بیٹی کی مرضی بھی ضروری تھی۔ سعود اچھی خاصی مشکل میں گرفتار تھے کہ کریں تو کیا کریں۔

☆.....☆.....☆

پھر بمشکل، عفرہ کو تیار کیا گیا کہ کم از کم منگنی کر لو، شادی تمہارے امتحانات کے بعد کریں گے لیکن

خدیجہ بھی نظریں چرا کر رہ گئی۔

بیٹا تمہارے امتحانوں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن حج سے بڑھ کر تو نہیں ہو سکتے نا اور پھر دیکھ یہ تو تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم اتنی کم عمری میں اس فرض کو بھی ادا کر لو گی۔ ورنہ لوگ تو بوڑھے ہو جاتے ہیں حج کی خواہش میں۔ سعود بیٹی کو محبت سے آہستہ آہستہ تھپک رہے تھے، میں راحیل سے وعدہ لوں گا کہ شادی کے بعد میری بیٹی کو امتحان ضرور دلوانے ہیں تمہاری امی بھی راحیل سے کہہ دیں گی۔ اب خوش۔ بس موڈ ٹھیک کرو۔ دیکھو تم کو معلوم ہے نا، تمہاری اس ناراض صورت کو میں بالکل برداشت نہیں کر سکتا۔ اپنے بابا کا تو کہنا مانو گی نا! سعود نے کچھ اتنے مان سے کہا کہ عفر ا کو سر ہلاتے ہی بنی اور پھر چار ماہ بعد ہی عفر ا راحیل کے ساتھ اُس کے آنگن میں خوشیاں بکھیرنے چلی آئی لیکن یہ نہ جانتی تھی کہ یہ خوشیاں بہت مختصر ہیں۔

☆.....☆.....☆

شادی کے بعد نہ صرف عفر ا اپنے سسرال والوں اور راحیل کے ساتھ خوش اور مطمئن زندگی گزار رہی تھی بلکہ عفر ا کے چہرے پر آسودگی دیکھ کر سعود اور خدیجہ بھی سرشار تھے۔ پڑھائی مکمل نہ ہونے کا احساس، راحیل کی خوشگوار سنگت میں تقریباً مٹ ہی چکا تھا اور پھر راحیل کے ساتھ حج جیسی سعادت کا حاصل ہونا تا، عفر ا کو ایسا محسوس ہوتا کہ اُس نے بڑی قیمتی دولت پالی۔ وہ راحیل کے ساتھ اپنی زندگی میں مگن تھی کہ ایک حادثے میں راحیل

اتنے اچھے رشتے کو انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک پڑھائی ہے وہ شادی کے بعد ممکن ہو تو کر لینا۔ آخر وہ دھو کر عفر ا منگنی پر راضی ہو گئیں۔ سعود بھی بیٹی کی محبت میں خاموش تھے لیکن رشتے کو قبول کرنے وہ بھی خواہشمند تھے اور یوں منگنی کی تاریخ طے ہو گئی۔ لیکن جب شادی کی تاریخ طے کرنے کا وقت آیا، تو راحیل کی والدہ آٹھ ماہ انتظار کرنے کے حق میں نہ تھیں۔

”عفر ا کے امتحان ہو جائیں پھر ہم سکون سے شادی کریں گے۔ امتحان کے دوران وہ کیسے شادی کی تیاری کر سکے گی اور پھر میں نے اُس سے وعدہ بھی.....“ خدیجہ سٹپٹا گئی تھی۔

اصل میں راحیل کے والد چاہتے ہیں کہ شادی کے فوراً بعد دونوں اسی سال حج پر بھی چلے جائیں اب جب شادی ہم آٹھ ماہ بعد رکھیں گے۔ تو جب تک تو حج درخواستیں بھی چلی جائیں گی پھر بات اگلے سال پر جائے گی اور میرے میاں چاہتے ہیں کہ یہ فرض بھی جلد ادا ہو جائے۔“

راحیل کی والدہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھیں تو خدیجہ اب آنے والی صورتحال کو تصور میں لا رہی تھیں کہ عفر ا کا رد عمل اب کیا ہوگا اور پھر وہی ہوا عفر ا تو ناراض ہی ہو کر رہ گئی، اُس نے اپنی کتابیں اٹھا کر الماری میں رکھ دیں۔ اور ناراضگی سے گویا ہوئی: ”بس آپ لوگ اب میری شادی اگلے مہینے ہی رکھ دیں۔ منگنی کی بھی ضرورت نہیں۔ باپ نے اس بات پر اگرچہ بیٹی کو گلے سے لگایا“..... تو



ہی گزار رہی تھی۔ اگرچہ ساس، عدت کی مدت اُسے اپنے گھر میں ہی رکھنا چاہتی تھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئیں تھیں۔ کیونکہ گھر میں راحیل سے چھوٹے بھائی بھی موجود تھے ایک جاب کرتا تھا اور دوسرا پڑھ رہا تھا لیکن اُن کو یہ احساس تھا کہ پردے کی وجہ سے عفر اُن کے گھر غیر آرام دہ رہے گی۔

یوں ہی اُنہوں نے اس کو عدت کیلئے میکہ تو بھیج دیا تھا، لیکن اُن کا ارادہ اُس کو واپس اپنے گھر لانے کا تھا۔ مگر کیسے.....؟

☆.....☆.....☆

”آپ نے کچھ سوچا ہے عفر! کے بارے میں؟ اُس کی آئندہ زندگی کے بارے میں.....؟“ راحیل کی والدہ انیسہ بیگم اپنے شوہر ضمیر صاحب سے پوچھ رہی تھیں جو کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، ہوں! وہ چونکہ ”عفر! کے بارے میں اب ہم کیا سوچیں گے۔ اس کے والدین سوچیں گے ہماری وہ بہو تھی بیٹے کے جانے کے بعد وہ رشتہ بھی..... مرحوم کا مسکراتا چہرہ اُن کی نظروں کے آگے آگیا تھا۔ ویسے بھی جوان، تروتازہ بیٹا اتنے جلدی تو نہیں بھلایا جاسکتا تھا۔

”خیر ممکن تو ہے بہو کا رشتہ ایک دفعہ پھر قائم ہو سکتا ہے۔“ وہ کچھ معنی خیزی سے بولیں تھیں۔

”کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟“ تمہارا مطب کہیں..... ضمیر صاحب ہاتھ سے کتاب رکھ کر اب حیران نظروں سے بیوی کو دیکھ رہے تھے۔

”جی میرا مطلب وہی ہے عفر! بحیثیت بہو،

اس کا ساتھ چھوڑ گیا تھا، نہ جانے اچانک کیا ہوا تھا وہ تو ہنستا مسکراتا اُسے الوداع کر کے گیا تھا کہ راستے میں اس کی آفس وین ایک ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئی۔ چند اور لوگوں کے ساتھ راحیل بھی شدید زخمی ہوا تھا اور ہسپتال پہنچنے تک اُس کے جسم اور روح کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔

صدمہ نہ صرف بہت بڑا اور جانکاہ تھا بلکہ اچانک تھا۔ عفر!، راحیل کی والدہ، بہنیں اور عفر! کے امی ابوسب ہی کیلئے اس صدمہ کو برداشت کرنا، ناممکن ہو رہا تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر عفر! اُس کیلئے راحیل کی جدائی کی اذیت جھیلنا، برداشت سے باہر تھا۔ کتنے ہی دن وہ اپنے حواسوں میں نہ رہی۔ اُسے سکون اور ادویات کے سہارے نیند کی وادیوں میں گم رکھا گیا۔ لیکن آخر کب تک۔ اس حقیقت کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔ وہ جو راحیل کی سگت میں مسرتوں کے جھولوں میں جھول رہی تھی۔ منہ کے بل گری تھی۔ جس میں جسم کے ساتھ روح بھی چکنا چور ہو گئی تھی۔ دل تو چاہتا تھا کہ راحیل کے پاس ہی چلے جائے لیکن یہ اُس کے اختیار سے باہر تھا اور پھر وقت جس کو سب سے بڑا امر ہم کہتے ہیں، اس نے آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اب کھانے بھی لگی تھی اور پینے بھی۔ روتے روتے نیند بھی آجاتی، ماں، ساس، نندیں سب ہی اپنا غم بھول کر ہر وقت اس کی دل جوئی میں لگی رہتیں۔ ساس، نندیں، ہر دوسرے تیسرے دن اس کے پاس آجاتی تھی۔ کیونکہ وہ عدت کے دن اپنے میکے میں

اپنے فیصلے میں آزاد ہو۔ ابھی تو اس کی عدت ختم ہوئی ہے۔ کوئی ایسی جلدی تو نہیں لیکن تم ہفتہ، دس میں مجھے اپنی مرضی سے آگاہ کر دینا۔“ امی منانت سے کہہ کر اس کا کندھا تھکتی کمرے سے چلی گئیں اور ایان کو ایک عجیب الجھن میں مبتلا کر گئیں۔

اور اس کے بعد ایان کیلئے یہ وقت زندگی کا سب سے کٹھن وقت تھا۔ وہ جب عفرہ کو بیوی کی حیثیت سے سوچتا تو کھٹ سے پیارے بھائی راحیل کی شکل آنکھوں کے سامنے آ جاتی اور ساتھ ہی سچی بنی عفرہ جو راحیل کے ساتھ تو اچھی لگتی تھی لیکن اب کیا وہ بھی، ایان کو دیور کے بجائے شوہر کا مقام دل سے دے سکے گی؟ یہ ایک انتہائی مشکل اور سخت قسم کا سوال تھا اور اس کا جواب ایان، حل نہ کر پارہا تھا، جب ہی اُس نے اپنے دوست شہزاد کی مدد لی تھی کہ وہی اس مسئلے کو سلجھانے میں اس کی مدد کرے اور شہزاد کے نزدیک تو یہ بہترین حل تھا۔

”یار انٹی نے تو بہت ہی بہترین سلوشن نکالا ہے، تم کو ایک اچھی اور نیک سیرت بیوی اور ان کو تو اپنی بہو واپس مل ہی جائے گی، ساتھ ایک بیوہ کی زندگی کی خوشیاں جو اچانک اُس سے چھین گئیں تھیں وہ بھی مل رہی ہیں۔ سمجھ تو سب کو ہی اپنی گم گشتہ جنت مل رہی ہے۔“ شہزاد کچھ زیادہ ہی بولتا چلا گیا تھا۔

”لیکن یار.....! ہمارے درمیان پچھلے سال سے جو رشتہ تھا اب اسکی حیثیت مختلف ہوگی؟ کیا میں وہ ہم ایک دوسرے کو دل سے وہ مقام دے سکیں گے ایان پھر الجھا۔“

ہمارے گھر کیلئے بہت اچھی ثابت ہوئی تھی۔ ہمیں اُس سے اس ایک سال میں کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ اس دوران اولادی سلسلہ بھی نہیں چلا۔ شاید اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ ایان کی دلہن بنالوں۔“ انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیا ایان سے بات کی؟ وہ راضی ہے اور عفرہ کے والدین وہ.....؟“

”ابھی تو میں آپ سے مشورہ کر رہی ہوں اگر آپ تیار ہیں تو ایان سے بات کروں گی اور جہاں تک عفرہ کے والدین کا تعلق ہے تو اُن سے بھی بات کی جائے گی میرے خیال سے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے انہیں تو خوشی ہوگی کہ بیٹی کا گھر پھر بس رہا ہے۔“

”تم سوچ سمجھ لو مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔“ میاں کی اجازت کے بعد اب مرحلہ بیٹے سے بات کرنے کا تھا اور ایان سے بات کی تو وہ کتنی ہی دیر متحیر نظروں سے ماں کو دیکھتا رہا۔

”امی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں میں بھابی سے.....!“

بنیاتم اچھی طرح سوچ سمجھ لو، تم پر کوئی زبردستی نہیں، تمہیں مکمل اجازت ہے کہ اپنی مرضی سے فیصلہ کرو۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ عفرہ کا گھر بس جائے۔ اتنی پیاری بچی ہے وہ اُسے زندگی کی خوشیاں دوبارہ مل جائیں تو کیوں نایہ خوشیاں ایک دفعہ پھر ہمارے توسط سے ہی اُسے مل جائیں۔ تم

”میں آپ کی اس محبت پیارا اور خلوص کی قدر کرتی ہوں کہ آپ ایک دفعہ پھر میری بیٹی کو، اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں لیکن میں عفر ا کی رضامندی کو بھی مدنظر رکھوں گی۔“ خدیجہ نے فیصلہ بیٹی کے اوپر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کی بیٹی انہیں مایوس نہ کرے گی۔ اور پھر ایک دفعہ پھر خدیجہ نے اُس کی ساس کے سوالی بن کر آنے کا مدعا بیٹی کے سامنے رکھا۔

”میری بیٹی انکار کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ ایسے قدر دان بے لوث اور محبت کرنے والے لوگ اب دنیا میں بس خال خال رہ گئے ہیں۔“ عفر ا یہ سن کر آنسو بھرے چہرے کو گھٹنوں پر رکھتے ہوئے تھکے تھکے انداز میں سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ امی ابھی تو راحیل کا غم تازہ ہے پلیز آپ لوگ ابھی مجھے ڈسٹرب نہ کریں

ہم تمہیں اس غم سے ہی تو نکالنا چاہتے ہیں یہ تنہائی اور سوچیں تم کو بیمار کر دیں گی، ہم چاہتے ہیں تم ایک دفعہ پھر زندگی کی خوشیوں کو حاصل کرو۔“

اور والدین کے اصرار کے آگے عفر ا ایک دفعہ پھر مجبور ہو گئی تھی، اُس نے راحیل کی یادوں کو دل کے ایک کونے میں محفوظ کرتے ہوئے حامی بھر لی تھی۔ والدین کی خوشیوں کے خاطر، اپنے ساس سر کے چہرے پر دوبارہ مسکراہٹ لانے کی خاطر، اس نے اپنے دل سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔“

☆.....☆.....☆

”دیکھو! یہ وقت جو ہے نا اگرچہ دکھائی نہیں دیتا لیکن ”دکھا“ بہت کچھ دیتا ہے، یہ بھی وقت اور حالات کا تقاضہ ہے جب تم لوگ ایک رشتہ میں بندھو گے تو خود بخود احساسات تبدیل ہوں گے اور ایسی بہت سی مثالیں، ہمارے درمیان موجود ہوتی ہیں جو کامیاب بھی ہوتی ہیں، اس نئے رشتے کی کامیابی کا انحصار تو مکمل طور پر تمہارے رویے پر ہوگا تم محبت اور عزت دو گے تو لڑکیاں تو ویسے بھی نرم مٹی سے بنی ہوتی ہیں وہ اپنے آپ کو اُسی سانچے میں ڈھال لیتی ہیں اور ویسے بھی تمہارے بھائی کی شادی صرف ایک سال ہی قائم رہی، لہذا اس مختصر عرصے کی یادیں بھلانے میں، میرے خیال سے زیادہ وقت درکار نہ ہوگا۔“ شہزاد کی باتیں، ایان بڑی توجہ اور غور سے سن رہا تھا اور پھر چند دن کی سوچ بچار کے بعد اُس نے ماں کے فیصلے کے آگے گردن جھکا دی تھی۔

”اگر قسمت کو یہی منظور ہے تو یونہی سہی۔“

☆.....☆.....☆

اب اس تجویز کو جب عفر ا کے والدین کے آگے رکھا گیا چند لمحوں کیلئے تو وہ بھی گنگ رہ گئے۔ ”عفر ا نہ جانے مانے یا؟“..... سعود پلس وپیش کر کے بولے۔

اس کا انحصار اب آپ لوگوں پر ہے، ہم تو اپنی بہو کو واپس اُس کے اپنے گھر لانا چاہتے ہیں۔ راحیل کی والدہ، خدیجہ کی خاموشی کو دیکھ کر بولیں تھیں۔

خواتین کے بے شمار ڈائجسٹوں میں ایک منفرد ڈائجسٹ

## ماہنامہ حیا کراچی

☆..... ایک ایسا ماہ نامہ جو ہر قسم کی بے حیائی اور تصاویر کی لعنت سے پاک  
☆..... ایک ایسا ماہ نامہ جس کو حاصل ہے پاکستان کے تمام ممتاز اور جدید علماء  
کرام کی سرپرستی.....  
☆..... ایک ایسا رسالہ جسے بلا جھجک پڑھ سکے گھر کا ہر فرد..... ماؤں، بیٹیوں  
اور بہنوں کی حیا کا امین.....  
☆..... دلچسپ مضامین، حیرت انگیز سفر نامے، معلوماتی فیچر، دل کو موہ لینے والی  
سبق آموز کہانیاں، پاکیزہ غزلیں اور لطائف، دینی، نفسیاتی و معاشرتی مسائل  
اور ان کا حل، روحانی علاج، طب و صحت، آرائش جمال، باورچی خانہ اور آپ  
کے محبت بھرے خطوں سے سچی سچائی حیا کی محفل..... اور بہت سے مستقل سلسلے  
..... وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں.....

شرعی اصولوں کے عین مطابق

آپ کا اپنا ”حیا“

خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ  
مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی  
مفتی اعظم پاکستان

کراچی  
ماہنامہ

آپ بھی لکھیے

اگر آپ قلم کار ہیں اور بامقصد، ستھرا ادب لکھنے کی  
شوقین بھی..... تو کاغذ قلم تھام لیجیے اور آج ہی لکھیے،  
ماہنامہ حیا ڈائجسٹ آپ کا قدردان ہے!

آپ کی اچھی اور معیاری تحریر شائع ہونے پر معقول  
انعام بھی دیا جائے گا.....

صدر دفتر: میزائائن فلور، فریئر بسنس سینٹر، فریئر روڈ، نزد فریئر مارکیٹ کراچی 74200

خط و کتابت کا پتہ: ادارہ ماہنامہ حیا کراچی، پی او بکس نمبر 15009، جی۔ پی۔ او، صدر کراچی

Cell: 03131165569 Hya.digest@gmail.com

(رابطہ: دوپہر 1 تا 4)

92 21 35688828

92 21 35681520

f hayamonthly

خاص کر تمہارا پوچھ رہیں  
تھیں۔ ”کہاں رہتی ہو؟ کتنے ہی  
دنوں سے نہ فون کیا نہ گھر آئیں،  
بھائی الگ میرا ریکاڈ لگا رہا تھا کہ  
کہاں تو اتنی دوستی کہ دن میں  
دو پہر تک کالج میں ساتھ رہنے  
کے باوجود شام سے رات تک  
فون پر لگی رہتیں تھیں..... اور اب

یہ حال ہے کہ محترمہ کا دور دور تک  
پتہ ہی نہیں؟..... لگتا ہے پھنسا ہو گیا ہے“..... نیہا  
نے منہ بگاڑ کر اسد کی نقل اتاتے ہوئے کہا۔  
”خیر اس کو تو عادت ہے اول فول بولنے  
کی“۔ صائمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اور اس دن کا بھی اسے انتظار ہے جب  
ہماری دیرینہ دوستی کسی لڑائی کی نظر ہو جائے اور  
انشاء اللہ اس کا انتظار، انتظار ہی رہے گا.....“ اور  
ہاں بات سنو! میں نے تمہیں سب سے پہلے خوش  
خبری سنائی ہے، اب ساری مصروفیات کو پیچھے  
ڈالو اور میرے ساتھ بازار جانے کے لیے کمر کس  
لو“۔ نیہا پُر جوش تھی۔

”وہ ایسا ہے نیہا کہ ابھی کچھ دن تو میرے  
بہت بزی ہیں، اسکے بعد ہی تمہارے ساتھ چل  
سکوں گی“۔ صائمہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔  
”ہیں میڈم! اس کے بعد وقت ہی کیا رہا جا

## انتخاب

ملک و ملت کی حکمرانی کے لیے کن افراد کا چناؤ  
کریں..... ووٹ اور ووٹر کی اہمیت اجاگر کرتی  
ایک محاکاتی تحریر

”ہاں بولو، مسلسل بجتی فون کی گھنٹی پر اس نے  
ریسیور اٹھا کر کہا۔

”کیا بات ہے، بہت جلدی میں ہو، سانس  
بھی پھول رہا ہے، کہاں سے بھاگتی آئی  
ہو؟“..... نیہا اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

”کچھ نہیں بس آجکل کچھ مصروفیت زیادہ  
ہے، فٹ کام نمٹا رہی تھی، خیر! تم بتاؤ، بڑے  
دن بعد میری یاد آئی“۔ صائمہ نے سکون سے  
جواب دیا۔

”بھائی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے،  
اگلے ماہ کی 7 کو انشاء اللہ نکاح ہے“۔

”ارے واہ!! یہ تو بہت اچھی خبر سنائی تم نے  
“۔ آئی کو اور سب گھر والوں کو بہت بہت مبارکباد  
ددینا۔

”سوری!! اپنے کام خود کرو، ویسے بھی امی

”اچھا ااا“ یہاں نے اچھا کو خوب لمبا کھینچتے ہو کہا، ”کیا پدی کیا پدی کا شور بہ، بھلا ہم گھر بیٹھنے والیاں کیا کر سکتے ہیں اور بات سنو بی بی آپ جناب کو سیا ست کا شوق کب سے پیدا ہو گیا، اتنے بڑے سیا ست دان کچھ نہیں کر سکے وہ ہم کریں گے واہ“..... یہاں نے طنز کیا۔

”ہاں انشاء اللہ ہم ہی کریں گے۔ ہمارے پاس ووٹ کی صورت میں بڑی طاقت ہے ہم، اس طاقت کا صحیح استعمال کریں گے، ملکی حالات ہمارے سامنے ہیں، پچھلے ماہ و سال کو گزرے زیادہ دن بھی نہیں گزرے، ہم آزمائے ہوؤں کو مزید آزما کر اپنے اوپر بدامنی، بیروزگاری، بھوک و افلاس، ٹارگٹ کلنگ کے مہیب بادل پھر سے نہیں لائیں گے، انتخابات کی صورت میں پاک وطن، کو معاشرے کو کرپشن سے بچانے کا جوزریں موقع ہاتھ آرہا ہے، اسے نہ جانے دیں گے..... ووٹ قومی امانت ہے، شہادت ہے اور اس شہادت کو استعمال کر کے نا اہل فاسق و ظالم حکمرانوں سے ملک کو بچائیں گے“، صائمہ نے جوش و جذبے سے کہا۔

”ہیں ہیں، یہ بیٹھے بیٹھے خواب کب سے دیکھنے لگیں؟..... تم کیا سمجھتی ہو تمہارا ایک ووٹ ملک کی تقدیر بدل دے گا؟..... پوتروں کے بگڑے ہوئے بھی کبھی لمحوں میں سدھرے ہیں

ئے گا اور پھر اصل مرحلہ تو دلہن کے عروسی جوڑے کا ہے، مجھے تو پہلے ہی ڈر ہے کہ ایک ماہ میں کوئی برائڈل بنانے پر راضی ہوگا بھی یا نہیں؟..... ملکی حالات سے تم واقف ہی ہو، آئے دن کے ہنگاموں اور ہڑتالوں کی وجہ سے بازار بند ہو جاتے ہیں..... ٹیلر کے خزرے الگ، ایک ایک سوٹ سینے میں اتنے دن لگا دیتا ہے..... زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں، بجائے آگے بڑھ کر ذمہ داری لینے کے، محترمہ فرما رہی ہیں کہ ابھی بزی ہوں، سیدھی طرح تیار ہو جاؤ میں 4 بجے تک پک کروں گی۔“

”بات سنو نہیہا“ صائمہ نے اس کی فراٹے بھرتی زبان کو سخت لہجے میں روکتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنی ہی کہے جا رہی ہو میری بھی تو سنو“۔ جی سناؤ۔ ”ابھی تم نے ملکی حالات کا ذکر کیا تھا نا، اب یہ وقت سب کاموں کو چھوڑ کر حالات کی بہتری کے لیے قدم اٹھانے کا ہے۔“

”کس چیز کا وقت؟ کونسا وقت؟ کیا کہنا چاہ رہی ہو“۔ نہیہا جھلا گئی تھی۔

”اٹھو خواب غفلت سے اب جاگ جاؤ ہے وقت الیکشن، اب وطن کو بچاؤ ذرا اپنے ووٹوں کی طاقت دکھاؤ جو سچے ہیں مسند پہ ان کو بٹھاؤ“

صائمہ نے ترنم سے کہا۔

کر لیا تھا اور ذرا سوچو تو سہی کہ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ اس کے دائرے میں ہر چیز اللہ ہی کے لیے کی جاتی ہے، مسلمان جہاد کی صورت میں جنگ کرتا ہے تو صرف اللہ اور اس کے دین ہی کے لیے..... امن قائم کرتا ہے تو صرف اسی کے لیے..... کھانا کھاتا ہے تو اللہ کا نام لے کر..... پانی پیتا ہے تو اللہ کو یاد کر کے..... تو پھر جب دین قائم کرنے کے لیے چناؤ کا وقت آ جائے تو اس کی اہمیت کو ہم کیوں نہیں سمجھتے، ہم یہ کیوں سوچتے ہیں کہ ایک ہمارے ووٹ سے کیا ہوگا؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہمارا ایک ووٹ ہی کسی کو کامیابی سے ہمکنار کر دے گا..... رہی بات سیاست میں دلچسپی لینے کی تو اصل دلچسپی دین کے نفاذ کی ہے، معاشرے کی اصلاح کی ہے، جو صالح حکمرانوں کے بغیر ممکن نہیں، بگڑے ہوئے معاشرے کو بہترین چناؤ کے ذریعے صالح قیادت کے سپرد کرنے کو اگر تم سیاست کہتی ہو تو یہ سیاست لازمی ہونی چاہیے کیونکہ۔

جدا ہودین سے سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی“

”او کے یار تم نے تو بور کر دیا ہے، اتنی ثقیل باتوں نے تو میری ساری ایکسٹنٹ ہی ختم کر دی ہے..... بہر حال میں نے تو تمہیں شادی کی تیار یوں میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے فون کیا تھا، جانتی ہو نا تمہارا رے بغیر مجھے کچھ سوچتا ہی

؟..... اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ دھاندلی نہیں ہوگی، بوگس ووٹ انھیں ڈالے جائیں گے، من پسند نتائج نہیں لائے جائیں گے..... عوام کو بے وقوف نہیں بنایا جائے گا، اس ملک کے ساتھ اب تک یہی ہوتا آیا ہے نا، اسٹبلشمنٹ جسے چاہے گی اقتدار بھی اسی کو ملے گا، یہ انتخابات تو بس ڈھونگ ہیں اور مظلوم عوام کو بے وقوف بنانے کا ذریعہ بھی نہ بابائے ووٹ ڈالنے کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کا میرا تو کوئی ارادہ نہیں اور جب چہرے بدل کر وہی بدترین نظام سر پر مسلط کیا جانا ہے تو اپنی انرجی ویسٹ کرنے کا فائدہ“۔ نہیہا نہ جھلاتے ہوئے کہا۔

”انرجی ویسٹ کرنے کی بھی خوب کہی، خیر جب سے مجھ پر یہ ادراک ہوا ہے کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پانچ سالہ دور میں جو بھی کوئی نیک عمل یا بد عمل کرے گا ہم بھی اس کے شریک سمجھے جائیں گے، اگر خاموش رہے ووٹ نہیں ڈالا تو گواہی کو چھپانے کے مرتکب ہوں گے اور کسی بھی نا اہل کو نمائندگی کے لیے جانتے بوجھتے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو درحقیقت جھوٹی شہادت دی جو نہ صرف گناہ کبیرہ اور دنیا و آخرت کا وبال ہے، بلکہ پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہوگا، تو جب سے ہی میں نے ووٹ ڈالنے کا عزم



نہیں، اب میں کیا کروں۔“۔ یہاں بے چارگی سے کہا۔

”ارے تو میں نے کب منع کیا ہے، لیکن ابھی کچھ ہی دن باقی ہیں۔ آؤ پہلے موجودہ بدترین حالات کو سدھا رنے کا عزم تو کر لیں، اپنی دلچسپیوں کو اپنے اوقات کو قربان کر کے نیکی کا ساتھ دے کر خیر کو مضبوط کر لیں، تو پھر انشاء اللہ دائمی خوشیاں ہم سے دو نہیں ہوں گی۔“۔ صائمہ نے جذبات سے پُر لہجے میں کہا۔

”تو ووٹ کا اصل حقدار کون ہے، یہ کیسے پتہ چلے گا؟ جب سے الیکشن سر پر آیا ہے، ہر جانب سے برساتی مینڈکوں کی طرح صدائے عام بلند ہونے لگی ہے کہ ڈوبتے ملک کو اسی کی پارٹی بچائے گی، تمام لوگ گلے پھاڑ پھاڑ کر اقتدار کے شیدائی بنے اپنی مدح سرائی اور حریفوں کی مذمت میں مشغول ہیں، ایسے میں کیسے پتہ چلے گا کہ اصل حکمرانی کا حقدار کون ہے؟“..... یہاں اب جلال میں آچکی تھی۔

”دھیرے، یار دھیرے، گلاتو نہ پھاڑو، تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو اور یہ بہت اہم سوچ ہے کہ ووٹ جیسی گواہی کا اصل حقدار کون ہے تو اس کے لیے اپنا مطالعہ بڑھاؤ“.....

”کیسا مطالعہ؟“..... یہاں بات کاٹ کر بے صبری سے کہا۔

”اب خاموشی سے تو سن لو، بتا تو رہی ہوں“۔ صائمہ نے جھلاتے ہوئے جواب دیا، بھیجی تاریخ کا مطالعہ، پاکستان، دطن عزیز کا حصول کیا تھا؟..... کس لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا تھا، اسلام، جمہوریت، اور اردو زبان، قیام پاکستان کی تین بنیادیں، لیکن ان کو غیر موثر کرنے کی کوششیں اول روز سے جاری ہیں اور آج تک سیکرلر لابی نظریہ پاکستان کو سبوتاژ کرنے میں سرگرم عمل ہے، اسلام کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک پاکستان میں مذہب ایک فیصلہ کن عامل ہے جس کا تشخص اور جس کا تحفظ پاکستان میں بسنے والے ہر مسلمان شہری پر واجب ہے۔ جب تک تمام علوم و فنون کو اسلامی بنیادوں پر مرتب نہیں کیا جائے گا اس وقت تک غلبہ دین کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ منہ سے اسلامی نظام کی مالا جپ کر نظام نہیں بنتا، اس کے لیے کارگزاری دیکھنی ہوگی، ملک میں رائج تعلیمی نظام دیکھنا ہوگا، عدالتی فیصلے دیکھنے ہوں گے، پچھلی تمام حکومتوں کی کارگزاریاں، ان کے کرتوت، ان کے دور حکومت میں مہنگائی، بد امنی، قتل و غارتگری، لوٹ کھسوٹ، بھوک افلاس سے مغلوب ہو کر معصوم شہریوں کی خود کشی کے بڑھتے واقعات کا گراف دیکھنا ہوگا، قدرتی آفات کے نتیجے میں وقت کے حکمرانوں کا طرز عمل یاد کرنا ہوگا، عوام کو بھوکا رکھ کر اپنے لیے

اہل و عیال کے گلے تک پہنچ جائے گی، اس لیے میری التجا ہے کہ کم سے کم ووٹ کے معاملے میں اپنی ذات کو سودوزیاں کے تمام تر تصورات سے بالاتر رکھ کر فیصلہ کر لو کہ ووٹ کی صورت میں شہادت ضرور دینا ہے اور جس کسی کا چناؤ کرو تو اس کے بارے میں ضرور چھان بین کر لو کہ اس کے بارے میں لوگوں کی رائے کیسی ہے، اچھی یا بری؟ وہ کرپشن میں تو ملوث نہیں رہ چکا؟..... اپنے پڑوس اور رشتے داروں کے ساتھ اس کا سلوک، اس کے محبوب مشاغل، اقتدار کے زمانے میں اس کا طرز عمل، اس کا ذریعہ معاش حلال ہے یا حرام، سلطان جابر کے سامنے حق گوئی منکسرا لمراجی، اس کا مبلغ علم اور علم و مذہب کے اثرات اسکی نئی زندگی میں پائے جاتے ہیں..... غرض ان تمام شرائط کے تحت فرد کا چناؤ ہی آپ کو اللہ کے یہاں بری کروا سکتا ہے۔“

”ارے نہیں صائمہ!! میں تو تمہیں صرف ننگ کر رہی تھی، میرا مقصد تم کو ہرٹ کرنا نہ تھا، اللہ تمہارے جذبے کو قبول کرے، تم مجھے اپنے ساتھ ہی پاؤ گی مگر یاد رکھنا کہ اس کڑے وقت کے گزرنے کے بعد تم نے پھر میرے کام کے لیے وقت نکالنا ہے۔“

”ہاں کیوں نہیں، ہم کو سچی اور دائمی خوشیاں بھی تو حاصل کرنی ہیں نا!!“

☆.....☆.....☆

وسیع تر دسترخوان سجانے والے حکمرانوں سے کیا بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے؟..... آج کے نوجوان کل کے معمار ہیں، ان کو کھیل، تماشے اور میڈیا کے ذریعے اپنے مقاصد سے غافل، فاسٹ میوزک، فاسٹ فوڈ کا شیدائی بنا دیا ہے، تعلیم کے نام پر بچوں کے ذہنوں کو سیکولر بنایا جا رہا ہے، ان کو اسلاف کی قربانیوں سے غافل کر دیا گیا ہے، وہ صلاح الدین ایوبی، خالد بن ولید، ٹیپو سلطان سے انجان ورنیکی چن، بروسلی، اسٹیف سے واقف ہیں ان کو انیڈیا لائز کرتے ہیں، دوستوں کے وفادار اور والدین کے نافرمان بچے، اپنے آپ کو ہر قسم کی نصیحتوں سے بالاتر سمجھ کر خود روپودوں کی مانند پروان چڑھ رہے ہیں، ان بزرگوں سے کیا اُمید رکھی جاسکتی ہے کہ ملک کی باگ ڈور صحیح طور پر سنبھال پائیں گے۔ بولتے بولتے صائمہ کا سانس پھولنے لگا تھا۔

”اچھا بابا اچھا!! تمہارا جوش خطابت سن کر اب تو میرا دل بھی ووٹ ڈالنے کو چل رہا ہے۔“ نیہا نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”مذاق نہیں نیہا۔“ اب صائمہ روہانسی ہو چلی تھی، تم کو تر کی طرح آنکھیں بند کر لو تو اور بات ہے، ورنہ یہ طے ہے کہ ووٹ اہم گواہی ہے اور اس سے روگرانی رفتہ رفتہ ایسے خنجر میں تبدیل ہو جائے گی جو تمام ملک کے ساتھ ساتھ خود آپ کے

# چارہ گر

ہما جاوید

مجھے یہ بات معلوم ہی نہیں تھی کہ مجھ میں کون کون سی خوبیاں ہیں..... کتنی صلاحیتیں ہیں..... بس میں تو یونہی ایک بے مقصد زندگی گزار رہی تھی..... پھر میرے فیس بک پر ایک دن میری ملاقات اس سے ہو گئی۔ تھوڑی سی ہائی ہیلو کے بعد بعد میں نے اسکی وال وزٹ کی تو پتا چلا، وہ ایک رائیٹر ہے۔ ایک لکھاری..... میں بہت متاثر ہوئی..... ڈائجسٹ میرے پاس بہت سے رکھے ہوتے ہیں کیوں کہ میں بھی پڑھنے کی شوقین ہوں سو اس کا نام ڈھونڈنے لگی۔ مجھے اس کا نام اس کے لکھے ٹائٹل کے ساتھ نظر آ گیا اور پھر اگلے ہی لمحے میں اس کا لکھا افسانہ پڑھ رہی تھی۔ ہر عبارت سادہ مگر باتیں گہری..... یہ رائیٹر کہاں سے لاتے ہیں ایسی سوچ ایسا دماغ..... اور وقت کہاں سے آتا ہے اتنا؟؟..... کیا انکو اور کوئی کام نہیں ہوتا؟..... ان کی فیملیز نہیں ہوتی کیا؟..... آخر یہ مخلوق ہے کیا جو کبھی سیاست کے پر نچے صحافت کی شکل میں اڑا دیتی ہے تو کبھی ادب کی شکل میں زندگی کے مشکل معنی کو حسین اور رنگین بنا دیتی ہے۔ بہر حال! میری پسندیدہ رائیٹرز میں ایک اور کا اضافہ ہوا۔ پھر میں اکثر اس سے باتیں کرنے لگی..... اس کی باتوں میں موجود ہمت نے میرا حوصلہ بڑھایا اور میری زندگی کو جان کر اس نے میرے حوصلے کی داد دی اور یوں وہ میری ہمدرد میری رہنما میری دوست بن گئی..... گو کہ ہمارے شہر بہت دور دور ہیں ایک دوسرے سے..... آج تک میں نے اسے دیکھا بھی نہیں سوائے اسکی لکھی تحریروں میں اسکے کردار کی سچائی کے..... آج میں اگر کسی پلیٹ فارم پر کچھ لکھنے کی ہمت کر پائی ہوں تو وہ اسکی بدولت ہے۔ یوں تو میری رائٹنگ سکلز کے میرے سارے ہی فرینڈز تعریف کرتے ہیں مگر وہ میری غلطیاں نکالنے نہیں اسے سمجھاتی ہے۔

اب میں اداس ہو جاؤں تو اسے آسانی سے مسج کر لیتی ہوں..... اپنی باتیں شیئر کر لیتی ہوں۔ مشورے اور معلومات شیئر ہو جاتی ہیں، دل کا بوجھ کہ سن کر ہلکا ہو جاتا ہے۔

ضروری نہیں کہ کسی بہت بڑے رائیٹر کی بات ہو رہی ہو..... میرے لئے وہ میری چارہ گر..... سب سے بڑی رائیٹر ہے..... کیوں کہ وہ میری پسندیدہ رائیٹر ہی نہیں میری مخلص دوست بھی ہے..... اور فیس بک پر ملنے والی میری ہر دوست ہی میرے لئے اہم ہے..... یہ جگہ اتنی بھی بری نہیں جتنی بدنام ہے۔

# کتاب زیست کے چند اوراق

شہر کراچی میں گزرے چند دن

مفتی توقیر الحسن در بندی

قط (2)

مجھے کچھ کہنا ہے.....

قیام پاکستان کے بعد انڈیا سے بڑی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہوئے، ان مہاجرین کی مہمان نوازی اور سخاوت تو مشہور تھی کیوں کہ انہوں نے ایک طویل عرصہ تک اہل عرب کی ہر طرح مدد کی تھی، جب ان مہاجرین کے قدم یہاں مضبوط ہوئے تو انہوں نے مساجد، مدارس اور یونیورسٹی پر اپنا پیسہ خرچ کرنا شروع کیا اور دنیا کے بڑے بڑے خوب صورت مدارس قائم کئے جو پوری دنیا کے دینی طلبہ کے لیے کشش کا ذریعہ بنے اور یوں کراچی مدینہ منورہ، بغداد، مصر اور دیوبند کے بعد پوری دنیا کا علمی مرکز بن گیا، ان ہی خصوصیات کی بنا پر کراچی میں تعلیم حاصل کرنا میرا خواب بن گیا پھر اسی خواب کی تعبیر تلاش کرنے کے لیے آج سے چودہ سال پہلے جبکہ میں اپنی زندگی کی پندرہ بہاریں دیکھ چکا تھا کراچی کے اسٹیشن پر اترا، اس وقت میری جیب میں دوسروپے، بدن پر ایک چادر اور ہاتھوں میں کپڑوں کا ایک سوٹ میرا کل اثاثہ تھا، پھر میں نے اپنی جوانی کے نو سال اس شہر میں گزارے اور ان ایام کی ایک کہانی آپ کو سنارہا ہوں۔

گلیوں گلیوں ڈھونڈو گے تو یاد آؤں گا جب بھی اس شہر کو لوٹو گے تو یاد آؤں گا  
تم میری آنکھ کے تیور نہ بھلا پاؤ گے ان کہی بات کو سمجھو گے تو یاد آؤں گا  
ہم نے خوشیوں کی طرح دکھ بھی اکٹھے دیکھے صفحہ زیست کو پلٹو گے تو یاد آؤں گا

زندگی پگھلتی برف کی مانند ہے اور وہ رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہے، موت کا اندھیرا زندگی کی دہلیز پر دستک دے رہا ہے، نہ معلوم کب زندگی کی شام ہو جائے اور میں بھی خاک کی چادر اوڑھ کر سو جاؤں۔ اچانک ایک دن خیال آیا کہ میں اپنی زیست کے ان حسین اور قیمتی ایام کا ایک نقشہ سپرد قلم کروں جو مدارس کے پاکیزہ ماحول میں گزراے، اس کے دو مقاصد تھے: ایک تو یہ کہ ان لوگوں کا شکریہ ادا ہو جائے جو بے لوث ہو کر ہماری خدمت میں لگے رہے کیوں کہ:

بچھڑ کر بھی محبت کے زمانے یاد رہتے ہیں اجڑ جاتی ہے محفل چہرے یاد رہتے ہیں  
دوسرا ان لوگوں کے سامنے مدارس کا صحیح ماحول آجائے جو ان کے خلاف سازشیں کرتے نہیں تھکتے۔

مولانا ولی رازی کا تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، تحریر کی، اس کتاب کی خصوصیت یہ انہوں نے سیرت طیبہ پر ایک کتاب ”ہادی“ ہے کہ پوری کتاب غیر منقوط ہے اور ایک لفظ پر

بھی نقطہ نہیں ہے اور یہ کتاب بھی اہل علم سے داد وصول کر چکی ہے، اس کے علاوہ وزارت مذہبی امور نے بھی اسے سیرت طیبہ پر بہترین کتاب قرار دے کر انعام سے بھی نوازا۔

**شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم** دور حاضر میں ان نابغہ روزگار شخصیات میں سے ہیں جن کا با برکت وجود نہ صرف اہل علم اور علم دوست شخصیات کے لیے بلکہ ہر طبقہ کے افراد کے لیے نعمت ہے۔ اللہ پاک موصوف سے دین کے مختلف شعبوں میں کام لے رہا ہے، حدیث، فقہ، اسلامی صحافت، شرعی عدالتی معاملات، معاشیات..... غرض ہر شعبے میں آپ کی گراں قدر علمی خدمات عوام و خواص میں مسلم ہیں۔

سیکھا دیتی ہے قدرت جن کو انداز جہاں بانی وہ ہر الجھی ہوئی گتھی کو سلجھایا ہی کرتے ہیں مفتی تقی عثمانی کو اللہ پاک نے جو معتدل، بصیرت افروز اور سیال قلم عطا فرمایا ہے اردو، عربی اور انگریزی کی درجنوں کتابیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تحریر میں سلاست، ادب میں چاشنی، قلمی برجستگی اور روانی کے ساتھ عمل پر ابھارنے والا اصلاحی انداز واضح طور پر جھلکتا ہے۔ آپ کی تصنیفات اور تالیفات پوری دنیا میں علمی پیاس رکھنے والوں کے لیے سیرابی کا سامان ہے، خاص طور پر چند تصانیف جو معیار تحقیق کی بلندی کے ساتھ ساتھ دامن اعتدال سے لبریز ہیں۔ دینی و دنیاوی علوم سے آراستہ یہ شخصیت صرف مدارس

تک محدود نہ رہی بلکہ اپنے فیض سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا کو سیراب کر رہی ہے اور ہمہ وقت سفر میں رہتے ہیں اگر یوں کہا جائے کہ حضرت مفتی صاحب پاکستان میں سب سے زیادہ دنیا کا سفر کرنے والی شخصیت ہیں تو یہ بے جا نہ ہو گا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں ان کے پر زور اصرار سپریم کورٹ کے جج بنے اور بیس سال تک ان منصب پر فائز رہے۔ اسی دوران آپ نے بہت سے تاریخی فیصلے تحریر کیے، خصوصاً سود کے خلاف اور اسلامی بینکاری کی گراں قدر خدمات۔ آپ نے ملک میں اسلامی بینکاری کے نفاذ کے لیے بھرپور کوشش کی اور ہر سطح پر لوگوں کو مطمئن کیا لیکن یہودی اشاروں پر چلنے والے پرویز مشرف نے اس نظام سے پاک نظام کے نفاذ سے پہلے ہی آپ کو عہدے سے سبکدوش کر دیا۔ لیکن آپ نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور نجی سطح پر اسلامی بینکاری کو متعارف کرایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی بینکوں نے بہت کم عرصے میں بہت زیادہ ترقی کی منازل طے کیں۔ آپ دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث ہیں اور عرصہ سے بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں۔ تدریس کے علاوہ آپ نے تحقیقی اور تصنیفی میدان میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ قرآن اور علوم القرآن میں معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ، اور آسان ترجمہ قرآن، علوم القرآن، حدیث اور علوم الحدیث میں انعام الباری شرح صحیح بخاری، درس

ترمذی، تقریر ترمذی، تکریم (شرح صحیح مسلم عربی چھ جلدوں میں) فقہ، علوم فقہ اور فتاویٰ میں فتاویٰ عثمانی (۴ جلدیں) عدالتی فیصلے، فقہی مقالات، معیشت، تجارت اور اسلامی بینکنگ پر اسلام اور جدید معیشت و تجارت، سود پر تاریخی فیصلہ، غیر سودی بینکاری، فقہی مسائل کی تحقیق اور اشکالات کا جائزہ، اسلام اور جدید معاشی مسائل، موجودہ عالمی معاشی بحران اور اسلامی تعلیمات، اصلاح معاشرے سے متعلق، اصلاحی خطبات، اصلاحی مواعظ اور عیسائیت اور قادیانیت پر بائبل سے قرآن تک (۳ جلدیں) عیسائیت کیا ہے؟ بائبل کیا ہے؟ قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف، سفرناموں میں جہاں دیدہ، دنیا میرے آگے اور سفر در سفر متفرق کتابوں میں حضرت معاویہ و تاریخی حقائق، تقلید کی شرعی حیثیت، سوانح و تذکروں میں۔ میرے والد میرے شیخ، اکابر دیوبند کیا تھے، نقوش رفتگاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ ایک بلند پایا شاعر بھی ہیں، ان کی عشق الہی میں ڈوبی ہوئی مناجات پڑھیں:

لنا کرساری دولت غفلت وعصیاں کی دلدل میں  
سہارا لینے آیا ہوں تیرے کعبے کے آنچل میں  
اور

یارب مجھے دنیا میں جینے کا قرینہ دے  
میرے دل ویران کو الفت کا خزینہ دے  
سیلاب معاصی میں طاعت کا سفینہ دے  
ہستی کے اندھیروں کو انوارِ مدینہ دے  
یارب میری ہستی پر کچھ خاص کرم فرما  
بخشنے ہوئے بندوں میں مجھ کو بھی رقم فرما  
بھٹکے ہوئے راہی کا رخ سوئے حرم فرما  
دنیا کو طاعت سے گلزارِ ارم فرما  
کردے میرے ماضی کے ہر سانس کا کفارہ  
ایک اور نعت پڑھیں:

مجھے زندگی میں یا رب سر بندگی عطا کر  
میرے دل کی بے بسی کو غم عاشقی عطا کر  
تیرے درد کی چمک ہو تیری یاد کی کسک ہو  
میرے دل کی دھڑکنوں کو نئی کلی عطا کر  
کہیں مجھ کو ڈس نہ جائیں یہ اندھیرے بجلیوں کے  
جو دلوں میں نور کر دے وہی روشنی عطا کر

☆.....☆.....☆

دارالعلوم کراچی میں اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے تاہم جن کی محبتوں اور شفقتوں کو بندہ مرتے دم تک نہیں بھلا سکتا، ان میں سابق ناظم مولانا شمس الحق، مفتی عبدالرؤف سکھروی، مفتی حنیف خالد، مفتی عبدالمنان، مفتی مسیح اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر دو حضرات نے مجھے

الہی تیری چوکھٹ پر بھکاری بن کے آیا ہوں  
سراپا فقر ہوں عجز و ندامت ساتھ لایا ہوں  
بھکاری وہ کہ جس کے پاس جھولی ہے نہ پیالہ ہے  
بھکاری وہ کہ جسے حرص و ہوس نے مار ڈالا ہے  
متاعِ دین و دانش نفس کے ہاتھوں سے لٹوا کر  
سکون قلب کی پونجی ہوس کی بھیڑ چڑھا کے

اپنے گھر کا فرد بنا کر رکھا اور ان کے اہل خانہ نے مجھے اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھا کہ آج بھی ان حضرات کے لیے لبوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔ مفتی مسیح اللہ صاحب کا شمار معبد عثمان بن عفانؓ لاندھی کے بنیادی ارکان میں ہوتا ہے۔ یہ ادارہ کراچی کے صف اول کے مدارس میں شمار ہوتا ہے۔ مفتی عبدالمنان دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء میں نائب مفتی کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور ان کے فتاویٰ پوری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔

دارالعلوم کے قدیم قبرستان میں مدفون اساطین اہل علم اور اساتذہ کرام کی قبور پر حاضری دی۔ اس قبرستان میں مفتی محمد شفیع، مولانا سبحان محمود، مولانا شمس الحق، مولانا نور محمد وغیرہ کی آخری آرام گاہیں ہیں۔ دارالعلوم اپنی خوب صورتی، دلربا مناظر، نظم و ضبط اور معیاری نظام تعلیم کے لحاظ سے عالم اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس کے بارے میں حضرت زکی کیفی مرحوم نے کیا خوب کیا تھا کہ

کیف و سرور و نور کا ہر سو ہجوم ہے ،  
یہ درس گاہ دین ہے ، دارالعلوم ہے  
ان کی قبور پر حاضری سے فارغ ہو کر پاپوش  
نگر کے قبرستان میں مدفون فقیہ امت حضرت  
مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مولانا عبدالغنی  
پھولپوریؒ کی مرقد پر حاضری دی، مولانا عبدالغنی  
پھولپوریؒ کو دیکھ تو نہ سکا البتہ ان کے خلیفہ حضرت

حکیم اختر صاحبؒ کی صحبت میں اس ناکارہ کو بیٹھنے کی سعادت ملی ہے۔ حضرت حکیم صاحب میں ان کی جھلک نظر آتی ہے۔ حکیم صاحب نے گلشن اقبال میں ایک مدرسہ بنام اشرف المدارس قائم کیا اور ساتھ ہی ایک خانقاہ بھی قائم کی جس میں حضرت کی اصلاحی مجلس ہوتی تھی۔ البتہ مفتی رشید احمد صاحبؒ کی زیارت کی سعادت بندہ کو دوران طالب علمی حاصل رہی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی نفاست پسند طبیعت، وقت کی پابندی، دولت مندوں سے استغناء اور شریعت پر عزیمت کے درجہ میں عمل کرنا مشہور و معروف تھا۔ ان دونوں حضرات کے مواعظ اور بیانات کتابی شکل میں بھی دستیاب ہیں اور ہزاروں لوگوں نے ان مواعظ اور بیانات کو پڑھا اور سن کر اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کی اور اللہ کے ولی بنے، ان کا اخلاص تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان اداروں اور خانقاہوں کا شہرہ پوری دنیا میں ہو گیا اور دنیا بھر کے روحانی بیمار یہاں سے شفاء حاصل کرنے لگے۔ ان حضرات کا بیان سادہ مگر انتہائی پر تاثیر ہوتا تھا۔ مفتی رشید احمد صاحبؒ کے بنائے ہوئے ادارے جامعۃ الرشید، ہفت روزہ ضرب مومن، روزنامہ اسلام کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، جن کا فیض پورے عالم میں پھیل رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

ابھی قبرستان سے نکلا ہی تھا کہ بھائی توصیف احمد کا فون آ گیا اور انہوں نے بتلایا کہ کوئی

والے مولانا عبداللہ شہید کے ساتھ بیتے ایام نے میری زندگی پر بہت اثر ڈالا۔ اپنے وقت کے بڑے ولی تھے وہ۔

1993ء کی اواخر کی بات ہے کہ راقم کو قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا اور یہ شوق مجھے اسلام آباد کے ممتاز ادارے ”ادارہ علوم اسلامی“ لے گیا، ادارہ میں داخلہ میرٹ کی بنیاد پر ہوتا تھا اور ہم کم عمر اور کم فہم ہونے کی وجہ سے میرٹ پر نہ اتر سکے اور جس شوق سے گھڑی اٹھائے اسلام آباد قدم رنجہ فرمایا تھا اسی خوبصورت انداز سے ادارہ کی انتظامیہ نے واپسی کا کرایہ تھا کر گاڑی پر سوار کرتے ہوئے ایسے الوداعی سلام کیا کہ جیسے بہت بھاری بوجھ کندھوں سے اتار کر اللہ پاک کا شکر ادا کر رہے ہوں۔ ہم بھی کہاں بہت ہارنے والے تھے ”ہمت مرداں مدد خدا“ کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے اس خوبصورت شہر اور اس ممتاز دینی ادارے میں داخلہ لینے کے منصوبے بنانے لگے۔ ہمارے اسکول میں ایک برگد کا درخت تھا اور گرمیوں میں اس کی ٹھنڈی چھاؤں تلے ٹاٹ پر بیٹھ کر ہمارا ننھا سا ذہن محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی طرح چلنے لگا اور ایک انوکھی ترکیب سوچھی اور فوری طور پر اس ترکیب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ ہماری والدہ محترمہ ہمیں اسکول جاتے ہوئے آٹھ آنے جیب خرچ دیا کرتی اور خط کا لاف سوا روپے کا ملتا تھا، چنانچہ تین دن کی انتھک محنت کر

صاحب اسلام آباد سے آئے ہیں اور آپ کے متلاشی ہیں، ان کا کہنا تھا کہ میں دارالعلوم بھی گیا تھا پر شومی قسمت ملاقات نہ ہو سکی۔ اگر آپ کا رابطہ ہو جائے تو ضرور اطلاع دیجیے گا اور انہوں نے ایک نمبر بھی دیا ہے، شوق اشتیاق میں نمبر ڈائل کیا تو مولانا اسماعیل ریحان نے فون اٹھایا، تعارف کے بعد کہنے لگے قاری محبوب الہی رحیمی اسلام آباد سے آئے ہیں اور رات کے کھانے پر آپ کے منتظر ہیں، قاری صاحب کا نام سنتے ہی ذہن ماضی کے درپچوں کو وا کرنے لگا اور شہر اقتدار اسلام آباد سے وابستہ حسین اور تلخ یادوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ اسلام آباد جس میں پہلی بار فیض آباد کے راستے سے جب میں داخل ہوا تو ایک پیکر جمال کو اپنے سامنے پایا جس نے اپنی دونوں بانہیں پھیلا رکھی تھیں، اس نے ہمیں اپنی حسین بانہوں کی آغوش میں لیا، سڑک کے دونوں جانب ڈھلان کی شکل میں سبزے کی دو لائنیں فیض آباد سے زیرو پوائنٹ تک یوں دراز ہو جاتی ہیں جیسے کسی نے استقبال کے لیے آنے والوں کے لیے باہیں پھیلا رکھی ہوں اور سامنے مارگلہ کی سبزے میں ڈھکی ہوئی پہاڑیاں اور اس پر بادلوں کا سایہ مجھے اس شہر کا گرویدہ بنا گیا اور اس شہر گل و یاسمین پر میں فریفتہ ہو گیا۔ اسلام آباد کو دیکھ کر کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ ”یہ ایک بہت بڑا باغ ہے“ لوگ اسے شہر کہتے ہیں، واقعی یہ خوابوں کا شہر اور پھر اسلام آباد میں چھ سال گزارے۔ لال مسجد



قراردیتے نہیں تھکتے۔ جب میں نے ادارہ علوم اسلامی میں داخلہ لیا تو گھریلو حالات ناگفتہ بہہ تھے تو میری تعلیم کا خرچ اٹھانے میں کافی مشکلات تھیں، میں حساس طبیعت کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ خوددار بھی تھا اور یہ بھی میں طے کر لیا تھا کہ میرے حالات جیسے بھی ہوں میں والدین پر بوجھ نہیں بنوں گا، میں نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ جیب خرچ لینا بند کر دیا۔ والد صاحب قاری صاحب کو ہر مہینے ایک سو روپے دے دیتے تھے جو کہ جیب خرچی ہوتی تھی میں ان میں سے ایک سو روپیہ بھی وصول نہیں کرتا تھا اور مہینے کے بعد بھی پوری رقم قاری صاحب کے پاس جمع ہوتی تھی۔ قاری صاحب بڑی جہاں دیدہ اور دور اندیش شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے رحمدل انسان بھی تھے، انہوں نے جب میرا روز نامہ چیک کیا تو پورے مہینے میں ان سے ایک سو روپیہ بھی خرچ کا نہیں لیا تھا، انہوں نے ایک دن مجھے قریب بٹھا کر بڑی محبت سے پوچھا: ”بیٹا! آپ نے کسی طالب علم سے کوئی قرض تو نہیں لیا؟“ میں نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ پورا مہینہ بغیر جیب خرچ کے کیسے گزارہ کر لیا، تو میں نے اپنی غربت کی المناک داستان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں سنائی تو ان کے بھی آنسو جاری ہو گئے اور پھر کہنے لگے: ”آج کے بعد تم میرے بیٹے ہو“ اور بغیر مانگے وہ مجھے ہفتے خرچ دے دیا کرتے تھے پھر کچھ عرصہ یہ

کے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر ڈیڑھ سو روپیہ جمع کرتے اور پھر ایک لفافہ خرید کر اپنے دل کی خواہش کو لفظوں کے موتی پہنا کر خط میں تحریر کر کے مہتمم ادارہ علوم اسلامی حضرت مولانا فیض الرحمن عثمانی صاحب کو ارسال کر دیا جاتا، اور پھر اتنی محنت کی کمائی کے لفافے خریدنے کا اثر بالآخر حضرت عثمانی صاحب کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈال دیا اور پھر چند دنوں بعد بلا و آہی گیا اور یوں اللہ تعالیٰ کی اس مقدس کتاب کو اپنے سینے میں محفوظ کرنے کا موقع مل گیا۔ بندہ نے ادارہ علوم اسلامی میں تقریباً چھ سال کا عرصہ گزارا اور یہاں کے تمام اساتذہ کرام کے خلوص، لگن اور انتھک کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے میرے تعلیمی مراحل کو انتہا تک پہنچایا، لیکن قاری خلیل الرحمن عثمانی مدظلہم، قاری محبوب الہی رحیمی، مولانا عثمانی، مفتی ممتاز احمد، مولانا سفیر احمد عباسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ جنہوں نے تعلیمی میدان میں ہر طرح میری معاونت کی، البتہ قاری محبوب الہی رحیمی نے جس طرح مجھے زمانے کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھا بلاشبہ ان کے احسانات ہی کی بدولت ہم کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

حضرت قاری محبوب الہی رحیمی سے وابستہ بے شمار اور ناقابل فراموش واقعات ہیں تاہم چند واقعات کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ ان لوگوں کو بھی پتہ چل سکے جو مدارس کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور استادوں کو وحشی

کے دفتر کے دروازے کے نیچے خط ڈال دیا، اب صبح کا انتظار کرنے لگا۔ صبح قاری صاحب تشریف لائے اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے: ”افسوس مصروفیات کی بنا پر میرے ذہن سے آپ کا خیال نکل گیا تھا اب آئندہ جیب خرچی دینے میں کوتاہی نہیں ہوگی اور مزید یہ کہ انہوں نے جیب خرچ بھی پہلے سے دوگنا کر دیا“۔

جذبات کا سیل رواں مجھے واقعات کے تسلسل سے اٹھا کر کہاں لے گیا..... بہر حال عشاء کے قریب پرانا گولیما رقاری محبوب الہی رحیمی کے گھر پہنچے تو وہاں موجود ان کے بھائیوں مولانا محمد اسماعیل ریحان، مولانا رشید احمد منیب، قاری عبدالرحمن نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا، یہ تینوں حضرات روزنامہ اسلام، ہفت روزہ ضرب مومن سے وابستہ ہیں اور ان کے کالم ان جرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں اور یہ شخصیات خصوصاً محمد اسماعیل ریحان علی وادبی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ کھانے کے بعد ایک طویل اور یادگار نشست رات گئے تک جاری رہی۔ اگلا دن اردو کے ممتاز ادیب اور نامور کالم نگار مشفق خواجہ سے ملاقات کے لیے طے تھا، وقت مقررہ پر ان کی خدمت میں حاضری ہوئی۔

مشفق خواجہ اردو زبان و ادب کے یگانہ روزگار محقق و نقاد تھے، وہ ۱۹ دسمبر ۱۹۳۵ء کو لاہور میں پیدا ہوئے، ان کا اصل نام عبدالحی تھا، مشفق خواجہ ان کا قلمی نام تھا، لاہور سے کراچی

سلسلہ چلتا رہا۔ قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد ادارہ علوم اسلامی کے شعبہ اسکول میں پہنچا تو حضرت قاری صاحب کی مصروفیات بڑھ گئیں اور یوں میرا جیب خرچ بھی رُک گیا، میں نے جب اپنے اخراجات پر غور کیا تو صرف اور صرف ایک خرچہ میرے لیے حد درجہ ضروری تھا جس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، وہ تھا کپڑے دھونے کا صابن اس کا حل میں نے یہ نکالا کہ جمعرات کی رات تمام طلبہ اپنے کپڑے دھوتے تھے اور جب سب فارغ ہو جاتے تو میں دھوبی گھاٹ کا چکر لگا تا اور بچے ہوئے صابن کے ٹکڑوں کو جمع کر کے کپڑے دھو لیتا تھا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا، ایک دن حسب معمول جمعرات کو دھوبی گھاٹ میں گیا تو دیکھا کیا ہوں کہ صابن کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہے، لو جی اب تو مجھے پریشانی لاحق ہوگئی کہ یونیفارم دھلا ہوا نہ ہوا تو اساتذہ کلاس میں نہیں بیٹھنے دیں گے، چنانچہ یہ سوچ کر وہیں بیٹھ کر رونے لگ گیا، اسی دوران ذہن میں ایک خیال آیا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کاغذ اور قلم کا سہارا لیا اور اپنی غربت اور مفلوک الحالی کو خون کے آنسوؤں سے اور ارق پر منتقل کرنا شروع کیا، جب خط تیار ہو گیا تو سب سے بڑا مشکل مرحلہ جو درپیش تھا کہ یہ خط قاری صاحب کو کیسے پہنچایا جائے، خودداری کی وجہ سے ان کے سامنے حاضری بہت مشکل تھی چنانچہ اس کا حل یہ نکالا کہ رات کے آخری پہر جب سب سو رہے تھے میں نے قاری صاحب

۲۰۰۳ء میں شائع کیا یہ کتاب نو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور خواجہ صاحب نے پندرہ سال اس میں صرف کیے، بلاشبہ اسے اردو زبان و ادب میں تحقیق کی آبرو کہا جاسکتا ہے، تدوین متن اور تحقیق و حواشی کی یہ ایک لازوال مثال ہے، مشفق خواجہ ایک ہفت روزے میں سخن در سخن کے عنوان سے مزاحیہ ادبی کالم لکھا کرتے تھے جس میں وہ کسی بڑے ادیب یا اس کی کتاب و تحریر کو لے کر اس پر تبصرہ کرتے اور خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس میں چھپی ہوئی زبان و بیان کی خامیوں کو یوں اجاگر کرتے کہ نکتہ آفرینی پر انہیں بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا۔ ان کے کالموں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے اور ان کے تین مجموعے خامہ گوش کے قلم سے، سخن در سخن، اور سخن ہائے گفتنی کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں، انہوں نے مختلف موضوعات پر جو تحقیقی مقالات لکھے ہیں ان کا مجموعہ تحقیق نامہ کے عنوان سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا، وہ شاعر بھی تھے اور ان کا مختصر مجموعہ کلام ابیات کے نام سے شائع ہوا ہے۔ مشفق خواجہ دل کے دیندار اور مشرقی تہذیب کے علم بردار تھے، ان کے والد، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مرید خاص تھے، بچپن میں ان کے گھر علما و صلحاء کا آنا جانا لگا رہتا ایسے گھرانوں میں تربیت پانے والوں پر دین و ایمان کا اثر ہوتا ہے۔

اگلے دن حکیم محمد سعید کے بسائے گئے علمی

آئے تو اسی شہر کو اپنا مسکن اور مدفن بنایا اور ۲۲ فروری ۲۰۰۵ء کو طارق روڈ کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے، علم دوست اور کتاب دوست ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے وضع دار، رکھ رکھاؤ اور قدر و منزلت کا لحاظ رکھنے والے انسان تھے، ان کی اکثر زندگی کتاب اور مطالعہ کی آغوش میں گزری۔ وہ جتنی خوب صورت اور عمدہ اردو لکھتے تھے اتنی ہی خوب صورت اور نفیس اردو بولتے بھی تھے، سلیس اردو میں اپنے خیالات کا اظہار بڑے سلیقے سے کرتے تھے، ان کی کتابیں پڑھ کر ان سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور یہی شوق مجھے پاپوش نگران کے دولت کدے پر لے گیا، چند لمحوں کی ملاقات مجھے مقصد زندگی سمجھا گئی، شوق آوارگی نے مجھے شہر شہر کی خاک چھاننے کے بعد کسی مقام تک نہیں پہنچایا تھا لیکن مشفق خواجہ سے ملاقات نے مجھے ایک منزل کی طرف رواں کر دیا اور گمنام راہوں پر چلنے والا یہ مسافر اب ایک نئے جذبے کے ساتھ ایک نئی منزل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

موصوف نے جائزہ مخطوطات اردو کے نام سے ساڑھے بارہ سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس میں اردو زبان کے مخطوطات اور ان کے مؤلفین کا بڑی دقت رسانی کے ساتھ تعارف کرایا گیا ہے، ان کی یہ کتاب مرکزی اردو بورڈ نے ۱۹۷۹ء میں شائع کی، یاس یگانہ چنگیزی کی کلیات پر ان کا تحقیقی کام اکادمی بازیافت نے

کا اہم حصہ ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بچوں کے لیے معیاری اور پاکیزہ کتابیں شائع کرنے کا شعبہ قائم کیا، انہوں نے بچوں کے لیے ہمدردی نونہال رسالہ ۱۹۵۳ء میں نکالا، اس کے علاوہ بچوں کے لیے مختلف کتابیں اور سفرنامے بھی لکھے۔ بچوں کے لیے لکھے گئے سفرناموں کی تعداد چوالیس ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی لکھی گئی کتابوں کی تعداد ۱۱۹ ہے۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب تک اپنی ذات کی نفی نہ کرے وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ آپ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی، اکثر روزہ کی حالت میں رہتے تھے، قرآن پاک کے حافظ تھے، صوبہ سندھ کے گورنر اور غظیم دینی درسگاہ دارالعلوم کراچی کے خزانچی بھی رہے، اس کے باوجود آپ اپنے کپڑے خود دھوتے تھے، آپ درویش طبیعت کے مالک تھے، سادہ خوراک کھاتے اور سادہ لباس پہنتے تھے، ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو شفیق القلب درندوں نے کراچی میں آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی زندگی بھی قابل فخر تھی اور موت بھی قابل رشک۔

مجلس صوت الاسلام کے ناظم معروف صحافی جمیل الرحمن فاروقی ہیں، موصوف جتنے بڑے آدمی ہیں اتنے ہی سادہ، ہنس مکھ، بذلہ سنج اور کھلی طبیعت کے مالک ہیں۔ میرے مشفق استاد ہونے کے علاوہ بے تکلف دوست بھی ہیں اور انہوں نے مجھے بہت کم وقت میں بہت کچھ پڑھایا

اور ادبی شہر مدینہ الحکمت میں حاضری دی۔ مفتی توصیف نے بڑی آرام دہ گاڑی کا انتظام کر رکھا تھا۔ حکیم محمد سعید شہید ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، ۱۹۳۸ء میں دہلی یونیورسٹی میں داخلہ لیا، ۱۹۴۲ء میں فارما میں ڈگری حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے ترکی کا سفر کیا اور ۱۹۵۲ء میں انقرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے ہمدرد لیبارٹریز کی بنیاد رکھی اور شہادت تک اس کے ڈائریکٹر رہے، حکیم صاحب نہ صرف حکیم تھے بلکہ وسیع المطالعہ مذہبی اسکالر بھی تھے۔ انسان اور انسانیت سے پیار اُن کی گھٹی میں شامل تھا، ہر آدمی سے خندہ پیشانی سے ملانا ان کا نمایاں وصف تھا، ان کا ایک ہی نعرہ تھا: ”پاکستان سے پیار کرو، پاکستان کی تعمیر کرو“، انہوں نے اپنی ساری زندگی اسی نعرہ کو عملی جامہ پہنانے میں صرف کر دی۔ حکیم محمد سعید کی پہلی ترجیح طب اور صحت کا میدان تھا، آپ نے قدیم و جدید دونوں قسم کے میڈیکل کالج قائم کیے۔ طبیہ کالج ۱۹۵۸ء میں قائم کیا جس کا افتتاح مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے کیا تھا، اس کالج نے نصف صدی میں ہزاروں حاذق اطباء پیدا کیے۔ حکیم صاحب کی محنت کا دوسرا میدان تعلیم کا تھا وہ پاکستان کے تعلیمی نظام سے قطعاً مطمئن نہ تھے، اس نظام کی اصلاح و ترقی ان کی تقریر و تحریر کا محور بن گئی، چنانچہ اسکول سے یونیورسٹی تک کا قیام اس کا عملی ثبوت ہے۔ بچوں سے محبت حکیم صاحب کی زندگی

ساتھی سید زبیر حسین تھے، وہ تیزی سے میری طرف لپکے اور گلے لگا لیا ارے تو قیر تم اتنا عرصہ کدھر گم تھے؟..... اہس یا شہر شہر کی خاک چھان رہا ہوں۔ اچھا اب کہاں کا ارادہ ہے؟..... اپنے لنگوٹیا یا رافع چاچا سے ملنے ناظم آباد جا رہا ہوں، ٹھیک ہے کل دوپہر کو میرے گھر کھانا تناول فرمائیے گا اور پھر پرانی یادیں بھی تازہ ہوں گی۔ بھلا ایسے عظیم دوست کی دعوت کیسے ٹھکرائی جاسکتی تھی کیوں کہ رافع چاچا، سید زبیر حسین، شکیل مبین، عرفان شاہ اور توصیف احمد کے احسانات کی بدولت ہی میری زندگی سختیوں سے آسانوں کی طرف پلٹی۔ حقیقت یہ ہے کہ آج جب بھی جیون کی راہیں کٹھن محسوس ہوتی ہیں تو مجھے اپنے یہ رفقاء اور ہم سفر شدت سے یاد آتے ہیں۔ بہر حال اگلے دن ملاقات کا وعدہ کر کے ہم ناظم آباد پہنچے، تو رافع چاچا کو اپنے انتظار میں پایا، حسب معمول میرے لیٹ آنے پر میری سرزنش کی اور آئس کریم بار پہنچے، اور دارالعلوم کراچی میں بیتے ایام کی حسین یادوں کو تازہ کیا۔ رافع چاچا سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب میں درجہ رابعہ میں داخلہ لینے مادر علمی دارالعلوم کراچی آیا تھا تو درجہ خامسہ عربی میں ہم ایک ساتھ بیٹھتے تھے، یوں رفتہ رفتہ ہم پڑوسی سے بہترین دوست بن گئے، اکثر اوقات رافع مجھے اپنی یادگار زمانہ کار پر اپنے گھر لے جاتے، راستے میں اس نازک گاڑی کو دھکا لگانا معمول کی بات تھی۔ بہر کیف اپنے گھر

اور سکھایا اور وہ دینی مدارس کے فضلاء کے حوالے سے بڑے متحرک و متفکر رہتے ہیں۔ موصوف وقتاً فوقتاً ایسے سیمینار منعقد کرواتے ہیں کہ جن کے ذریعے مدارس کے فضلاء اور دنیاوی اداروں کے پڑھنے والے فضلاء میں جو دوریاں اور غلط فہمیاں ہیں ان کو دور کر کے دینی مدارس، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ، طالبات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے باطل کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور ان کے زہریلے پروپیگنڈوں کا جواب ہر میدان میں حکمت کے ساتھ دیا جائے۔ اپنے ان جذبات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے مجلس صوت الاسلام کے زیر انتظام مدارس کے فضلاء کی تربیت کا اہتمام کر رکھا ہے۔ نیز جامعہ اسلامیہ کلفٹن کے زیر انتظام چلنے والے ماہنامہ صوت الاسلام کے ناظم بھی ہیں اور ان کے فکری مضامین و مقالات ان صفحات کی زینت بنتے رہتے ہیں، ان سے طویل نشست ہوئی اور ان کی خدمات کو دیکھ کر دلی مسرت ہوئی۔

مولانا جمیل الرحمن فاروقی سے ملاقات کر کے ناظم آباد اپنے دوست محمد رافع چاچا کے گھر جا رہے تھے کہ شاہین کمپلکس کے قریب مغرب کا وقت ہو گیا، توصیف احمد کہنے لگے کہ قریب ہی سپریم کورٹ رجسٹری میں مسجد ہے وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں، نماز سے فراغت کے بعد مسجد کے صحن میں ایک شناسا سا چہرہ نظر آیا، پہچاننے میں ذرا دیر نہ لگی، یہ میرے ہم سبق

کا پُر تکلف کھانا ان کے ہاں کھایا۔ موصوف ایک اسلامی بینک میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں ، ان سے اسلامی بینکاری کے حوالے سے طویل مجلس ہوئی۔ زبیر حسین نے ایم بی اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تبلیغی جماعت میں وقت لگایا اور پھر مادر علمی دارالعلوم کراچی میں داخل ہو کر عالم کا کورس مکمل کیا۔ میں نے بھی دارالعلوم میں رہ کر دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ میٹرک، انٹر اور کمپیوٹر کی ابتدائی تعلیم سید زبیر اور رافع چاچا کے زیر سایہ رہ کر حاصل کی۔ آج میرے یہ محسن نہ جانے زمانے کی بھیڑ میں کہاں گم ہو گئے، اب تو میرے خوابوں میں بھی نہیں آتے جہاں کہیں بھی ہوں میں انہیں سلام عرض کرتا ہوں اور یہ شعر ان کی نذر کرتا ہوں:

آئینہ دکھا کر چھپ جاتی ہے تیری یادیں  
سونے نہیں دیتیں شب بھر تیری یادیں  
تو جیسے میرے پاس ہے اور محو سخن ہے  
محفل سی جمادیتی ہیں اکثر تیری یادیں  
کیوں نہ پھروں تپتی دوپہروں میں ہر اسال  
پھرتی ہیں تصور میں کھلے سر تیری یادیں  
جب تیز ہوا چلتی ہے بستی میں سرشام  
برساتی ہیں اطراف سے پتھر تیری یادیں  
..... (باقی آئندہ).....

☆.....☆.....☆

خوب مہمان نوازی کرتے اور رخصت ہوتے وقت خوشبو کا قیمتی تحفہ عنایت کرتے۔ ان کے والد محترم احتشام چاچا بہت اچھے اور نیک انسان ہیں ، انتہائی لمنسار، خوش اخلاق اور مہمان نواز اور کھلی طبیعت کے مالک ہیں، وہاں سے فارغ ہوئے تو ہلکی ہلکی بوند باندی ہو رہی تھی جس نے موسم کو کافی خوشگوار بنا دیا تھا۔ توصیف بھائی کے مشورہ دیا کہ اس موسم میں افغانی پلاؤ سے لطف اندوز ہونے کے لئے سہراب گوٹھ چلتے ہیں۔ عبداللہ بھائی، انس سندھی سمیت سب نے اس مشورہ کو بہت پسند کیا اور ہم مغرب کے بعد اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ سہراب گوٹھ میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم پاکستان کے شہر کراچی نہیں بلکہ افغانستان کے شہر جلال آباد میں آ گئے ہیں۔ ہر طرف افغانی اور ان کی مخصوص ثقافت نظر آرہی تھی، تہوہ خانے کھلے ہوئے تھے اور ان میں فرشی نشستوں پر بیٹھے افغان ٹولیوں کی صورت میں حالات حاضرہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ ہوٹل کے اندر اور باہر تخت دھرے ہوئے تھے جن پر قالین بچھے ہوئے تھے اور ان پر گاوٹیکے بڑے سلیقے سے لگائے گئے تھے۔ افغانی پلاؤ، بوٹی، سرخ لوبیا، افغانی روٹی اور افغانی تہوہ یہاں کی مخصوص سوغات ہیں۔ ہم نے اس خلوص بھری دعوت کا خوب مزہ اٹھایا اور رات گئے تک ہماری یہ محفل جاری رہی۔ اگلے دن ملیر ہالٹ پہنچ کر سید زبیر سے رابطہ کیا تو وہ چند لمحوں میں لینے اسٹاپ پر پہنچ آئے اور دوپہر



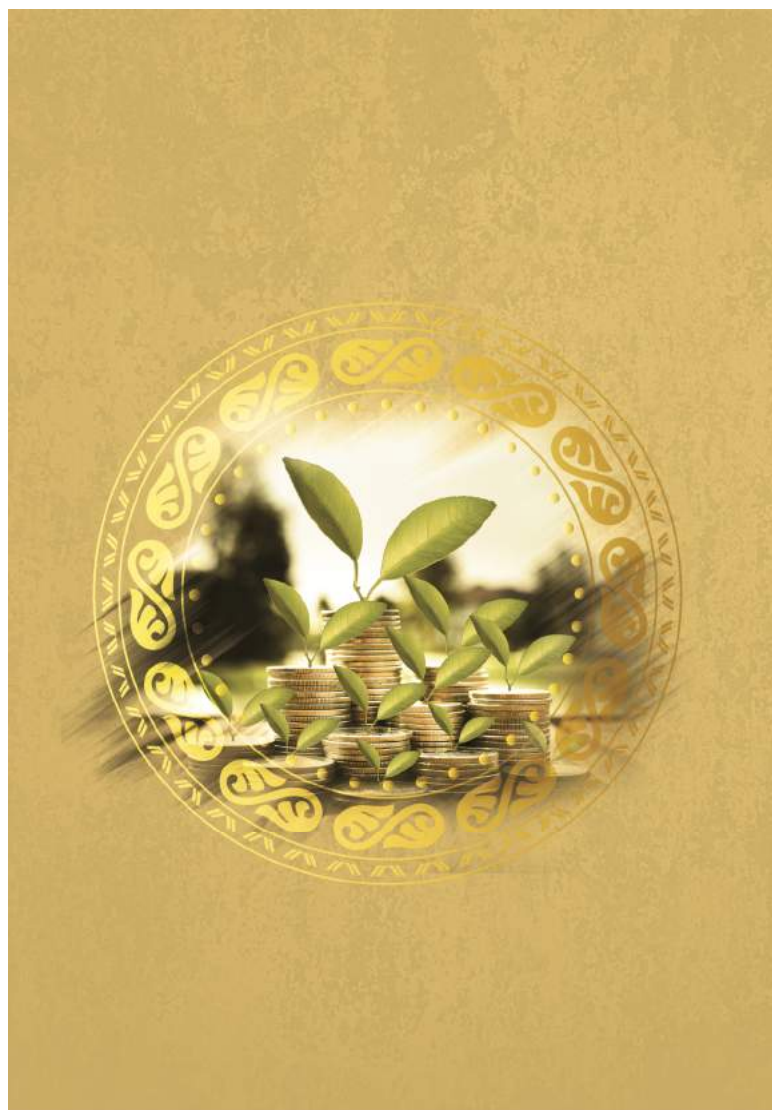
مشرقی روایتی مٹھائیاں،  
 عربی مٹھائیاں، بنگالی مٹھائیاں،  
 فریش کریم کیکس، ربڑی،  
 رسملائی، آئس کریم، قلفی فالودہ، نمکو  
 اور دیسی گھی کے حلوہ جات۔

1 ▶ بائیس کے ای۔ ایس۔ سی۔ جنگ آفس، مین بازار مسلم آباد، لیہڑی، کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 0300-4510612, (92-21)-4510612 Mobile:

2 ▶ D-1/16، نزد آریسی۔ ڈی۔ گراؤنڈ، سعود آباد، لیہڑی کالونی، کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 0302-4507486, (92-21)-4507486 Mobile:









# ہاشمی گھرانہ®

آپ کے گھرانے کے لئے



# چکھی واس

جب ہم سب انسان ہیں اور خصوصاً مسلمان  
ہیں تو امیر غریب، مالک اور ملازم اور ذات  
پات کی تفریق کیوں؟

صدراقت حسین ساجد



”بابا سائیں علاقہ کے بڑے زمین دار ہیں۔  
ان کو تو فیصلوں، فصولوں اور شکار سے ہی فرصت نہیں  
ملتی۔ رہی بات محافظوں کی تو وہ احتیاط اور رعب  
کے لیے ہمارے ساتھ ضروری ہیں دل شیر!“ میں  
نے جواب دیا۔

”ہاں جی! بڑا رعب ہے کہ گاؤں کے بچے  
ہمیں دیکھ کر نیند سے چینیں مار کر جاگتے ہوں گے۔  
ارے بھائی! اتنا احساسِ برتری ٹھیک نہیں ہے کہ  
کسی سے مل کر ہنسا بھی نہ جاسکے، اسی لیے تو گاؤں  
میں ہماری کسی سے بھی دوستی نہیں، جو اس سے کھیل  
سکیں۔ قہقہہ لگا سکیں اور سماجی مسائل پر بات چیت  
کی جاسکے۔“

دل شیر کی اس بات پر میں نے مسکرا کر رہ گیا۔  
میں نے کار کی کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا۔  
سرمئی بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ کر سردی کی  
شدت بڑھادی تھی۔ ہماری کار تیزی سے گاؤں کی

”یار گل شیر! ایک بات کی سمجھ نہیں آتی.....“  
اس کی بات سن کر میں چونک پڑا۔  
”تمہیں تو کسی بات کی سمجھ نہیں آتی..... یہ کوئی  
بات تو نہیں ہے.....“

یہ سن کر اس نے روٹھنے کے سے انداز میں  
دوسری طرف منہ کر لیا۔ مجھے اس کی ادا پر بے حد  
پیار آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر  
ہاتھ رکھا اور کہا۔

”میرا مطلب یہ نہیں تھا..... اب شاباش!  
جلدی بتاؤ کہ تمہیں کس بات کی سمجھ نہیں آئی؟“  
اس نے مجھے غور سے دیکھا اور میرے چہرے  
پر سنجیدگی دیکھ کر بولنے لگا۔

”ہر بار بابا سائیں چھٹیوں میں ہمارے لیے  
گاڑیاں اور محافظ بھیج دیتے ہیں۔ وہ آپ خود کیوں  
نہیں آتے اور ان محافظوں کی بھلا کیا ضرورت  
ہے۔ ہماری کسی سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے۔“

جوان اور بچے سوار تھے۔ یہ دیکھ کر دل شیر کہنے لگا۔  
”اپنی کار سے زیادہ لطف تو اس بس میں آتا  
“۔

مجھے اس طرح کے بسوں اور گاڑیوں کے سفر  
بالکل پسند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں دل شیر کی  
یہ بات سن کر ہنس پڑا۔ یہ دیکھ کر دل شیر کہنے لگا۔  
”موسم کا اصل لطف تو پیدل چلنے میں آتا ہے  
نہ کہ گاڑی میں۔“

میں نے تندہی سے جواب دیا۔  
”تو پھر جا۔ پیدل چل کر اپنا شوق پورا کر لے  
، میں گاڑی رکواتا ہوں۔“

میں نے اسی پر بس نہیں کی ، بلکہ ڈرائیور کو  
گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ گاڑی رکی ، تو پیچھے آنے  
والی محافظوں کی جیب بھی ساتھ ہی رک گئی اور اس  
میں سے ٹھگنا کمدا ر غلامو اچھل کر باہر نکلا۔ وہ  
حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

”چھوٹے مالک! خیریت تو ہے۔ راستے میں  
آپ نے کار کو ادی ہے؟“  
”ہاں چاچا غلامو! دل شیر کو پیدل چلنے کا شوق  
ہوا ہے۔“

”پر مالک! گاؤں تو ابھی بہت آگے ہے.....  
بڑے مالک مجھ سے ناراض ہوں گے۔“

غلامو کی بات سن کر میں نے ڈرائیور سے چلنے  
کا کہا۔ کار پھر فراٹے بھرنے لگی اور پھر اس کی  
بریکیں گاؤں کے اکیلے خوب صورت گھر کے پاس

طرف رواں دواں تھی۔ عقب میں آنے والی بغیر  
چھت والی جیب میں ہمارے محافظ اور ملازم تھے  
، جو ہمارے لیے بے وجہ بھیجے گئے تھے۔ چھٹیاں  
گزارنے کے لیے اسکول کے ہاسٹل اور دوستوں  
سے رخصت ہو کر گاؤں آ رہے تھے۔

ہم دونوں جڑواں بھائی تھے اور اللہ کی قدرت  
دیکھیے کہ ہم شکل بھی تھے۔ دل شیر عمر میں مجھ سے  
صرف چار منٹ چھوٹا ہے اور بالکل میرے جیسا  
ہے۔ اس وجہ سے کئی بار دل چسپ واقعات بھی  
ہوئے تھے۔

ایک بار تو اماں نے بھول کر اس کی جگہ مجھے  
نہلایا اور کپڑے پہنا دیے ، جب کہ وہ جان  
بچانے کے لیے جلدی میں الٹی شلوار پہن کر آ گیا تھا  
۔ میں نے بھی بدلہ خوب لیا تھا۔ اگلی بار جب ہم گھر  
گئے تو اماں نے ہمیں نہلانے کا ارادہ کیا۔ پہلے دل  
شیر کو نہلایا۔ میں نے تیزی سے اس کے کپڑے  
بدل ڈالے اور اماں نے جو اس کے کپڑے رکھے  
تھے کہ نہا کر پہنے گا ، میں نے پہن لیے۔ اب اماں  
نے اسے دوبارہ پکڑ لیا۔ وہ رو رو کر اس بات کی  
یقین دہانی کرانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ نہا چکا  
ہے ، لیکن بھولی بھالی اماں کیسے یقین کرتیں ، انھوں  
نے اسے نہلا کر ہی دم لیا۔ میں چپکے چپکے اسے  
چڑاتا رہا۔

ہماری کار پوری رفتار سے چلتی رہی۔ گاؤں  
کے راستے پر ایک بس نظر آئی۔ اس میں بوڑھے ،

آ لگیں، جو ہمارا گھر ہے۔ ہم دونوں بھائی نیچے اترے، تو بیٹھک میں بیٹھے ہوئے گاؤں کے چند لوگ اور بچے اٹھ کر آئے اور جھک جھک کر ملنے لگے۔ ان کا اس طرح جھک کر ملنا مجھے کبھی اچھا نہیں لگا۔ انھیں ایسا کرنے سے میں نے کئی بار منع بھی کیا، لیکن وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں اور بابا سائیں ہمیشہ مجھے یہ کہتے ہیں۔

”گاؤں کے باسی چوں کہ حیثیت میں ہم سے کم تر ہیں، اس لیے وہ جھک کر ملتے ہیں۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔“

”کیوں بابا سائیں! اس میں خوشی کی ایسی کیا بات ہے۔ وہ بھی آخر انسان ہیں۔“

”اس سے ہماری شان بڑھ جاتی ہے۔۔۔۔۔ تم انھیں جھک کر ملنے سے روکا نہ کرو۔“

یہ بحث کچھ دیر چلتی رہتی، لیکن بابا سائیں نہ ماننے اور مجھے ہی خاموش ہونا پڑتا، کیوں کہ افسوس تو اس بات پر ہے! کہ بابا سائیں یہ بات نہیں سمجھتے کہ سب انسان ایک جیسے اور برابر ہیں۔ ہم گھر آئے، اماں اور دادی اماں سے ملے۔

دادی اماں نے ہمیں ماتھے پر باری باری بوسے دیے اور ساتھ ہی ڈھیروں دعائیں بھی۔ پھر بابا سائیں کے پاس گئے، تو وہ ہنس کر کہنے لگے۔

”آ گئے ہمارے دونوں شیر۔۔۔۔۔ واہ بھئی واہ۔۔۔۔۔“

انھوں نے اسکول کے متعلق چھوٹی موٹی باتیں

”تم ان پیسوں کا کیا کرو گے؟“

163

ماہنامہ حیا

مارچ 2018

میں نے کہا۔

کہنے لگے۔

”بیٹا! ویسے بھی ماسٹر بچوں کو پڑھاتے کب ہیں؟ اسکول کی عمارت خالی پڑی تھی، ہم نے پھر بھی اسے آباد تو کر دیا ہے ناں!“

”مگر آپ ایسے نا اہل استادوں کو سختی کے ساتھ یہ بھی حکم دے سکتے ہیں کہ وہ بچوں کا مستقبل یوں برباد نہ کریں۔“

”چلو ٹھیک ہے بیٹا! کہہ دیں گے..... اچھا! یہ بتاؤ کہ کیا اس بار دونوں کے امتحان بورڈ کے ہوں گئے؟“ بابا سائیں نے لا جواب ہو کر موضوع ہی بدل دیا۔

ہم دونوں نے اثبات میں سر ہلایا، تو وہ کہنے لگے۔

”بورڈ کے چیئر مین اپنے ہی بندے ہیں..... پوزیشن حاصل کرنے کے لیے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”لیکن..... بابا سائیں! ہم محنت کر کے پوزیشن لیں گے..... اوروں کا حق چھیننا ہمیں منظور نہیں۔“ دل شیر نے کہا۔

وہ تو ویسے ہی سچ کہنے میں بہت آگے ہے۔ بابا سائیں لا جواب ہو گئے اور بیٹھک کی طرف جاتے ہوئے کہنے لگے۔

”غلامو کے ساتھ جا کر فصلیں گھوم آنا۔“ شام کے وقت ہم غلامو کے ساتھ فصلیں گھوم پھر رہے تھے اچانک ایک جھوپڑی دکھائی دی۔

”کل میرے دوست سہراب اور یوسف یہاں گھومنے کے لیے آئیں گے..... ان پر خرچوں گا۔“

دل شیر کہنے لگا۔

”بابا سائیں! میں گاؤں کے بچوں کو کتابیں لے کر دوں گا..... ان کے پاس کتابیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہوتے۔“

بابا سائیں یہ بات سن کر بھڑک اٹھے۔

”گولی ماروان جابلوں کو..... انھیں پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے؟“

”بابا سائیں! ہم بھی ان جیسے ہی ہیں..... پھر آپ ہمیں کیوں پڑھاتے ہیں؟“

”وہ ہمارے کامے ہیں، ملازم ہیں اور آقا و غلام میں کچھ تو فرق ہوتا ہی ہے۔“ بابا سائیں کے لہجے میں ناگواری صاف محسوس ہو رہی تھی۔

دل شیر نے ان کے لہجے کا ذرا بھی اثر نہ لیا اور اپنی رو میں کہنے لگا۔

”بابا سائیں! علم پر سب کا حق ہے..... آپ نے تو اسکول میں گندم رکھوا دی ہے..... مجبوراً بچے درختوں تلے پڑھتے ہیں..... کیا آپ کو اب بھی ان غریبوں پر ترس نہیں آتا؟“

بابا سائیں یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ یہ شاید سوچ رہے تھے کہ اس بات کا پتا ہمیں کیسے چلا۔ جانے کیا سوچ کر انھوں نے اپنا لہجہ بدلا اور

غلامو سے پوچھا تو اس نے بتایا۔  
 ٹکڑا ملا ہوا ہے..... فصل اترے گی، تو گزر بسر چنگی

”مالک! یہ آپ کے مزارع نذر رو کی جھونپڑی ہو جائے گی۔“

ہے..... یہاں وہ اپنی بیوی اور بیٹے کے ہمراہ رہتا ہے..... یہ کبھی واس لوگ ہیں..... فصل کے بعد چلے جائیں گے۔“

ہم کپاس اور چاول کی فصلیں دیکھ کر جھونپڑی کے پاس پہنچے، تو ایک بوڑھے شخص نے جس کے بال بالکل سفید تھے، ہمارا استقبال کیا اور احترام کے ساتھ ہمیں پرانی چارپائی پر بٹھایا۔ یہ دیکھ کر غلامو کہنے لگا۔

”مالک! یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے..... خواہ مخواہ کپڑے خراب ہوں گے۔“

دل شیر نے اس سے کہا۔  
 ”کوئی بات نہیں..... غلامو چاچا! ہم یہاں بیٹھے ہیں..... آپ ضروری کاموں سے فارغ ہو کر یہیں آجائیے گا۔“

”ٹھیک ہے..... مالک! جیسے آپ کی مرضی۔“ اتنا کہہ کر غلامو ایک جانب چل دیا۔  
 میں نے بوڑھے کو ایک نظر دیکھا اور دریافت کیا۔

”چاچا! کدھر سے آئے ہو؟“  
 ”بابا مالک! ہم پنچھیوں کی طرح کے لوگ ہیں..... ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا..... کبھی یہاں..... کبھی وہاں..... اس سے پہلے ہم گھمگھیا نہ میں تھے..... اب آپ بھوتاروں کے پاس ہیں..... زمین کا۔“

”نور! یہ گل شیر ہے اور میں دل شیر..... تم پڑھتے ہو؟“

اس پر وہ خاموش رہا۔ وہ حیران حیران سا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید اسے اس بات پر حیرانی ہو رہی تھی کہ پہلی بار کسی نے اس کے اصل نام سے

اسی اثنا میں نور کی ماں ہمارے لیے چائے لے کر آئی۔ میں چائے کم ہی پیتا ہوں، اس لیے انکار کر دیا۔ چاچا نذرو نہ مانا اور بہت اصرار کیا، تو میں چائے پینے لگا۔ چائے تو میں نے زندگی میں کئی بار پی تھی، لیکن محبت و خلوص کی چاشنی والی اس چائے نے جو منفرد مزادیا، وہ شاید ہی کبھی میں بھلا سکوں گا۔ ہم نے چائے ختم کی، تو نور بھاگتا ہوا جھونپڑی میں گیا اور جب باہر آیا، تو اس کے ہاتھ کمر کے پیچھے تھے۔ وہ مسکرایا اور کہنے لگا۔  
 ”اب میں آپ کو ایک تحفہ دوں گا۔“

پھر اس اپنے ہاتھ سامنے کیے، تو اس کے ہاتھوں میں مٹی کے بنائے ہوئے خوب صورت گھوڑے، بیل اور دوسرے جانور تھے۔ نور نے وہ ہمیں دے دیے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”یہ سب تم نے آپ بنائے ہیں؟“

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔ اس کا تحفہ ہمیں بہت پسند آیا۔ صفائی سے بنے ہوئے اس طرح کے کھلونے تو ہمارے اسکول میں بھی نہ تھے، جنہیں بھورے بھورے بالوں والے نور نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

اتنے میں غلامو بھی فارغ ہو کر آ گیا اور چلنے کو کہا۔ ہم دونوں نے نور کے باپ نذر اور ماں کو خدا حافظ کہا۔ اسے ہم نے صبح اپنے گھر آنے کی دعوت دی، تو اس نے وعدہ کر لیا۔

اسے پکارا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ پڑھتا نہیں ہے۔ دل شیر نے اس سے کہا۔

”اب ہم تمہیں پڑھائیں گے۔“

نور خوش ہو کر مسکرانے لگا، لیکن اس کے باپ نذرو نے کہا۔

”مالک! ہم غریب لوگ اپنے بچوں کو کہاں پڑھا سکتے ہیں؟“

”چاچا نذرو! تعلیم سب کے لیے ہوتی ہے..... نور کو ہم پڑھائیں گے یا اس کا خرچہ دیں گے۔“ میں نے کہا۔

”چھوٹے مالک! بڑے مالک ناراض نہ ہوں آپ پر۔“

”نہیں..... چاچا! کچھ نہیں ہوگا..... تم ڈرنا نہیں۔“

اپنائیت کا یہ انداز دیکھ کر نور بڑا خوش ہو رہا تھا۔ پھر وہ کہنے لگا۔

”کیا غریب بھی پڑھ سکتے ہیں؟“

اس کی معصومیت پر میں بھی مسکرا کر رہ گیا۔ دل شیر نے آہ بھری اور مجھ سے کہنے لگا۔

”گل شیر! دیکھ اس معاشرے نے غریبوں کو کتنی محرومیاں دی ہیں!“

”معاشرہ.....!! یہ کون ہے؟“ نور نے حیرت اور سادگی سے پوچھا۔

ہم دونوں بھائی بہت ہنسے اور ہم نے اسے معاشرے کے متعلق بتایا۔



گھر آتے ہوئے راستے میں غلامو منہ ٹیڑھا کر کے کہنے لگا۔

”مالک! ان کبھی واس لوگوں کو زیادہ منہ نہ لگائیں..... ورنہ یہ کام نہیں کریں گے۔“

”نہیں..... غلامو چاچا! ایسا نہیں ہے..... یہ غریب لوگ ہی تو اصل میں محبت و خلوص بانٹتے ہیں..... یہ دل کے کھرے ہوتے ہیں۔“ دل شیر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

غلامو کے چہرے کے تاثرات بتانے لگے کہ یہ بات پسند نہ آئی، لیکن اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ گھر پہنچے، تو سورج ڈوب چکا تھا اور آسمان پر ہلکی ہلکی سرخی تھی۔ رات کو دل شیر اور میں، نور کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ بابا سائیں کمرے میں داخل ہوئے اور پوچھنے لگے۔

”ہاں بھئی! کہو..... فصلیں کیسی لگیں؟“

”زبردست..... بابا سائیں!“ میں نے مختصر جواب دیا۔

اچانک بابا سائیں نے کہا۔

”غلامو کہہ رہا تھا کہ تم جھوٹیڑی والے مزارع کے پاس بیٹھے تھے۔“

”جی ہاں!“ دل شیر نے اقرار کر لیا۔

”ارے بیٹا! ان غریب لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا ٹھیک نہیں ہوتا..... ان کو اپنی اوقات میں ہی رہنے دو..... آپ لوگ اعلیٰ گھرانے کے فرد ہو..... کئی کمین لوگوں کے سائے سے بھی دور بھاگو.....“

بھئی!“ بابا سائیں نے مشورہ دیا۔

میں چپ رہا، لیکن دل شیر کہاں خاموش رہنے والا تھا، وہ بابا سائیں سے کہنے لگا۔

”بابا سائیں! ہم ان کے پاس بیٹھے تھے اور اب دیکھیے..... ہماری اوقات کم ہوئی؟ نہیں ناں.....! غریب بھی آخر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں..... ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں حرج ہی کیا ہے؟ ہمیں تو چاچا نذرو، اس کی بیوی اور بیٹے نور نے بڑی محبت و عزت دی۔“

”مگر بیٹا! یہ لوگ کبھی کبھی گلے پڑ جاتے ہیں..... نقصان کا باعث بن جاتے ہیں..... تم لوگ سمجھنے کی کوشش کرو..... اپنی شان گھٹانے والی حرکتوں سے اجتناب کرو۔“ یہ کہہ کر بابا سائیں چلے گئے۔

دل شیر خفگی سے مجھ سے کہنے لگا۔

”بھائی! یہ کیسا طبقاتی فرق ہے..... فلاں امیر..... فلاں غریب..... ہیں تو سب انسان..... پھر امیری اور غربتی کے بیچ حیثیت کی یہ دیواریں کیوں ہیں؟“

میں نے اسے تسلی دی۔

”چھوڑو اور پُرسکون ہو جاؤ..... دل شیر! بہتر ہے کہ سو جاؤ۔“

چند اور باتیں کرنے کے بعد ہم دونوں سو گئے۔ اگلی صبح ناشتہ کر کے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ملازم نے آ کے بتایا کہ شہر سے دولڑکے آئے ہیں۔

مگر کوئی خاص کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اچانک میں نے ایک تیز کار نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ نشانہ چوک جانے کی وجہ سے تیز صرف زخمی ہی ہوا۔ وہ زخمی ہونے کے باوجود پھر پھڑا کر اڑ گیا۔ تب نور اچانک بول پڑا۔

”مالک! پرندوں کو مت ماریں..... گناہ ہوگا..... مت ماریں انھیں۔“

غلامو نے اسے ڈانٹا۔

”چپ کر..... منڈیا! تجھے کیا خبر کہ شاہانہ شوق کیا ہوتے ہیں؟“

زخمی اور تڑپتے ہوئے پرندوں کی کیفیت محسوس کر کے ہم نے موڈ بدل دیا اور گھر سے لایا ہوا کھانا کھا لیا۔ پھر تھوڑا بہت گھومے پھرے۔ اس کے بعد ہم نے واپسی کی راہ لی۔ نور کو دل شیر گھر لے آیا اور اسے اپنے کمرے میں بٹھا کر پڑھانے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی کر رہے تھے۔ بھلا یہ بات بابا سائیں سے کیسی چھپی رہ سکتی تھی۔ یہ دیکھ کر بابا سائیں غصے ہو گئے اور نور ڈر کر چلا گیا۔

اس کے کئی بعد روز مصروفیات میں گزر گئے۔ ہم دونوں یوسف اور سہراب کے ساتھ مصروف رہے۔ پھر وہ واپس جا چکے تھے۔ اس دوران میں نور دوبارہ نہ آیا۔ دل شیر اور میں بہت فکر مند ہوئے اور اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تفصلوں پر جا پہنچے۔

لیکن یہ کیا.....!!

وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا.....!

میں سمجھ گیا کہ وہ میرے دوست سہراب اور یوسف ہی ہوں گے۔ دونوں میرے پرانے اور گہرے دوست ہیں۔ ان سے بیٹھک میں ملاقات کی اور گپ شپ کی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دور سے نور آتا ہوا نظر آیا۔ وہ اندر آنے سے گھبرار ہاتھا، مگر دل شیر اور میں اسے زبردستی کھینچ کر اندر سونے پر بٹھا ہی دیا۔ سہراب اور یوسف بھی اس سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ تب اس نے ہمیں ایک اور چیز دی۔ وہ مٹی سے بنائی گئی ایک جھونپڑی تھی، دل کش اور حسین جھونپڑی۔ اسے دیکھ کر سہراب اور یوسف کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ کافی دیر اس کی تعریفیں کرتے رہے اور نور شرمیلے انداز میں مسکراتا رہا۔ وہ حیران تھا، کیوں کہ اس سے پہلے اسے اس طرح کی عزت نہیں ملی تھی۔

پھر ہم دوستوں نے شکار کا پروگرام بنایا تھا۔ باہر گاڑی تیار کھڑی تھی۔ ہم نے اپنی اپنی ایرگنیں اٹھائیں اور گاڑی کی طرف بڑھے۔ نور نے ساتھ چلنے سے انکار کیا، لیکن ہم نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے بھی گاڑی میں ہی بٹھا لیا۔

گاڑی گاؤں سے نکل کر درختوں کے جھنڈ میں پہنچی، تو غلامو نے گاڑی ایک طرف روک کر ہمیں بتایا۔

”پرندوں کے شکار کے لیے یہ مناسب جگہ ہے۔“

ہم نیچے اترے اور شکاری تلاش میں لگ گئے

سے نہیں نکال سکتے..... امیری اور غربی کے بیچ  
حیثیت کی جو لمبی لمبی دیواریں ہیں، انہیں گرانا ہم  
کمزوروں کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن ایک دن  
جب ہمارا وقت آئے گا، تو ہم ان دیواروں کو پلک  
جھپکنے میں گرا دیں گے..... یہ میرا تم سے وعدہ ہے  
۔“

یہ سن کر اس نے تڑپ کر مجھے دیکھا۔ اس کی  
آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمک رہے تھے،  
جو میرا دل دہلانے کے لیے کافی تھے، لیکن میں بھی  
اسی کی طرح مجبور تھا۔ کیا کر سکتا تھا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اچانک بھرائی ہوئی آواز  
میں بولنے لگا۔ بولنے کیا لگا، اپنے اندر کا دکھ باہر  
نکالنے لگا۔

”گل شیر! کاش میں کبھی واس چا چاند روکا بیٹا  
ہوتا.....! نور کا بھائی ہوتا، تو اس وڈیرا نہ سوچ کو  
پیروں تلے روند ڈالتا..... میں فرق کی تمام سرحدیں  
مٹا دیتا..... میں حیثیت کے فرق کی تمام دیواریں  
منہدم کر دیتا..... کاش! میں نور کا بھائی ہوتا.....!!!!  
.....کاش.....!! کاش.....!! کاش.....!! میں نور کا  
بھائی ہوتا.....!!!!!!“  
میں نے اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں جھانکا  
تو کانپ کر رہ گیا۔

وہاں درد کا ایک دریا تھا، جس کا بہاؤ جلد ہی  
اس کے سارے وجود کو بھگونے والا تھا.....!!!

☆.....☆.....☆

نور تھا.....!  
نہ اس کا باپ نذر.....!  
اور نہ اس کی ماں.....!  
واقعی وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا.....!!!!!!  
وہاں اگر کچھ تھا، تو وہ تھی صرف ایک خالی  
جھونپڑی، جو ہمارا منہ چڑا رہی تھی.....!!!

پوچھنے پر معلوم ہوا کہ انھیں بابا سائیں نے  
یہاں سے بھگا دیا ہے۔ یہ جان کر ہمارے پیروں  
تلے زمین نکل گئی اور آنکھیں بھرا آئیں۔

شام کو دل شیر نے بابا سائیں سے اس نا  
انصافی کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا۔

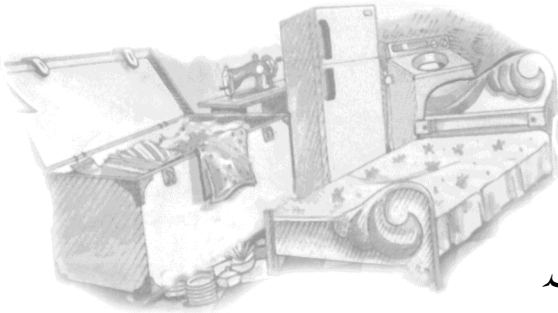
”تم لوگ ان کیوں کو اپنی حیثیت دینا چاہتے  
تھے اور یہ مجھے منظور نہ تھا، اس لیے میں نے مجبور ہو  
کر یہ قدم اٹھایا۔“

ہم دونوں منہ پھاڑے بابا سائیں کو دیکھتے رہ  
گئے۔

وہ سارا دن اسی پریشانی میں گزر گیا۔ میں نے  
اپنے آپ کو بڑی حد تک سنبھال لیا، لیکن دل شیر  
چوں کہ بہت حساس طبیعت کا مالک ہے، اس لیے  
وہ سخت پریشان اور بے قرار رہا۔ رات کو بھی وہ  
جاگتا ہی رہا اور نور کے دیے ہوئے تحفے دیکھتا رہا۔  
میں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے  
ہوئے سمجھایا۔

”دل شیر! بابا سائیں کی نا انصافی کو دل پر نہ لو  
..... ہم مجبور ہیں..... ہم انھیں اس طبقاتی دلدل

# اوقات



رقیہ عبدالمحمید

کوئین سر کتابوں میں دیے بیٹھی تھی۔  
 ”بس بھی کرو دنیا اور کتنا پڑھو گی؟“  
 عینہ نے دبا دبا سا احتجاج کیا۔ مینا مسکرا دی۔  
 اسے عینہ کے چہرے پر پھیلی اُداسی اور سرخ  
 آنکھوں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ خوب رو کر آئی ہے۔  
 آخر جڑواں بہن جو تھی، اُسے یاد آیا کہ سچ ہے اپنا غم  
 تو برداشت ہو جاتا ہے پر اپنوں کا غم برداشت نہیں  
 ہوتا۔

صبح یونیورسٹی نہ جانے پر زرینہ بیگم کے صبر کا  
 پیمانہ لبریز ہو گیا، وہ بغیر (Knock) کئے روم میں  
 آگئیں، جہاں عینہ اپنے بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی کسی  
 گہری سوچ میں تھی۔ ”بس بھی کرو عینہ مزید کتنے  
 دن یہ سوگ مناؤ گی، اب اس خول سے باہر آنے کی  
 کوشش کرو۔“

زرینہ بیگم کا دل اپنی جوان اولاد کی یہ حالت

وہ اپنے گھر کے ٹیس پر کھڑی کسی انجانے سوچ  
 میں گم تھی۔ ہر سواندھیرے کا راج تھا۔ اس گھمبیر  
 خاموشی میں چاندنی جگمگا رہی تھی۔ اسے اپنے پیچھے  
 کسی کا وجود محسوس ہوا۔  
 ”عینہ! ماما تمہیں نیچے بلا رہی ہیں۔“  
 خاموشی میں کوئین (نینا) کی آواز گونجی۔  
 ہم مہم..... فائن آرہی ہوں تم چلی جاؤ۔“  
 تھوڑی دیر خلا میں گھورنے کے بعد وہ نیچے اُتر

آئی۔ سامنے لاؤنج میں زرینہ بیگم، از میر، فارس،  
 سب ہی اس کے منتظر تھے۔  
 ”ماما اگر کوئی خاص بات نہ ہو تو پلیز مجھے  
 ڈسٹرب مت کریں، میں پہلے ہی بہت اپ سیٹ  
 ہوں۔“

زرینہ بیگم اپنی اس قدر توہین پر کچھ بول نہ  
 پائیں، تھوڑی دیر بعد عینہ اپنے روم میں آگئی جہاں

تھا۔ نینا کو تو ماں باپ کا فیصلہ دل و جان سے قبول تھا، پر عینہ بہت اوپر کی سوچ رکھتی تھی اس کے نزدیک پیسہ ہی سب کچھ تھا۔

نیلہ بیگم کا آنا جانا تو ہر وقت ہی لگا رہتا کہ یہاں ان کی بہن کے ساتھ ساتھ ان کی بہو بھی تھیں لیکن آج وہ خاص مقصد کیلئے آئی تھیں۔

زرینہ بیگم کو تو بہن کی خوشی بہت عزیز تھی سو انہوں نے نکاح کی تاریخ دے دی۔ ویسے بھی بچپن کی کہی ہوئی بات تھی۔ گھر میں سب ہی مطمئن تھے کہ عمارت بہت ہی بااخلاق اور نیک کردار تھا۔ لیکن عینہ یہ بات سن کر آگ بگولہ ہو گئی۔

”میں نہیں کروں گی ماما عمار سے شادی، آپ انکار کر دیجئے۔“

وہ بہت کم وقت میں بہت بڑی بات کہہ چکی تھی۔

نہیں بیٹا ایسا مت کہو بہن ہے وہ میری یہ بات تو بچپن سے طے ہے اور عمار اچھا لڑکا ہے تمہیں خوش رکھے گا۔“

زرینہ بیگم اپنے بیٹی عینہ کو سمجھانے لگی جو انجانے میں اپنی قسمت پر لات مار رہی تھی۔

”ماما پلینز! وہ دو ٹکے کا آدمی مجھے کیا خوش رکھے گا اور میرے ہاں بچپن کے رشتے کی کوئی وقعت نہیں، جہاں تک آپ کی رشتہ داری کی بات ہے تو پالتی رہیں اپنی رشتہ داری، بٹ پلینز مجھے ان جاہلوں میں مت ٹھوکیں۔“

دیکھ کٹ سا گیا۔ عینہ کچھ بھی بولے بغیر اٹھ کر فریش ہونے چلی گئی، فریش ہو کر نکلی تو ماما چپکی تھیں، اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو رائے کی کالیں تھیں اس نے سر جھٹک کر موبائل پاور آف کر دیا، اتنے میں انفال اس کیلئے چائے لے آئی۔

عینہ ماما بہت پریشان ہیں پلینز آج تو کچھ کھا لو ورنہ ماما مزید پریشان ہو جائیں گی، انفال کا لہجہ التجائیہ تھا۔ عینہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھانے لگی۔

انفال کی امی کی طبیعت ٹھیک نہ تھی سوزرینہ بیگم نے فارس سے کہہ کر اسے میکے بھیجوا دیا۔ انفال کے جانے کے بعد گھر میں مزید تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ ویسے تو زرینہ بیگم کو شور و غل پسند نہ تھا مگر آج تنہائی کاٹ کھانے کو تھی۔ وہ صابر سے چائے کا کہہ کر سیدھا لاونچ میں آ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد صابر چائے لے آیا انہیں پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی کوئین آپکی تھی۔

**کوئین کے ہوتے ہوئے امین دوسرا ہٹ مل جاتی۔** ویسے بھی اب نینا ہی تھی جس کے سامنے دل کا حال کہہ پاتیں۔

عینہ کی بات عمار کے ساتھ بچپن سے طے تھی۔ جبکہ نینا کی شیریں سے۔ عمار کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا، والد کی وفات کے بعد وہ اپنے والد کا بزنس سنبھال رکھا تھا۔ پڑھائی کو تو اس نے والد کی وفات کے بعد ہی خیر باد کہہ دیا تھا۔ شیریں البتہ اچھے خاصے گھرانے سے تھا اور ابھی پڑھ رہا

عمار اور رملہ آسٹریلیا شفٹ ہو گئے ویسے بھی  
عمار کا اب ادھر کیا تھا۔

دن ہو نہی گزرتے رہے اور عینہ کے رامش  
سے تعلقات بڑھ گئے لیکن عینہ جب بھی رامش  
سے رشتے کی بات کرتی تو وہ بڑے خوبصورت  
انداز سے ٹال جاتا، آج بھی ڈنر کے دوران عینہ نے  
جب رامش سے رشتے کی بات کی تو وہ ٹال گیا یہ کہہ  
کر ابھی تو ہم دونوں پڑھ رہے ہیں۔

گھر میں نینا کی شادی کی بات ہوئی تو زریہ  
بیگم نے بیٹی سے صاف کہہ دیا کہ وہ رامش کی امی کو  
بلوالے، وہ دونوں بیٹیوں کی شادی اکٹھی کرنا چاہتی  
ہیں۔ رامش کا موبائل بند جا رہا تھا تو عینہ نے اس  
کے گھر جانے کا پروگرام بنایا اسی بہانے رامش کی ماما  
سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ عینہ خوب دل لگا کر  
تیار ہونے لگی، رامش کے گھر پہنچ کر جیسے ہی وہ اندر  
بڑھنے لگی تو وہ ٹھٹھک گئی، اندر سے آوازوں کی تکرار  
پر وہ رک گئی۔

وہ رامش کی مغرور ماں تھی۔ ”عمار تم اس لڑکی کی  
کال ایڈیڈ کیوں نہیں کرتے؟“  
رامش ماں کی گود میں سر رکھے موبائل میں  
مصروف تھا، ماں کے سوال پر ایک دفعہ ماں کو دیکھا  
پھر کہا۔

مائی سویٹ مام جب میرے کھلونے تھوڑے  
سے پرانے ہوتے تھے تو میں کیا کرتا تھا۔

اس نے بچوں کی طرح ماں کو دیکھا تو اس کی

مجھے کوئی اور پسند ہے۔ باہر سے آتی نبیلہ بیگم  
کے ہاتھ سے کپڑوں کا شاپر گر گیا۔ کتنے ارمان تھے  
ان کے دل میں اپنی بھانجی کو بہو بنانے کے لیکن آج  
وہ جان چکی تھی کہ ”اوقات“ رہنا کیوں ضروری  
ہے، وہ کپڑے وہیں چوکھٹ پر گرا آئیں۔ وہ عینہ  
کی کوئی بھی یاد دل میں رکھنے کی روداد نہ تھیں۔

عینہ کے تعلقات رامش حسین سے تھے،  
رامش خود تو پڑھ رہا تھا لیکن اسکے والد کا بہت بڑا  
بزنس تھا، یونی میں اس کی پہنی ہوئی اشیاء کا چرچا تھا  
کہ رامش حسین برانڈڈ اشیاء پہنتا ہے۔ رامش امیر  
ہونے کے ساتھ خوبصورت بھی غضب کا تھا۔ انہیں  
باتوں نے اس کی گردن میں سریفٹ کر دیا تھا۔  
ایک مغرور سی مسکراہٹ ہر وقت اس کے کتابی  
چہرے کو گھیرے ہوتی عینہ تو گویا آسمانوں پہ تھی اس  
کیلئے تو یہی کافی تھا کہ ”رامش حسین“ جیسے لڑکے کی  
زندگی میں ہے۔

عمار کے بزنس میں ایک دم فائدہ ہوا تھا، اس  
نے اپنی ہی ایک کولیگ سے شادی کر لی تھی۔ نبیلہ  
بیگم تو اسی (عینہ) کے غم کو سینے سے لگائے رخصت  
ہو گئیں۔ عمار کو اللہ نے اسکی دعاؤں کا شمر رملہ کی  
صورت میں عطا کیا تھا، وہ بہت باپردہ اور نیک  
سیرت لڑکی تھی، رملہ نیک سیرت ہونے کے ساتھ  
ساتھ خوبصورت بھی ہے، یہ بات عمارہ کو شادی کے  
بعد پتہ چلی۔ کیونکہ رملہ مکمل پردے میں ہوتی اور  
جواب تو وہ مجبوری کے تحت کر رہی تھی۔

ماں ہنس پڑی۔

ظاہر ہے گرا دیتے تھے تم لڑکیوں کی طرح تک چڑھے جو تھے، لیکن میں نے تم سے اس لڑکی کا پوچھا اور تم یہ ٹاپک لے کر بیٹھ گئے وہ حُفگی سے بولیں۔

رامش سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، میں وہی بات تو کر رہا ہوں کہ اب وہ پرانی ہو گئی ہے آگے آپ خود سمجھا رہیں۔

رامش مکروہ ہنسی ہنس دیا۔ عینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا منہ نوج لے لیکن ابھی کچھ اور حساب باقی تھے تو پھر اس کی کال اٹینڈ کرو اسے صاف جواب دے دو۔

یہ رامش کی والدہ تھیں۔ عینہ کو اپنا دل کٹتا محسوس ہوا۔

سویٹ مام ان لوگوں کی ”اوقات“ ہی کیا ہے کہ میں ”رامش حسین“ انہیں چھوڑنے کے بعد صفائیاں دوں، کم آن مام آپ بھی کبھار حد کرتی ہیں۔

وہ لرزتے قدموں کے ساتھ واپس آگئی، قدم چلنے سے گریزاں تھے لیکن گاڑی تک تو چل کے جانا ہی تھا جیسے تیسے وہ گھر پہنچی آج اُسے اپنے ”اوقات“ کا پتہ چل گیا تھا۔

کسی کو اوقات یاد دلاتے وقت شاید وہ بھول گئی تھی کہ دنیا ”مکافات عمل“ ہے۔

☆.....☆.....☆

## علم کے موتی:.....

ہمارے پیارے نبی ﷺ پر جب جبرائیلؑ پہلی دفعہ غار حرا میں اللہ کا پیغام اقراء کے الفاظ کی صورت لے کر آئے۔ پھر پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ آپ ﷺ نے علم کو مومن کی گم شدہ میراث قرار دیا۔ مسلمانوں کو علم کی سب سے بڑی کتاب قرآن مجید کا تحفہ دیا جس میں دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کا علم ہے۔ کتاب اور علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مشہور فلسفی ابن عربی کہتے ہیں:

”کتاب پھولوں کا ایسا باغ ہے کہ آپ اس میں ہر طرح کا پھل کھا سکتے ہیں“۔ جس کے گھر میں کتابیں نہ ہوں وہ ایسے جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔ کتابوں کے بغیر درگاہ ایسے ہی ہے جیسی طالب علموں کے بغیر اور ایک شہر کتب خانے کے بغیر ویران ہے۔ سقراط کہتا ہے۔ ”جس گھر میں اچھی کتابیں نہیں وہ زندہ مردوں کا قبرستان ہے۔“

افسوس کہ آج کا معاشرہ کتابوں سے کوسوں دور ہے اور یہ فاصلہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے دور میں وزرا و امرا کی حیثیت کا اندازہ اُن کے ذخیرہ کتب سے لگایا جاتا تھا۔ جس کے پاس جتنا بڑا ذخیرہ کتب ہوتا اُس کو زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ جبکہ ملک عزیز کے سابق صدر پرویز مشرف نے ایک غیر ملکی دورے کے دوران ایک پاکستانی سفارت کار کے پاس وافر مقدار میں کتابیں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور تعجب سے پوچھا: ”آپ اتنی زیادہ کتابیں پڑھتے ہیں وقت کہاں سے نکال لیتے ہیں؟ یعنی وہ کتب بینی کو وقت کا ضیاع سمجھتے تھے۔“

(بحوالہ اردو ڈائجسٹ: نومبر: ۲۰۱۷ء)

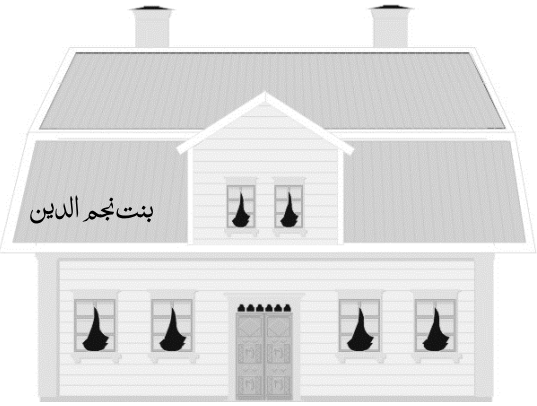
مرسلہ: سارہ، عمارہ عبدالرؤف)

# ”وہ ایک راز تھا جو کھل گیا.....“

تم کہاں سے ٹپک پڑے۔ دو  
اور تم نے کروائے ہیں ابھی بھی  
کمی ہے، ماعز نے چڑ کر کہا۔

اچھا تم لوگ چھوڑو اس بحث کو  
قرعہ ڈالتے ہیں تم دونوں کا۔  
لبابہ نے تجویز پیش کی جس کو  
سب قبول کیا اور ماعز کے حق  
میں فیصلہ ہو گیا۔

اس نے مسکرا کر سنینہ کو دیکھا۔  
وہ بھی یہی چاہتی تھی۔



سنینہ نے خود کو تیار کیا اور میدان میں کود پڑی۔  
اس کو جوش دلوانے میں چاروں کزنیں ہیں پیش  
پیش تھیں۔

پہلی بال پر ایک زوردار چھکا لگا۔ دوسری بال  
بہت تیز ہونے کی وجہ سے وہ کھیل نہ سکی۔  
اب کی بار لڑکوں کے گروپ کا شور بلند ہوا۔  
لڑکیوں نے بھی کہاں خاموش رہنا تھا۔

جی نہیں جی نہیں، ماعز نے بہت تیز بال کرائی  
ہے ہم نہیں مانتے، سنینہ یہ بال دوبارہ کھیلو۔ تم  
کیوں پریشان ہوتی ہو ابھی چار بال رہتی ہیں۔

تیسری اور تیز آتی بال بیٹ کے بجائے اس  
کے ہاتھ پر جا لگی اور اس کی چیخ نکل گئی۔ بیٹ  
پھینک کر وہ ہاتھ کو پکڑنے لگی سب ہی اس کی طرف  
بھاگے، کیا ہوا زیادہ زور سے لگی ہے؟..... وہ اپنا  
ہاتھ سہلارہی تھی جو سوچ کر نیلا ہو گیا تھا۔ اس کی

اب آپ آئیں میدان میں ذرا۔ بہت فحش رہی  
ہونے اپنی باری سے۔ جی نہیں ہم بچنے والوں میں  
سے نہیں ہیں۔ سنینہ ایسی شاٹ لگانا کہ اس ٹیم کے  
چھکے چھوٹ جائیں۔

پہلے یہ بتاؤ، مجھے بال کون کرائے گا۔ جس کے  
ہاتھ میں گیند ہے۔ حذقلہ نے گیند اچھالتے ہوئے  
کہا۔

جی نہیں میں نے ایک اوور بھی نہیں کروایا، لہذا  
یہ آخری اوور میں نے کروانا ہے۔ ماعز نے اس کے  
ہاتھ سے گیند چھیننے ہوئے کہا۔ اس کو چنے چبوانا  
تمہارے بس کی بات نہیں تم بازی رہو۔

کیوں؟ یہ اوور میں نے ہی کروانا ہے، ماعز بھی  
ضد پرائز گیا۔

ارے تم لوگ کیوں ٹائم ضائع کر رہے ہو چھوڑو  
میں کرواتا ہوں۔ عاصم بھی ان کے درمیان کود پڑا۔



آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ماعز بہت تیز بال کرواتے ہو آپ مناہل نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

اچھا چلو گھر کی طرف امی لوگ کچھ کر دیں گی۔ سب کی خوشی ہی کافور ہو گئی، پریشانی سب کے چہرے سے عیاں تھی۔ ماعز پریشان ہونے کے ساتھ شرمندہ بھی بہت تھا۔ اس کی نظریں نہیں مل رہی تھیں۔ پہلے تو گھر کے بڑوں سے ان سب کو بہت ڈانٹ پڑی۔ تائی امی نے ہلدی تیل لگا کر ماش کر کے پٹی باندھ دی۔

ماعز شام تک تو ٹھہرا رہا۔ جب وہ نیند کی وادی میں چلی گئی تو وہ اپنے گھر چل دیا۔ وہ ساری کزنیں ہی ایک کمرے میں سوئی تھیں، آج تو سنینہ کی طبیعت کی خرابی کی باعث اس کی امی بھی وہیں آ لیٹیں۔

میری بچی کو تو بخار بھی چڑھ آیا، انہوں نے اس کے سر کو دباتے ہوئے کہا۔ چچی درد کی شدت کی وجہ سے چڑھا ہے آپ اس کو گولی تو دیں ناں۔ لبابہ کے کہنے پر وہ بولیں۔ کچھ کھایا پیا بھی تو نہیں ہے اس نے۔ میں دودھ میں پتی ڈال لاتی ہوں۔ لبابہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

ایمان مسیح آیا ہوا ہے ماعز کا سنینہ کے نمبر پر۔ کیا لکھا ہے؟..... ”کیسی طبیعت ہے اب؟ میں معذرت کرتا ہوں اور بہت شرمندہ ہوں، میں نے گیند بہت آہستہ کروانے کی کوشش کی تھی لیکن بس

یہ چوٹ تمہارے مقدر میں لکھی تھی۔“ ہونہ اب شرمندہ ہوں اس وقت ہی تیزی دکھائی تھی مناہل نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

بیٹا اس نے خود سے تھوڑی ماری ہے، صحیح کہہ رہا ہے جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے، نہیں نہ چچی تیزی بہت دکھاتا ہے وہ۔ اچھا چھوڑو جواب دے دو مسیح کا، وہ مزید پریشان ہوگا۔

”امی جی اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ عاصم کے پوچھنے پر وہ بولی: ”بخار ہو گیا ہے۔“ ماعز کا بھی فون آیا ہے پوچھ رہے تھے آپ کی طبیعت کا، بیٹا اسے بتا دو مسیح بھی آیا ہے اس کا۔ بہت چھوٹا دل ہے وہ ساری رات نہیں سو سکے گا۔ امی نے اس کی طرف سے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

آپ کیوں اس کی ٹینشن بھی اپنے سر لیتی ہیں کیوں کیا تھا ایسا کام؟

”عاصم خود سے کوئی نہیں مارتا تمہاری طرح مضبوط اور طاقتور نہیں ہوتیں لڑکیاں جو تم ان کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتے ہو۔ کتنا منع کرتے ہیں تمہارے بابا۔ نہ ہی تم ایک ساتھ کھیلنے سے باز آتے ہو نہ ہی یہ مانتی ہیں۔“ امی نے عاصم کو خاموش کر دیا، وہ اُٹھ کر چلا گیا۔

صبح ہوتے ہی ماعز اپنے والدین کے ساتھ آ پہنچا۔ ”ہمیں تو ماعز نے بتایا تو بہت پریشانی ہوئی، وہ تو خود بہت شرمندہ ہو رہا ہے۔ اب کیسی

طبیعت ہے میری بچی کی؟“ ان کی بات سن کر سنینہ کی امی بولیں: ”سو جن تو آہستہ آہستہ ہی اُترے گی۔ درد کی شدت میں کچھ کی ہے، البتہ بخار ہو رہا ہے۔“

”حال سناؤ سنینہ کیسی طبیعت ہے اب؟ تم نے رات میرے مٹیج کا بھی جواب نہیں دیا۔“ ماعز نے گلہ کیا۔

”موبائل میں نے اُٹھایا ہی نہیں۔ صبح منابل نے بتایا تھا آپ کے مٹیج کا۔“ پتہ ہے میں ساری رات نہیں سو سکا۔ ماعز بولا۔

حفظہ مجھے درد کا انجکشن لگا رہا تھا اس لئے میں سکون سے سو گئی تھی۔ اب آپ پریشان نہ ہوں میں ٹھیک ہوں۔

”چلتے ہو ماعز۔“ ارقم کے کہنے پر وہ بولا: ”کہاں پر؟“ وہ امر کی طرف جا رہا ہوں اس کے والد کی طبیعت خراب ہے۔

”ہاں چلو، وہ بھی ارقم کے ساتھ چل پڑا۔ آج اتوار ہونے کی وجہ سے سب گھر پر ہی تھے۔ ماعز خود تو روز چکر لگاتا۔ اکیلا ہونے کی وجہ سے اس کا گھر میں دل نہیں لگتا تھا، وہ اپنے کزنوں کے ساتھ وقت گزار کر رات کو چلا جاتا لیکن اتوار کے دن اس کے والدین بھی ساتھ آتے تھے۔“

بھائی بھائی بیٹھ کر آپس میں دکھ سکھ بانٹ لیتے۔ تین بھائی تو ایک ہی گھر میں تھے، صرف ماعز کے والد ہی الگ گھر میں رہائش پزیر تھے جیٹھانی

دیورانی کی بھی خوب بنتی تھی۔

واپسی پر ماعز، آئس کریم لے آیا۔ ”ماعز آپ کتنا ٹھنڈا کریں گے اس کو۔“ ایمان نے شرارت سے کہا، ”تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں آج پہلی بار لایا ہوں، آئس کریم کو تو کافی وقت گزر گیا ہے نہ لائے ہوئے۔ ہر چیز موقع اور موسم میں ہی اچھی لگتی ہے، گرمی کی شروعات ہوئی ہیں تو میں یہ لے آیا۔“

”بہت شکریہ آپ کا بہت مزہ دے گئی۔“ سنینہ نے اس کا شریہ ادا کیا۔

”ارے کیا کھا رہی ہو اکیلا اکیلے، منابل نے انہیں کچھ کھاتے دیکھ کر دوڑ ہی سے چھلانگ لگائی۔“ مجھے کام میں لگا کر ٹھنڈی ٹھنڈی آئس کریم کے مزے لے رہی ہو، وہ تو شکر ہے میری حس بہت تیز ہے۔“

اسی لئے تو ہم نے تمہیں نہیں بلایا پتہ تھا تم خود ہی پہنچ جاؤ گی۔“ لُبا بے نے چیخ چاٹتے ہوئے کہا۔

”او ماعز بھائی! بڑے مزے کی آئس کریم لائے ہو۔ میری وجہ سے تمہارے بھی مزے ہو گئے، جی نہیں تمہارے لئے چھوٹا پیک بھی لا سکتے تھے، بھائی سب کیلئے لائے ہیں، ہے نہ بھائی؟“ ایمان نے تصدیق کرائی۔

”بھئی میں نے تو کہہ دیا تھا سنینہ سے مالک آپ ہیں جس کو بھی کھلائیں یا دوسرے دن کیلئے فریزر میں رکھ دیں۔ ویسے مجھے پتہ تھا کہ بہت بڑا

”نہیں بھئی۔ وہ بھی آئیگی سنینہ سے ملنے، میں تو پہلے بتا رہی تھی کہ آپ لوگوں کے ذہن میں تو ہونا۔“

”ارے پھوپھو آپ کیسی ہیں اور کیا ذہن ہیں ہو ہمارے.....“ حظلہ نے درمیان سے جملہ اچکا لیا۔

”تم ہر بات کو ہی سنا اور سمجھنا ضروری سمجھتے ہو۔“ منابل نے چڑکھاتو پھوپھو فوراً بولیں۔ ”یہ چھپانے کی بات ہے انہیں بھی پتہ چلنا چاہیے۔“

”دیکھیں نا پھوپھو! اسی لئے تو پوچھ رہا ہوں۔“ ایمان بولی تو سنو کان کھول کر ”جس وقت بریرہ اور ملاحم ہمارے گھر آئیگی تو تم لوگوں کا داخلہ بند ہوگا۔“

”کیوں بھئی؟ ہم نے کیا کہہ دیا انہیں جو اتنی بڑی سزا مل رہی ہے؟!.....“ عاصم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ ”بس کوئی تو وجہ ہے نا جو انہوں نے یہ بات سامنے رکھی ہے۔“ پھوپھو آپ بتائیں نا سچ کہہ رہی ہے یہ۔

”ہم نے تو کبھی انہیں کچھ کہا نہیں، بہنوں کی طرح عزت کرتے ہیں ان کی“ حظلہ نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے کہنے پر عاصم نے بھی تائید کی۔

”بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں، یہ تمہیں تنگ کر رہی ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ انہوں نے شرعی پردہ شروع کر دیا ہے اب آپ سے ان کا پردہ ہے اور

دل ہے اس کا، اکیلی نہیں کھائے گی،“ ماعز نے اس کی تعریف کی۔

”بس رہنے ہی دیں! دیکھ لیا اس کا دل میں نے، کل چائے کے ساتھ مزے لے لے کر کیک پیس کھا رہی تھی۔ میں نے اشارہ بھی کیا کہ ایک بار تو مجھ سے بھی کہہ دو کھانے کا، ایسے نظر انداز کر گئی جیسے دیکھا ہی نہ ہو، وہ تو پچا پیٹھے تھے ورنہ میں خود ہی اٹھا لیتی۔ میں بس منہ میں پانی بھر کر ہی رہ گئی۔“ ایمان نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اُف..... کب؟! مجھے تو نہیں معلوم،“ لیکن اس کی بات پر سب ہی ہنس پڑے۔ ماعز بھی مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، ”ابو بلا رہے ہیں میں چلا اپنی طبیعت کا حال دیتی رہنا۔“ ”جی ٹھیک ہے“ سنینہ نے سر ہلادیا۔

صبح پھوپھو چلی آئیں۔ جب پتہ چل جائے تو کہاں ٹھہرا جاتا ہے پھر۔ پھوپھو بریرہ اور ملاحم کو بھی ساتھ لے آئیں۔ سنینہ نے کہا، تو تائی امی بھی کہنے لگیں ”ہاں باجی لے آئیں بچیوں کو۔ کافی وقت گزر گیا ہے انہوں نے چکر نہیں لگایا۔“

”وہ دونوں شرعی پردہ کرنے لگی ہیں۔“

”کب سے؟“ منابل نے حیرت سے پوچھا۔ ”اصل میں ان کی دوست نے ذہن بنایا وہ پچھلے پندرہ دنوں سے مدر سے جا رہی ہیں۔“ ”اچھا تو اب کیا آپ ان کا یہاں آنا چھڑوائیں گی؟“ منابل نے حظلہ سے کہا۔

ہے لیکن اُن سے بے جافضل باتیں تو نہیں ہونی چاہیے نہ پھر.....“

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں باجی، اب احتیاط کرنا شروع کر دو“ چچی کے تائید کرنے پر وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مُسکرا نے لگیں۔ ہنستی ایسے ہیں جیسے میں کوئی انوکھی ہی بات کر رہی ہوں۔

آفس سے واپسی پر ماعز گاڑی لے کر پہنچ گیا۔ ”چلو جلدی“۔ ”کہاں پر؟“ منابل نے حیران ہوتے پوچھا۔ ”پارک چلتے ہیں۔“ ”اوہ جیو۔“ ”سنیہ کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ کمرے میں ہے۔“ منابل ماعز سے پہلے ہی کمرے میں جا پہنچی، ”سنیہ اب انکار مت کرنا۔ ماعز بھائی پارک لے کر جا رہا ہے پلیز انکار مت کرنا۔“

اتنے میں پیچھے سے ماعز آ پہنچا، چلو نا اُٹھو، اس نے آتے ہی کہا نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔ منابل نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

”تمہارا دل بہل جائے گا۔ تمہارے لئے میں نے دوست سے گاڑی مانگی ہے۔“ مجھ سے پہلے پوچھ تو لیا ہوتا، میری طبیعت ٹھیک نہیں پھر کسی دن۔“

”اُٹھ جاؤ یار، ایمان اور بُبابہ بھی آکھڑی ہوئیں مجبوراً سب کا دباؤ پڑا تو چار ونا چار وہ اُٹھ گئی۔“ پھوپھو انہیں جاتے دیکھ کر بس افسردہ ہو کر رہ گئیں۔ ابھی وہ نکل ہی رہی تھی کہ حنظلہ اور عاصم بھی

بات کوئی بھی نہیں ہے۔“

”واہ پھوپھو۔ اب پردے کا کیا فائدہ، ہم نے تو ان کو خوب دیکھا ہوا ہے۔“ حنظلہ نے مزاحاً کہا۔ ”بیٹا جب سمجھ آ جائے دین کی جب ہی فائدہ ہے پہلے سمجھ نہیں تھی اب دین کو پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سمجھا ہے نبی پاک ﷺ کے طریقے کو پڑھا ہے، تو اب سمجھ آ گیا، اب عمل نہیں ہوگا گناہ بھی ہوگا۔ جب تک سمجھ نہیں تھی چلتا رہا۔ بیٹا بے پردگی بد نظری بہت بڑا گناہ ہے۔“ ”ارے پھوپھو پھر تو آپ یہ بھی کہیں گی کہ میرا بُبابہ، ایمان اور منابل سے بھی پردہ ہے۔“ ”جی ہاں بالکل ہے۔“

”اوہ! بھاگو یہاں سے، سن کر عمل نہیں کروں گا تو گناہ ہوگا۔“ عاصم یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ”اب کہاں بھاگتے ہو اب تو سن لیا، تائی امی نے پیچھے سے آواز لگائی۔“ ہر بات کو مذاق میں لیتے ہیں، پھوپھو ناراض سی ہو کر بولیں۔

”پھوپھو اصل میں بچپن سے ہم سب اکٹھے رہے ہیں، ہم میں تو یہ فرق ہی پتہ نہیں چلتا کہ ہمارا سگا بھائی کون ہے؟ سب ہی ایک سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔“ بُبابہ نے کہا۔

”لیکن بیٹا بے شک عاصم اور ارم تمہارے بھائی ہی کی طرح ہیں لیکن تمہارا ان سے نکاح تو جائز ہے نا، اور جس سے نکاح ہو سکتا ہے تو اس سے پردہ بھی ضروری ہو گیا۔“

”بے شک تمہارا ایک گھر میں پردہ کرنا مشکل

کو دیکھتے ہوئے کہا، ”مجھے نکال کر لادو“ اس نے دیکھا تو ماعز کا میٹج تھا۔

”کیسی رہی آج کی تفریح؟“ اس نے جواب لکھا ”بہت اچھی“ صرف اچھی اس نے دوبارہ پوچھا۔ ابھی اسی تفریح کا ذکر رہی ہو رہا تھا اور آپ کی تعریف؟

”ویسے آپ نے اتنا خرچ کیوں کیا؟ کیا ضرورت تھی اس کی؟“..... اس کے میٹج کرنے پر اس نے جواب دیا ”میں نے سب اپنی خوشی سے کیا ہے۔ میں اس وقت آپ کو میٹج کر کے تنگ نہ کرتا، مجھے پتہ ہے آپ جلد تھک جاتی ہیں سوتی بھی جلدی ہیں، لیکن ایک بات کرنی ہے۔“

”ویسے لبابہ، ماعز بھائی کے میٹج اس کی نیند ختم نہیں کر دیتے؟“ منابل نے اُسے چھیڑا اور ”اگر ہم ہلکا سا بھی بولیں تو اس کی نیند خراب ہوتی ہے، ایمان نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ لیکن اس کا ذہن ماعز کی طرف ہی تھا یہ نہیں کیا بات کرے گا۔

”جی کریں“ اس نے رپیلی کیا۔ ”میں گھر آیا تو امی ابو نے مجھ سے میری خالہ کی بیٹی کیلئے رائے لی۔ خالہ نے خود رشتہ بھیجا ہے، خوش تو ہیں دونوں لیکن پھر بھی میری رضامندی کو سامنے رکھا۔“

میٹج پڑھ کر اس نے لکھا ”پھر“..... ”لیکن میں نے بالکل انکار کر دیا ہے، اب میں نے سوچا ہے کہ تمہاری رائے بھی لے لوں اب کیا خیال ہے میرے بارے میں؟“

آگے وہ بھی ساتھ ہو لیے۔

”بھائی صاحب بچوں کو بہت آزادی دی ہوئی ہے آپ لوگوں نے، آج کل کے ماحول کا بھی آپ کو پتہ ہے۔“ جواب میں انہوں نے اللہ مالک ہے کہہ کر بات ختم کر دی۔

رات دیر سے ان کی واپسی ہوئی۔ ”بہت تھک گئی ہوں میں“ سنینہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”ماعز بھائی نے بہت خرچ کر لیا۔ اتنی اُمید نہیں تھی مجھے تو۔“ لبابہ کے کہنے پر منابل نے بھی حصہ ڈالا۔

ہر بندے کو اس کے پسند کا کھانا اور اس سے پہلے پارک میں کٹلس، دہی بلے، کولڈرنک، چپس، آئسکریم.....

”ویسے ماعز بھائی اب زیادہ ہی اچھے نہیں ہوتے جارہے۔“

لبابہ نے سنینہ کی طرف کن آنکھیں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بالکل خاموش بیٹھی بس ان کی باتیں سُنے جارہی تھی۔ ”تمہیں کیوں چپ لگی ہوئی ہے۔ اب تو ٹھیک ہو، ہنسو کھیلو۔“ ایمان نے اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر کہا۔ ”خوب نخرے اٹھوا رہی ہے سب سے“ منابل نے کہاں پیچھے رہنا تھا۔ ان کی بات سن کر وہ مسکرانے لگی۔ ”بس اب سونے دو بہت نیند آرہی ہے۔“ وہ لیٹتے ہوئے بولی۔

”وہ دیکھو سامنے موبائل پر میٹج آرہا ہے کسی کا؟“ منابل نے چار جنگ پر لگے سائلنٹ موبائل

”جی بات سنیں۔“ اُس نے جواب لکھ دیا۔  
”سنائیں۔“

”میں نے آج امی ابو سے بات کی تھی۔“ پھر  
کیا کہا انہوں نے؟ اُس نے پوچھا۔  
ماعز کی عادت تھی وہ مختصر جملہ لکھتا تھا۔  
”پتہ نہیں کیوں انہوں نے انکار کر دیا۔“  
سُنیہ کو جھٹکا لگا۔

اسے قطعاً اُمید نہیں تھی کیوں کہ وہ ان چاروں  
میں سب سے زیادہ سُنیہ کو چاہتے تھے۔ ”لیکن  
کیوں؟“ انہوں نے اُل بات کی ہے کہ یہ ممکن ہی  
نہیں ہے۔

ارے میڈم خیر تو ہے یہ تمہارے منہ کے  
زاویے کیوں تبدیل ہو رہے ہیں؟“ منابل نے اس  
کے بدلتے تیور دیکھ کر پوچھا۔ ”کیا کہہ رہے ہیں  
ماعز بھائی؟“ ایمان نے بھی پوچھ لیا۔ ”کچھ نہیں کہہ  
رہے“ اُس نے انہیں جھڑک دیا۔

”اب نہیں پوچھنا تیور بدلے ہوئے لگ رہے  
ہیں۔“ لُبا بہ نے ان دونوں کو کھسیانی ہنسی ہنستے دیکھ کر  
کہا۔

وہ تینوں اسے نظر انداز کر کے اپنی باتوں میں  
مگن ہو گئیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ تم اپنے والدین سے  
کہہ کر دیکھو۔ اس نے جواب لکھا: ”نہیں میں یہ  
قدم نہیں اٹھا سکتی۔ مجھے شرم آتی ہے بہت۔“  
”میں خود کیسے کہوں گا پھر؟.....“

”تائی امی سے آپ کی بہت لگتی ہے ان کے

اس نے میسج پڑھ کر تینوں کو دیکھا۔ تینوں ہی  
آپس میں باتوں میں مصروف تھیں۔ ”جی میں نے  
کیا انکار کرنا ہے ٹھیک ہے۔“

”کیا ٹھیک ہے؟“ ماعز نے پریشانی سے  
پوچھا۔ ”یہ ہی کہ میں راضی ہوں آپ کے فیصلے پر۔“  
شکریہ بہت میں نے تمہیں ننگ کیا، معذرت خدا  
حافظ۔

ماعز نے سُنیہ کا نام اپنے والدین کے سامنے  
رکھا تو دونوں کو جھٹکا لگا۔ ”ماعز یہ نہیں ہو سکتا؟“.....  
کیوں؟“ وہ فکر مند سے بولا۔ ”بس ہم نے کہہ  
دیا ہے نا، اس کے بدلے تم منابل، لُبا بہ کا نام لیتے  
ہم کبھی بھی تمہاری پسند کو نہ ٹھکراتے۔“

”پھر سُنیہ ہی میں کیا کمی ہے یہ تینوں بھی تو اسی  
گھر کی ہی ہیں؟“ ”کمی کوئی نہیں ہے بیٹا۔ تمہارے  
ابو صحیح کہہ رہے ہیں یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔“

”آپ لوگ میرے سامنے وجہ رکھیں۔“ ماعز  
بھی اپنی بات پر اڑ گیا۔ ”بیٹا موقع کی مناسبت سے  
بات کو سامنے دکھایا جاتا ہے۔“

”امی جی آپ لوگ کچھ ہی کہتے رہیں، یہ رشتہ  
ہوگا۔“ ماعز نے انہیں پریشان چھوڑ دیا۔ ماں کی  
آنکھوں میں آنسو تھے، باپ بھی گم مُکھ ہڑا تھا۔

وہ ابھی آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ ماعز کا  
میسج آ گیا۔ دو دفعہ سے وہ رات کو بھی میسج کرنے  
لگا تھا، ویسے تو سُنیہ نے منع کیا ہوا تھا رات کو میسج  
کرنے سے۔ وہ نیند کی بہت دکھیری تھی۔

ذریعے سے کہہ دیں۔“ اس نے ترکیب بھائی۔  
”اچھا ٹھیک ہے کرتا ہوں کچھ۔“

وہ سوچنے لگا کہ تائی امی مجھے کہاں ملیں گی،  
اکیلے ہی میں بات ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے اسے  
یاد آیا ”ہم م م، گڈ! ان لوگوں کی ماموں کے بیٹے کی  
شادی قریب ہے اس دن مجھے موقع مل سکتا ہے۔“

پھر اس نے موقع ڈھونڈ ہی لیا۔ ”مازع جاؤ گے  
نہ شادی پر؟“..... ”ہاں بھی کیوں نہیں، اسی لئے تو  
تیار ہو کر آیا ہوا ہوں۔“ تم لوگ گاڑی میں  
جاؤ گے؟“

”جی ہاں! جگہ تو نہیں ہوگی اتنے لوگوں کی“  
رے یار بانیک بھی تو ہے نا، یوں سب بیٹھنے لگے۔  
تائی امی پیچھے رہ گئیں دروازوں کو لاک کرنے  
لگیں۔ ”تم لوگ چلو تائی امی کو میں لے آتا ہوں  
اپنے ساتھ۔ یہ موقع اس کو ہاتھ آ گیا تائی امی ہٹیں  
میں لاک کر دیتا ہوں۔“

جب وہ باہر آئیں تو وہ بولا: ”تائی امی میری  
بات سنیں۔“ ”جی بیٹا بولو۔“ ایک شرط پر ساتھ دیں  
گی میرا۔ ”ہاں کیوں نہیں تم بتاؤ تو سہی، بات کیا  
ہے؟“

”وہ، تائی امی! آپ سنیہ کا اور میرا رشتہ  
کروادیں۔“ وہ حیرت کا بت بنی بس اُس کا منہ تکتے  
لگیں۔ یہ اس نے کیا کہہ دیا۔  
”کیا ہوا؟“..... ماعز نے انہیں خاموش کھڑا  
دیکھ کر پوچھا۔ ”کچھ نہیں بیٹا۔“

”خیر ابھی تو آپ چلو، میں کروں گی بات گھر  
کے بڑوں سے۔“ تائی امی نے پریشانی سے کہا۔ وہ  
بھی چُپ ہو گیا۔ پتہ نہیں کیا وجہ ہے ایسا ہی حال  
میرے والدین کا ہوا تھا اب یہ ہی حال تائی امی کا۔  
وہ سوچ رہا تھا اور وجہ جاننے کیلئے بے چین۔

شام میں واپسی پر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ سنیہ کو  
بتاؤں یا نہیں۔ وہ سوچنے لگا آج تو وہ واقعی میں  
بہت تھک گئی ہوگی۔

اچھا بس ایک میسج کر دیتا ہوں جواب آیا تو  
ٹھیک، ”آج میں نے تائی امی سے بات کی تھی۔“  
سنیہ نے میسج پڑھ کر فوری رپلی کیا۔ ”کیا کہاں  
انہوں نے؟“..... ”انہیں بھی میرے والدین کی  
طرح جھٹکا لگا، لیکن پھر بولیں کرتی ہوں بڑوں  
سے بات۔“ سنیہ نے مختصر لکھا: ”اچھا جی ٹھیک  
ہے۔“

تائی امی نے سب کے سامنے بات رکھی۔ اب  
آپ لوگ سوچ سمجھ کے ساتھ فیصلہ کرو، اب بات  
ایسی ہوگئی ہے کہ بچوں کو بتائے بغیر چارہ نہیں۔ **ہاں**  
**مجھ سے بھیانک بات کی تھی کہ ماعز مند پر ہے۔**  
اچھا ایسا کرتے ہیں کل اتوار ہے، ماعز بھی  
ہوگا۔

بھابھی اور بھائی اور سب بچوں اور بچوں کو بھی  
اکٹھا کر لیں گے اس سے پہلے کہ وہ کوئی قدم  
اٹھائیں۔ ”جی ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ“ بڑے  
بھائی کی بات پر سب نے سر جھکا دیا۔

داماد بنا رکھا تھا، ان کو بچوں سے محبت بہت تھی ہم سب بھائیوں میں سب سے زیادہ بچوں کو وہ ہی چاہتے تھے بلکہ اب بھی چاہتے ہیں، پھر میں نے اپنی خوشی سے ماعز کو ان کا بیٹا بنادیا۔“

ماعز نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا، اس انکشاف نے سب کو حیرت زدہ کر دیا تھا اور وہ ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

”میں نے بھائی سے کہا تھا، ماعز آپ کا بیٹا ہے لیکن میرے رب کا فرمان ہے منہ بولا بیٹا تمہارا حقیقی بیٹا نہیں۔ اسی لئے ان کو اس کے حقیقی باپ کے نام سے پکارا کرو۔ آپ ماعز کے ساتھ میرا نام رہنے دیجئے گا لیکن یہ نہ ہو سکا، ہم نے رب کی نافرمانی کی، نتیجہ تو ہمیں ملنا تھا۔“ ماعز اور سنینہ کا سر جھکتا چلا گیا۔ ”میں دراصل یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ماعز اور سنینہ، عاصم اور ارقم یہ چاروں حقیقی بہن بھائی ہیں۔“

آج یہ راز سب پر کھل گیا کہ ہمارے والدین ماعز کو بھی اتنا کیوں چاہتے ہیں، عاصم کو یاد آیا ماعز کیلئے بھی ایسے ہی پریشان ہوتی ہیں جیسے کہ ہمارے لئے۔ انہوں نے بات ختم کی لیکن اس نشست اور وضاحت کی اصل وجہ ماعز اور سنینہ کے علاوہ باقی سب نہ سمجھ سکے۔



شام کا کھانا کھانے کے بعد چاروں بھائی بھی ساتھ بیٹھے تھے اور ان کی بیویاں بھی اور بچے بھی۔ ”آج خیر ہے ابو آپ نے سب کو جمع کیا ہے؟“ عاصم نے استفہامیہ انداز میں پوچھنے پر وہ بولے۔

”جی! بیٹا خیریت ہی ہے۔“..... ”لیکن آپ کے چہرے سے تو نہیں لگ رہا!!“ ”کیوں کیا لکھا ہے میرے چہرے پر؟!“ - ”چچا چھوڑیں، فضول سوالات کرنا ان کی عادت ہے، آپ جو کہنا چاہ رہے ہیں کہیں“۔ ”لبا بہ نے کہا۔“

”بیٹا مجھے الفاظ سمجھ نہیں آرہے کہ میں تم سے کن الفاظ میں بات کروں“ اب کی بار سب خاموش تھے۔

”کیا مطلب؟“ ارقم نے خاموشی توڑی۔ سنینہ کے والد کو بات کرنے کا سلیقہ بہت تھا، انہوں نے ایک نظر ماعز اور سنینہ پر ڈالی، پھر گویا ہوئے: ”میرا سب سے بڑا بیٹا ارقم تھا، ارقم کے بعد اللہ پاک نے پھر بیٹا دیا، جب تک اماں جی زندہ تھیں جب کہ بڑے دو بھائیوں کی شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے، بڑے بھائی کو تو اللہ پاک نے لبابہ کی صورت میں اپنی رحمت سے نوازا جبکہ ریاض بھائی اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ دوسرے بیٹے کی پیدائش پر اماں جی نے مجھ سے کہا کہ میں یہ بیٹا ریاض بھائی کو دے دوں کیوں کہ وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے اور وہ ہمارے گھر میں تو رہتے نہیں تھے، ان کی ساس صاحبہ نے اکیلی ہونے کی وجہ سے انہیں گھر



## خواتین اسلام کی درخشاں تاریخ

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات رنگ و بو کو مرد و عورت کے امتزاج سے رعنائی بخشی۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک روئے زمین پر کھربوں معاملات اور حالات پیش آئے ان میں جہاں مردوں کا کردار ہے وہی خواتین بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ زیر نظر تحریر میں خواتین کی عبادت، ذہانت، بہادری، ان کے مفید مشوروں، دانش مندانہ فیصلوں، اللہ و رسول سے محبت، خواتین کی قربانیوں..... کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے، جو آج کی خواتین کے لیے مشعلِ راہ ہے.....

### حضرت امام عمر بن ہارونؒ کی والدہ محترمہ کی تربیت

امام ابو حفص عمر بن ہارونؒ بلخی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں خراسان کے مشاہیر علماء محدثین میں سے تھے، علوم دین کے مخزن تھے۔ ان کی والدہ پڑھی لکھی خاتون تھیں اور اپنے بیٹے کے علمی مشاغل میں ہاتھ بٹاتی تھیں۔ ایک عالم ابو غسان بیان کرتے ہیں:

”مجھے معلوم ہوا کہ ان کی والدہ حدیث لکھنے میں ان کی مدد کرتی تھیں“۔ انہوں نے امام مالک، امام ابن جریج، امام شعبہ بن ججاج، امام سفیان ثوری وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان کے تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم جیسے حضرات ہیں۔



### حضرت امام ابو جعفر بن بسطامؒ کی والدہ کی تربیت

خلیفہ المقتدر باللہ وزیر ابو الحسن بن فرات نے ایک مرتبہ شیخ ابو جعفر بن بسطامؒ سے کہا کہ یہ تمہاری روٹی کا کیا قصہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ میری والدہ نہایت نیک سن رسیدہ عورت تھی۔ میری پیدائش کے وقت ہی سے ان کی عادت ہو گئی تھی کہ جس بستر میں، میں سوتا تھا، ہر رات اس کے نیچے ایک روٹی رکھ دیا کرتی تھیں اور صبح میری طرف سے اس روٹی کو صدقہ کر دیا کرتی تھیں اور میں بھی اب تک ایسا ہی کر رہا ہوں۔ یہ سن کر وزیر ابن الفرات نے کہا کہ میں تم سے بہت بدظن تھا اور گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ تین رات سے مسلسل خواب دیکھتا تھا کہ تم سے جنگ کر رہا ہوں تاکہ گرفتار کروں، مگر تمہارے ہاتھ میں ڈھال کی مانند روٹی رہتی تھی جس سے میرا تیرم کو نہیں لگتا تھا، جاؤ اب تم مامون ہو۔ (منتظم۔ ص ۶/۱۶۲)

### حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کی جنت میں رفیقہ حیات

ایک روز حضرت ابراہیم ابن ادھمؒ نے جناب الہی میں عرض کیا کہ ”یارب! جنت میں جو عورت میری رفیق ہوگی اسے مجھے دکھا دیجیے۔“ چنانچہ خواب میں ان کو دکھایا گیا کہ ”جنت میں جو عورت تمہاری رفیقہ ہوگی وہ نہایت ہی بد صورت اور کالی ہے جس کا نام سلامہ ہے اور فلاں جگہ میں بکریاں چرا رہی ہوگی۔ یہی عورت جنت میں تمہاری رفاقت کرے گی۔“ جب ابراہیمؒ نیند سے بیدار ہوئے تو خواب میں بتائی ہوئی جگہ کی طرف چل نکلے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ واقعی ایک کالی عورت بھونڈی اسی حالت میں ملی۔ حضرت ابراہیمؒ نے سلام کیا، تو عورت نے جواب میں کہا: ”علیکم السلام یا ابراہیم!“ یہ سن کر ابراہیم بن ادھمؒ نے دریافت کیا کہ ”آپ کو یہ کس نے بتایا کہ میں ابراہیم ہوں؟“ عورت نے جواب دیا کہ ”جس نے آپ کو یہ بتایا کہ میں جنت میں آپ کی رفیقہ ہوں گی۔“ یہ سن کر ابراہیم ابن ادھمؒ دنگ رہ گئے اور اس عورت سے کہا کہ ”خدا کے واسطے مجھے کچھ خاص نصیحت کیجئے۔“ یہ سن کر اس عورت نے کہا: ”اگر محبت الہی کا دعویٰ ہے تو اپنے اوپر نیند حرام کیجئے، اور سجدے اور قیام لیل پر مداومت کیجئے اور دولت سے نہیں عبادت سے دل لگا لیجئے۔ ان باتوں سے آپ محبت الہی میں سچے ہو جائیں گے۔“

### اہلیہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ کا استغنا

حضرت سلطان الہند خواجا جمیریؒ کے خلیفہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ کی اہلیہ بڑی صاحب کمال تھیں۔ بعض اوقات فقر و استغنا کے مجاہدات میں ان کی ہمت سے شیخ کو بھی تقویت ملتی۔ شیخ بہت ہی توکل، قناعت کرنے والے تھے اور حلال کھانے کا اہتمام فرماتے تھے اس لئے امراء و سلاطین کے ہدایا سے بچتے تھے۔ تھوڑی سی زمین کاشت فرماتے۔ زمین تھوڑی، پیداوار کم، کپڑے بھی بقدر ضرورت خرچ فرماتے۔ بہت عسرت تنگ دستی اور فاقوں میں گزر ہوتی۔ کپڑے بھی حسب ضرورت نہیں ملتے تھے۔ کپڑوں میں پیوند کثرت سے ہوتے۔ ایک دفعہ بہت تنگی تھی ان کی لنگی اور بیوی کا دوپٹا بھی پھٹ چکے تھے۔ ان سخت حالات میں بادشاہ کی جانب سے اشرفیوں کی تھیلی اور جاگیر کا پروانہ پہنچا۔ بیوی سے جا کر اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے اس ہولناک تنگی کے باوجود شیخ سے عرض کیا، آپ سال ہا سال کے فقر و قناعت کو ضائع نہ کیجئے۔ میں نے دو نیر سوت کات لیا ہے جس سے آپ کی لنگی اور میرا دوپٹا تیار ہو جائے گا۔ شیخ نے ستر چھپانے کا یہ انتظام سن کر قاصد کو واپس کر دیا۔

## حضرت معاذہ عدویہؒ کا پوری رات عبادت کرنا

محمد بن فضیلؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ ایک خاتون معاذہ عدویہ تھیں۔ ان کا شمار اپنے وقت کی عبادت گزار خاتون میں ہوتا تھا۔ جب دن کی روشنی پوری دنیا کو منور کر دیتی تو یہ فرماتیں کہ ”یہی وہ دن ہے جس کا مجھ کو انتظار تھا اور یہ وہ دن ہے جس میں میں اس دنیا سے سفر کروں گی“۔ یہ کہہ کر وہ اللہ کی نیک بندی پورا دن عبادت میں گزار دیتی تھیں اور جب شام ہوتی اور تاریکی کا راج بڑھنے لگتا تو وہ فرماتیں: ”شاید یہی وہ رات ہے جو میرے لئے مقدر ہے۔“ پھر وہ عبادت میں مشغول ہو جاتی تھیں حتیٰ کہ سپیدی سحر نمودار ہونے لگتی اور جب موسم سرما کی آمد ہوتی تو وہ اپنا لباس بہت ہی ہلکا کر دیتی تھیں تاکہ سردی نیند کو روکے رہے۔

حکیم بن سنان کی روایت ہے کہ مجھ سے ایک خادمہ نے جو معاذہ عدویہ کی خدمت کرتی تھیں، بتایا کہ معاذہ عدویہ ساری رات نماز پڑھتی رہتی تھیں۔ جب ان پر نیند کا غلبہ ہوتا تو پورے گھر میں ٹپٹی رہتیں اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرماتیں: ”اے نفس! نیند تو تیرے سامنے ہے اور تیرا اس سے سابقہ پڑے تو سو لینا“۔ خادمہ کا بیان ہے کہ معاذہ عدویہؒ یہ فرماتی جاتیں اور آنکھوں سے آنسو جاری رہتے صبح ہو جاتی۔

(صفۃ الصوفیۃ ابن الجوزی ۲/ ۱۷۰)



## نقیشؒ بنت سالم کی بیت اللہ میں عجیب مناجات

ابی المورقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے نقیش بنت سالم کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کہتی تھیں: ”اے لوگوں کے مالک! محنتیں ختم ہو گئیں۔ یہ مقام ہے آپ کی سختی سے پناہ مانگنے کا، آپ کی رحمت طلب کرنے کا غضب سے۔ اے رجوع کرنے والوں کے دوست، اے وہ ذات جس سے مایوسی ختم نہیں ہو سکتی، اے نعمتوں والے، احسان والے، اپنے وصال کا شوق (محنت) زیادہ کر دے اور میری آنکھیں اپنی رضا کے ساتھ ٹھنڈی کر دے۔“ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو موقف پر دیکھا، وہ کہہ رہی تھیں: ”گناہ میرے اوپر بوجھ بن گئے ہیں۔ اے لوگوں کے سردار میری آنکھوں میں حزن (غم) کا سرمہ پڑ گیا ہے۔ مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بالکل نہیں ہٹوں گی حتیٰ کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے اور میرا گھر کہاں ہے۔“ جب لوگوں کے ہاتھوں کو دعا کے لئے پھیلا ہوا دیکھا تو کہنے لگیں: ”اے اللہ اب ان لوگوں میں ہمیشہ کے لئے جہنم کا خوف باقی رکھنے کی توفیق عطا فرما دے۔ میری اور بزرگوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دے جو تیرے انعام کی تلاش میں رہتے ہیں اور تیرے فضل کی امید کرتے ہیں۔“

پھر جب لوگ لوٹ گئے تو انھوں نے اپنا چہرہ زمین پر رکھا، چیخ ماری اور کہا: ”لوگ تو لوٹ گئے ہیں مگر میرا

دل آپ سے نہیں بھرا۔“ (صفحات نیرات من حیاة السابقات)

☆.....☆.....☆

شوہر کا غسل و کفن خود کیا

ابوبکر محمد بن حسین آجریؒ فرماتے ہیں، مجھے یہ خبر ملی ہے کہ عبداللہ بن فرجؒ جب فوت ہو گئے تو ان کی بیوی نے ان کے بھائیوں کو انتقال کی خبر نہیں دی جو ان کی بیماری کی وجہ سے دروازے پر بیٹھے داخلے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ان کی بیوی نے غسل دیا اور ایک چادر میں کفن دیا اور باہر دروازے کا ایک حصہ اٹھا کر اس پر ان کو لٹا دیا۔ پھر ایک رسی سے مضبوط باندھ دیا پھر ان کے بھائیوں کو بلایا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور میں ان کے کفن سے بھی فارغ ہو چکی ہوں۔ وہ آئے اور انہوں نے جنازہ اٹھایا۔

(صفحات نیرات من حیاة السابقات)

☆.....☆.....☆

حضرت ام البنین کی سخاوت اور تعلق مع اللہ

حضرت ام البنین بنت عبدالعزیز عورتوں کی طرف پیغامات بھیجتیں تو وہ ان کے پاس اکٹھی ہو جاتیں اور وہ نماز پڑھنے لگ جاتیں۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہتیں کہ ”تمہاری باتوں سے مجھے محبت ہے لیکن جب نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو میں تم سے بے پروا ہو جاتی ہوں اور تم کو بھول جاتی ہوں“۔ کہا کرتی تھیں: ”ہر قوم کا شوق کسی چیز میں ہوتا ہے اور میرا شوق خرچ کرنے میں اور دینے میں ہے۔ اللہ کی قسم، اللہ کے لئے تعلق اور محبت ہے اور مجھے بھوک عمدہ کھانے کی طرح پسند ہے اور پیاس ٹھنڈے پانی کی طرح پسند ہے۔“ کہتی تھیں کہ ”مجھے کسی چیز پر حسد نہیں مگر کوئی اچھا کام ہو تو میں اس میں شریک ہو جاتی ہوں“۔ حضرت ام البنین ہر جمعہ کو غلام آزاد کرتی تھیں اور اللہ کے راستے میں گھوڑے پر سوار ہوتی تھیں۔

(صفحات نیرات من حیاة السابقات)

☆.....☆.....☆

حضرت عبیدۃ کا اللہ کی محبت میں بے ہوش ہونا

حضرت عبیدۃؓ بنت ابی کلاب نے مالک بن دینارؒ سے سوال کیا: ”اے ابویحییٰ (مالک بن دینار کی کنیت) کہ متقی کب بلند درجہ کو پہنچ جاتا ہے جب اس سے اوپر اور کوئی درجہ نہ ہو؟“ مالکؒ نے فرمایا: ”متقی جب سب سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو اللہ کے پاس جانے سے اور کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔“ یہ سنتے ہی عبیدۃؓ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ (صفحات نیرات من حیاة السابقات)

☆.....☆.....☆

## حضرت امام ابراہیم حربی کی والدہ کی تربیت

امام ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق حربی بغدادی متوفی ۲۸۵ھ رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبلؒ کے معاصر اور علم و عمل، زہد و تقویٰ میں ان ہی کے مانند تھے۔ بڑے مقام و مرتبہ کے بزرگ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں روزانہ عشا کے وقت گھر آتا تھا اور میری والدہ میرے لیے بد و نجان بھون کر یا قبوہ کا چاٹ، یا مولیٰ کا سالن تیار رکھتی تھی جس کو میں کھا لیتا تھا۔ میں بڑی فقر و فاقہ اور تنگ دستی کی زندگی بسر کرتا تھا، مگر کبھی اپنی والدہ، بھائی، بہن اور بیوی سے اس کی شکایت نہیں کی۔ ”مردودہ ہے جو اپنا غم خود اٹھائے اور اہل و عیال کو غمگین نہ کرے۔“ (المنتظم ۴/۶)



## بی بی امۃ الجلیلؓ نے لوگوں کا مسئلہ حل کر دیا

طبقات شعرانی میں ہے کہ امۃ الجلیل عرب کی پارسا اور خدا رسیدہ خواتین میں سے تھیں۔ ایک مرتبہ اس عہد کے ارباب سلوک میں یہ بحث چھڑی کہ ولایت کے معنی کیا ہیں۔ سب نے اپنی رائے دی لیکن ان آراء میں اختلاف تھا۔ آخر یہ قرار پایا کہ امۃ الجلیل سے اس کے معنی پوچھے جائیں۔ چنانچہ ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

”ولی وہ ہے جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور زخارف دنیا سے مطلق دل نہ لگائے بلکہ کسی وقت بھی اس کی توجہ ماسوا کی طرف نہ جائے۔“ پھر انہوں نے ارباب سلوک سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”کہ جب کوئی تم سے کہے کہ فلاں ولی یا حق کو چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول ہے تو ہرگز اس کی ولایت کا یقین نہ کرنا۔“ (قصص الاولیاء)



## بی بی منفوسہؓ کا بچوں کے انتقال پر صبر

بی بی منفوسہ شاہ فارس و عراق ابوالفوارس زید (المتوفی ۷۲۳ھ) کی صاحبزادی تھیں۔ صاحب طبقات شعرانی نے ان کو طبقہ اولیاء میں شمار کیا ہے۔ بے حد عبادت گزار تھیں اور ہر وقت یاد الہی میں مستغرق رہتی تھیں۔ شیوہ تسلیم و رضا ان کی زندگی کا نہایت ہی روشن پہلو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اولاد کی نعمت سے بارہا نوازا لیکن ان کے صبر کا امتحان یوں لیا کہ کسی بچے کو طویل زندگی عطا نہ کی۔ ان کے سب بچے چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتے تھے۔ جب کوئی بچہ فوت ہوتا تو وہ اس کا سراپنی گود میں لے کر بیٹھ جاتیں اور کہتیں کہ ”خدا کی قسم تیرا آگے جانا میرے نزدیک بہتر ہے اس سے کہ میں نوحہ کروں۔ اگر تیری جدائی حسرت ناک ہے تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے“ پھر جوش میں آ کر عمر بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھتیں:

”ہم ایسے لوگ ہیں کہ اپنے مُردوں پر نہیں روتے اگرچہ صدمے سے کمرٹوٹ جاتی ہے۔“  
اس کے بعد نہایت صبر سے بچے کی تجہیز و تکفین کرتیں پھر ذکر الہی میں مشغول ہو جاتیں۔

(طبقات شعرانی)

☆.....☆.....☆

### بی بی ملکیہؒ بنت منکدر کو وقت کی اہمیت

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے کہ میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو حجر اسود کے قریب کھڑے ہوئے رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں:  
”اے میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ اے میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ میں تیرے گھر میں بہت دور سے حاضر ہوئی ہوں۔ اے میرے پروردگار، میں تیرے رحم و کرم کی امید پر آئی ہوں، تو مجھ کو اس دنیا میں کسی کا محتاج نہ بنا۔“

حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں کہ ہم ان خاتون کی الحاح و زاری سے بہت متاثر ہوئے اور ان کی قیام گاہ کا پتا معلوم کیا تا کہ ان کے حالات سے آگاہ ہو سکیں۔ پھر ہم ان کی قیام گاہ پر پہنچے اور کچھ دیر ان سے گفتگو کرتے رہے۔ پھر انہوں نے فرمایا:

”اب آپ لوگ تشریف لے جائیں اتنی دیر آپ نے مجھے اپنے ساتھ گفتگو میں مصروف رکھا اور یوں مجھے اپنے رب کی عبادت سے محروم رکھا۔“ راوی کا بیان ہے کہ ان خاتون کا نام ملکیہ بنت المنکدر تھا۔  
(صفحة الصفوة لابن الجوزی ۲/ ۱۱۳)

☆.....☆.....☆

### بی بی عفیہؒ عابدہؓ کا اللہ کے خوف سے ناپینا ہو جانا

بی بی عفیہؒ بصرہ کی رہنے والی تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مشہور شاگرد حضرت معاذہ عدویہؓ سے کسب فیض کیا اور علم و عرفان میں اتنا بلند مقام حاصل کیا کہ اپنے دور کی عارفات کا ملہ میں شمار ہوئیں۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھیں۔ خوف خدا سے اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آخری عمر میں ناپینا ہو گئیں۔ کسی نے کہا کہ ”بڑی بی اندھا ہو نا بڑی بد نصیبی ہے“۔ بی بی عفیہؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے روبرو شرمندہ ہونا اس ناپینائی سے زیادہ بد نصیبی ہے اور دل کا خدا کی جانب سے اندھا ہو جانا اس سے بھی بڑی بد نصیبی ہے۔

روح بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عفیہؒ عابدہؓ سے کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ رات کو سوتی نہیں ہیں۔ یہ سن کر وہ رونے لگیں اور فرمایا کہ ”میں خود چاہتی ہوں کہ کچھ سولوں لیکن تم خود ہی بتاؤ کہ میں

کیسے سو سکتی ہوں جب کہ انسان کے دونوں محافظ (مقررہ فرشتے) دن اور رات کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتے۔“

ایک دفعہ کچھ عابدان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ بی بی عفیرہ نے فرمایا: ”بھائیو! اگر گنہگاروں کی زبانیں خدا بند کر دیتا تو یہ بڑھیا گوگی ہوتی مگر خیر دعا مانگنا سنت ہے۔ اللہ جنت کی حوروں سے تمہاری مہمانی فرمائے۔ میرے اور تمہارے دلوں میں اپنے کرم سے موت کی یاد ڈالے اور مرتے دم تک ایمان سلامت رکھے۔“ (صفۃ الصفوۃ)



### بی بی اولیاء کی عبادت کا حال

یہ عارفہ خاتون ساتویں صدی ہجری میں گزری ہیں۔ ان کا مسکن شہر دلی میں تھا۔ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ اکثر چالیس دن مسلسل اپنے حجرے کے اندر مصروف عبادت رہتی تھیں اور اس عرصے میں نہایت قلیل غذا پر گزارہ کرتی تھیں۔ بادشاہ وقت سلطان محمد تغلق ان کا عقیدت مند تھا۔ (خرزینۃ الاصفیاء)



### ام زین الدین کو قرآن کی پوری تفسیر حفظ یاد تھی

ام زین الدین ان کا شمار پانچویں صدی ہجری کی یگانہ روزگار عالمات و عابدات میں ہوتا ہے۔ ویسے تو ان کو تمام علوم دینی میں دسترس حاصل تھی لیکن علم تفسیر میں خاص مہارت رکھتی تھیں۔ ان کے بھائی امام عبد الوہاب بھی بہت بڑے مفسر قرآن تھے۔ انہوں نے ”کتاب الجواہر“ کے نام سے تیس جلدوں میں قرآن کی تفسیر لکھی تھی۔ ام زین الدین کو یہ تمام تفسیر زبانی یاد تھی۔ ان کے بیٹے زین الدین بھی علامہ دہر تھے اور اپنے وقت کے امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں وہ ایک مرتبہ اپنے ماموں (امام عبد الوہاب) سے تفسیر کا سبق لے کر گھر آئے تو والدہ نے پوچھا کہ ماموں نے آج کیا پڑھایا؟ انہوں نے جو پڑھا تھا، بیان کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ فلاں آیت کے ساتھ فلاں قول بھی بیان کیا؟ بیٹے نے کہا: نہیں۔ مسکرا کر کہا کہ بھائی بھول گئے ہوں گے۔

ام زین الدین کو عبادت الہی سے خاص شغف تھا۔ اپنے وقت کا بیشتر حصہ مصلے پر بیٹھ کر گزارتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسی حالت میں مسلسل چالیس سال گزار کر وفات پائی۔

(مسلمان خواتین کی دینی و علمی خدمات)



دور حاضر میں انٹرنیٹ، واٹس اپ اور فیس بک وغیرہ جیسی عام استعمال کی جدید چیزوں سے تقریباً ہر شخص واقف ہے، کیا عورت کیا مرد، کیا بوڑھا کیا جوان، کیا شہری کیا دیہاتی، کیا پڑھا لکھا کیا جاہل؟.....

## واٹس اپ کا استعمال، کیسے کریں؟



سوشل میڈیا اور جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال سے متعلق ایک رہنما اور مفید تحریر

ہر ایک اپنی دلچسپی کے بقدر اس سے لفظ اندوز ہو رہا ہے، اپنی محنت کی کمائی اور زندگی کے قیمتی لمحات کو بڑی فراوانی کے ساتھ اس بھٹی میں جھونک رہا ہے، اپنی جائز ضرورتوں سے آگے بڑھ کر بہت سی بے ضرورت اور گناہ کی چیزوں میں بھی استعمال کر رہا ہے، روپیے پیسے اور قیمتی وقت کی قربانی دے کر گناہ کے بوجھ خرید خرید کر اکٹھا کر رہا ہے..... لیکن حیرت و افسوس ہے اس انسان پر کہ اسے کوئی لمحہ ایسا میسر نہیں آرہا ہے کہ جس میں تھوڑی دیر کیلئے غور کرے، ذرا سنجیدگی سے سوچے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا کیا طریقہ ہے اور کس حد تک اس

جاہل..... سب ہی بری طرح بے احتیاطی کا شکار ہے اور دل چھلنی ہو کر تو اس وقت رہ جاتا ہے، جب اہل علم اور طلبہ برادری کے لوگوں کو اس میں بہت شوق و دل چسپی کے ساتھ اپنے مقصد سے غافل ہو کر اپنے قیمتی اوقات کی بھینٹ چڑھا کر خوش ہوتے ہوئے دیکھتا ہے، جب اس سلسلے میں بہت

سے فائدہ اٹھانا چاہئے؟..... اس سلسلے میں ہونے والی بے احتیاطیاں اور لا پرواہیاں دیکھ کر یہ ناچیز جس قدر متاثر اور پریشان ہوا، اس قدر شاید اور کسی چیز سے اب تک نہیں ہوا؟..... اور وجہ یہ تھی کہ اس میں امت کا ہر طبقہ، عوام ہو کہ خواص، پڑھا لکھا ہو کہ



ہونے اور ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ حاصل ہو سکتے ہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ مقدار میں حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن وقت وہ سرمایہ ہے جو ضائع ہونے کے بعد پورا تو کیا ادنیٰ بھی دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتا، یہ وہ سرمایہ ہے کہ اگر اس کی مکمل حفاظت نہیں کی گئی، ذرا بھی سستی برتی گئی تو یہ بالکل برف کی طرح پگھل کر ضائع ہو جائے گا، اور اس سرمائے سے نفع اٹھانا تو درکنار خود سرمایہ بھی ضائع ہو جائے گا، جس سے سرمایہ دار کا نقصان بالکل ظاہر ہے۔

آج تک دنیا میں جن لوگوں نے بھی ترقی کی اور جس لائن سے بھی ترقی کی ان کی ترقی کارا زاسی سرمایہ کی حفاظت اور اس کا صحیح استعمال اور قدر دانی ہے، سلف صالحین اور اکابرین امت میں حفاظت وقت کے سلسلے میں ایسی مثالیں موجود ہیں جنہیں پڑھ کر، سن کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک مشین تھے جو ہر وقت کام میں لگے ہوتے تھے، ان کی قیمتی زندگی کا کوئی لمحہ فضول چیزوں میں صرف نہیں ہوتا تھا، وہ اس کے سرمایے کو نہایت سوچ سمجھ کر خرچ کرتے تھے اور نفع حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے اپنی

اسی، ساٹھ ستر سالہ زندگی میں وہ کارنامے انجام دیئے کہ آج عقلیں حیران ہیں، اس طرح کے ایک ایک کارنامے انجام دینے کیلئے بڑی بڑی عمریں ختم ہو سکتی ہیں۔

تاریخ اٹھا کر دیکھیں اور پڑھیں، ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن

عموم دیکھنے کو ملا، دوسری جانب اس کی بے احتیاطیاں اور مفاسد اُجاگر کر کے اس سے محتاط و متنبہ رہنے کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر تحریر پڑھنے یا بیان سننے کو نہیں ملا، تو ہر طرح کی بے مائیگی و بے بضاعتی کے باوجود خود ہی قلم اٹھا لیا اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ہو سکے امت کو اپنی بساط کے بقدر (اور انسان اتنے کا ہی مکلف ہے) اس کے مثبت استعمال کی طرف توجہ دلائی جائے اور نتیجتاً غلط اور بے مقصد استعمال سے انہیں روکنے کی کوشش کی جائے، جس کا طریقہ یہ اپنا یا گیا کہ ”وائس اپ اور انٹرنیٹ“ وغیرہ کے جو بڑے بڑے مفاسد اور اس کے ذریعے رونما ہونے والی بڑی بڑی خرابیاں ہیں، ان میں سے کچھ مفاسد و خرابیاں امت کے سامنے پیش کر دی جائیں، تاکہ لوگوں کو کچھ تنبیہ ہو جائے اور اس سلسلے کی بے احتیاطیوں سے بچا جاسکے، لہذا اسی غرض سے چند اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے، جس کے سلسلے میں بہت ہی زیادہ غفلت ہے، ان میں سے ایک ”وقت“ ہے۔

☆.....☆.....☆

### ضیاع وقت

وقت انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے، یہ اتنا قیمتی اور انمول ہیرا ہے کہ اس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی، بڑی سے بڑی رقم صرف کر کے بھی اُسے حاصل نہیں کیا جاسکتا، سونے چاندی، ہیرے جواہرات، روپے پیسے سب ضائع

ہے، اب ہمیں اس بات کا اختیار نہیں کہ ہم اپنی زندگی کے اوقات کو جیسے چاہیں جہاں چاہیں گزار دیں، ہم اس کے مالک نہیں، مالک کوئی اور ہے، اب ہمیں اسی کے حکم کے مطابق زندگی کے ہر لمحے کو استعمال کرنا ہوگا اور اس مالک حقیقی نے ”سورة العصر“ کے نام سے ایک مکمل سورت نازل فرما کر اور اس طرح اپنے پاک کلام میں متعدد جگہ پر رات و دن اور صبح و شام کی قسم کھا کر یہ واضح فرما دیا کہ وقت کتنی اہم اور قیمتی چیز ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز کی قسم نہیں کھاتے جو غیر اہم اور معمولی ہو۔

اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے جوامع الکلم میں صاف طور پر واضح فرما دیا کہ زندگی کے لمحات کس قدر اہم اور قیمتی ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ”قیامت کے دن انسان کے دونوں پیر اپنی جگہ سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکتے جب تک اس سے پانچ باتوں کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے، جن میں ایک اس کی زندگی کے قیمتی لمحات ہیں، ان کے بارے میں سوال ہوگا کہ زندگی کے لمحات کس چیز میں صرف کیے.....؟“

اندازہ لگائیے کہ وقت کی اہمیت اور زندگی کے اوقات کو خوب سمجھ کر استعمال کرنے کے سلسلے میں یہ حدیث شریف کتنی واضح ہے، اگر ہم نے ان لمحات کو یوں ہی ضائع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دیئے بغیر ہم ہٹ نہیں سکتے اور یقیناً بات ہے کہ ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے اور پھر

حنبل (کو، امام ابو یوسف کو، امام محمد کو، امام زفر کو، ابن جریر طبری کو، علامہ نووی کو، ابن حجر عسقلانی کو، علامہ عینی کو، ابن تیمیہ کو، جلال الدین سیوطی کو، ملا علی قاری کو، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو، حجتہ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کو اور اور حضرت مولانا حضرت علی میاں ندوی اور موجودہ اکابرین میں مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری صاحب کو، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب وغیرہم..... کو آپ دیکھیں کہ مختصر سی زندگی میں کس قدر تصنیفات ان حضرات کے قلم گوہر بار سے وجود میں آچکی ہیں اور ان حضرات کی علمی کاوشوں کا سلسلہ اب بھی اس طرح رواں دواں ہے کہ رکنے اور تھمنے کا نام لینے کو تیار نہیں۔

یہ وہ حضرات ہیں کہ جنہوں نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کی خوب قدر کی، اس قیمتی سرمایے کو خوب ناپ تول کر استعمال کیا، تو آج سالوں گزر جانے کے بعد بھی ان کا نیک نام ہمارے درمیان زندہ روشن ہے وہ دنیا سے چلے گئے لیکن اپنی دینی علمی خدمات کے ذریعے وہ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں اور انشاء اللہ تاقیامت رہیں گے اور دنیا ان کے علمی سرمایے سے مستفید ہوتی رہے گی۔

یہ وقت اور زندگی جو ہمیں ملی ہوئی ہے، ہم اس کے مالک نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہماری جانوں کو خرید لیا

ایسی صورت میں ہمارا انجام واضح ہے (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے)۔ لہذا ہم پر لازم اور ضروری ہے کہ ہم اس قیمتی سرمایے کی مکمل حفاظت کریں، صحیح معنی میں اس کی قدر کریں اور اُسے فضول خرچ ہونے سے بچائیں۔

آج اس سرمایے کے فضول ضائع ہونے کا سب سے بڑا محرک ”واٹس اپ“ کا بے جا استعمال ہے، اگر محاسبہ کیا جائے تو روزانہ کئی گھنٹے ہمارے اس میں فضول صرف ہوتے نظر آئیں گے، جن کا ہمیں کوئی احساس نہیں اور جس کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں، ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ یہ مہلک چیز کس قدر غیر محسوس طریقے سے ہماری زندگی کے ڈھانچے کو ختم کر رہی ہے، اور ہمارا یہ دشمن ہم سے کس چالاکی کے ساتھ ہمارا نہایت قیمتی سرمایہ لے رہا ہے، اور ہم خوش خوش اُسے دیے چلے جا رہے ہیں..... خدا را! ذرا غور کیجئے، کچھ دیر ٹھنڈے دماغ سے سوچئے، جائزہ لیجئے کہ کیا مذکورہ بالا باتیں صحیح و حق نہیں.....؟ کیا یہ دشمن ہم پر اس طرح حملہ آور نہیں.....؟ ہماری قیمتی چیز ہم سے چھین لینے کے درپے نہیں.....؟

اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ہے تو پھر ہمیں اس دشمن سے محتاط ہونا پڑے گا، اس کے استعمال میں احتیاط برتنی ہوگی، فضول کاموں اور لغویات سے بچنا ہوگا، حدود میں رہنا ہوگا تاکہ یہ دشمن کبھی ہم پر غالب نہ آ سکے۔

☆.....☆.....☆

## دوسروں کے وقت کا بھی ضیاع

ضیاع وقت کا یہ سلسلہ خود ”واٹس اپ“ استعمال کرنے والے کی ذات تک محدود نہیں، بلکہ اس کا ضرر **متعدی** ہے، ”واٹس اپ“ کا بے جا استعمال دوسروں کے بھی وقت کو ضائع کرتا اور ان کی مصروفیت میں خلل ہوتا ہے، خاص طور پر جب لوگ ”واٹس اپ“ کسی گروپ میں شامل ہو کر استعمال کرتے ہیں تو ایسی صورت میں زیادہ تر میسج وغیرہ ایسے ہوتے ہیں جو ہر ایک کے کام کے نہیں ہوتے، پھر جب پیغام آ جاتا ہے تو بادل ناخواستہ کھول کر دیکھتے ہیں، پھر اُسے بے کار پا کر ضائع (Delete) کرتے ہیں اور اتنی دیر میں ذہن کام کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور الجھن کا شکار ہو جاتا ہے، بلکہ المیہ تو یہ ہے کہ جب اس طرح کے لوگوں سے گزارش کی جاتی ہے کہ غیر ضروری میسج نہ بھیجیں، مصروفیت میں خلل ہوتا ہے تو ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، جملے کتے ہیں، یہ ناچیز ”واٹس اپ“ کا استعمال کسی گروپ میں شامل ہوئے بغیر کرتا ہے، بعض مرتبہ کچھ دوستوں نے از خود گروپ میں شامل کر لیا اور پھر میسج وغیرہ کی بمباری شروع کر دی، اور جب ناچیز نے ان کی بمباری سے بچنے کیلئے گروپ سے نکل کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی تو بہت سے نوکیلے الفاظ اور طرح طرح کے طنزیے جملے و فقرے سننے پڑے۔

اسی طرح میرے ایک ہم جماعت ساتھی جو دارالعلوم میں میرے ساتھ پڑھ رہے تھے، انہوں

نے بھی وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ میسج کرنا شروع کر دیا، جس سے کتابوں کے مطالعہ میں دیگر مصروفیات میں خلل ہونا شروع ہوا، میں نے نہایت ہی ادب سے اور محبت آمیز لہجے میں ان سے گزارش کی کہ اگر کوئی ضروری بات ہوگی تو براہ راست فون پر کر لیں گے، لیکن آپ ”واٹس اپ“ پر کچھ نہ بھیجیں۔ میری اس بات میں یاد درخواست میں نہ جانے کون سا ایسا لفظ تھا جس پر وہ ناراض ہو گئے، آج تک حیران و پریشان ہوں، وہ خود ہی بے فائدہ میسج کر رہے تھے اور میری گزارش پر وہ ناراض ہو گئے فوراً انہوں نے پلٹ کر ایسا میسج بھیجا جو ان کی ناراضگی اور غصے کا غماز تھا، وہ لکھتے ہیں: ”بہتر ہے، آج کے بعد کچھ بھی نہیں، بلکہ تادموت۔“

ان باتوں کے تذکرے سے مقصود صرف یہ ہے کہ واٹس اپ کا غلط و بیجا استعمال دوسروں کے بھی ضیاع وقت کا سبب بنتا ہے اور مصروفیت میں خلل ڈالتا ہے، کیا دوسرے کے قیمتی وقت کو ضائع کرنا، گناہ کا کام نہیں ہے؟..... لوگوں کو پریشانی میں مبتلا کرنا معصیت نہیں ہے؟..... یقیناً اس سوال کا جواب یہی ہوگا جو قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: ”یعنی ظاہر و باطنی ہر طرح کے گناہ چھوڑو۔“ (الانعام: ۱۲۰)

☆.....☆.....☆

یکسوئی میں خلل

”واٹس اپ“ کے بے جا استعمال کی ایک

بڑی نحوست یہ ہے کہ ”واٹس اپ“ انسان کی یکسوئی ختم کر دیتا ہے، جو لوگ ذہنی طور پر یکسو ہیں یا ایسے کام میں لگے ہوتے ہیں جن میں یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے: درس و تدریس، تصنیف و تالیف، فقہ و فتاویٰ وغیرہ یا کوئی ایسا دنیاوی کام جو یکسوئی چاہتا ہے، ایسے لوگ جب ”واٹس اپ“ استعمال کرتے ہیں تو پھر یہ چند ہی ایام میں ان کی یکسوئی کو اڑا کر رکھ دیتا ہے، کتب بینی، مطالعہ وغیرہ سے ہٹا کر اب آئے ہوئے میسج کو دیکھنے اور اس کے جواب دینے میں مصروف کر دیتا ہے، نتیجتاً دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ ایک طرف کتاب کھلی ہوئی ہے، پنکھے کی ہوا سے اس کے اوراق اڑ رہے ہیں اور جناب والا میسج کا جواب لکھنے میں اس طرح منہمک ہیں کہ لگتا ہے کہ مطالعے سے زیادہ اہم کوئی چیز آگئی ہے۔

آئے ہائے! ذرا غور کیجئے، کیا ہم نے مطالعے کا حق ادا کر دیا، ایسے مطالعے کے ساتھ جب ہم درس گاہ میں جائیں گے، تو امت کے یہ نونہال جو ہمارے حوالے کئے گئے ہیں کیا ہم ان کو مطمئن کر سکیں گے؟..... کیا ان کا حق ادا ہو جائیگا؟..... کیا یہ طلبہ کی حق تلفی اور ان پر ظلم نہ ہوگا؟..... اس سے بڑھ کر المیہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلبہ سبق پڑھ رہے ہیں اور استاذ موبائل فون میں مصروف ہے، طالب علم سبق سن رہا ہے اور استاذ ”واٹس اپ“ میں لگا ہوا ہے (اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے)..... اسی طرح کبھی نماز میں،

کبھی ذکر میں، کبھی دینی مجالس میں، کبھی کاروباری یا کسی اور اہم میٹنگ وغیرہ میں اچانک یہ (واٹس اپ) بول پڑتا ہے، پھر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی آن جناب کا ہاتھ جیب میں جاتا ہے اور دوسرے تمام لوگوں کی یکسوئی بھی متاثر ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری ان باتوں کی تصدیق میرے وہ دینی بھائی ضرور کریں گے جن کو یکسوئی کی ضرورت کا ادنیٰ احساس ہوگا۔

میرے ایک مخلص اور مشیر نے مجھے ایک مرتبہ فون کیا، دوران گفتگو میں نے ان سے ایک حساس موضوع کے متعلق (جو اس وقت حساس موضوع تھا) کچھ معلوم کیا جو اُس وقت ”واٹس اپ“ پر گشت کر رہا تھا، انہوں نے نہایت سنجیدگی سے جو جواب دیا اس نے مجھے حیرت میں مبتلا کر دیا کہ ”میں ”واٹس اپ“ استعمال نہیں کرتا کہ اس کے استعمال سے مطالعے (اسٹڈی) میں جی نہیں لگتا، کتاب دیکھنے کی طرف ذہن آمادہ نہیں ہوتا، کتابوں سے دوری ہوتی ہے۔“

یقیناً میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ انسان جو زندگی کے لمحات کی قدر کرنے والا ہوگا اور یکسوئی پسند ہوگا اس کا جواب بالکل یہی ہوگا جو اوپر میرے ایک دوست کا ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے دل میں بھی اُتار دیں اور دینی مشاغل اور متعلقہ ذمہ داریوں میں مکمل یکسوئی اور انہماک نصیب فرمائیں۔ آمین

☆.....☆.....☆

ہر طرح کی خبریں پھیلانے کا گناہ

جو لوگ ”واٹس اپ“ کا استعمال گروپ کی شکل میں کرتے ہیں یا گروپ کے بغیر مگر بے جا استعمال کرتے ہیں، وہ لوگ عموماً ہر طرح کی خبروں کو بغیر کسی تحقیق کے پھیلانا اور عام کرنا شروع کر دیتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں دو جگہ اس سے منع فرمایا ہے اور ہر طرح کی خبروں کو بغیر تحقیق پھیلانے اور عام کرنے سے روکا ہے، نیز حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ”آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کر دیا کرے۔“

آپ یہ دونوں آیتیں مع پس منظر ملاحظہ فرمائیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِمَهَالَةٍ فَتُصِيبُوا عَلَىٰ فَعَلْتُمْ نَدِمْتُمْ﴾ (الحجرات: ٦)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اگر کوئی غیر معتبر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر پہنچادو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔“



# آپ کے مسائل کا حل

مفتی محمد ساجد مبین

خون کی ڈرپ اور پیشاب کی نلکی کے دوران نماز کا حکم

سوال..... میری والدہ محترمہ کی طبیعت کافی ناساز ہے، گزشتہ دنوں ان کا آپریشن بھی ہوا ہے، اب ان کو خون کے بوتل بھی لگائیں گے، اور پیشاب کی تھیلی نلکی کے ذریعے لگائی گئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ نماز کیسے پڑھیں؟..... ہمیں کسی نے کہا ہے کہ ان پر نماز معاف ہے، جب صحت مل جائے تو نماز پڑھ لیں۔

(فریحہ گوہر، کراچی)

جواب..... سوال میں دو چیزوں سے متعلق پوچھا گیا ہے، (۱) خون کی ڈرپ لگی ہو۔ (۲) پیشاب کی تھیلی لگی ہو۔ دونوں صورتوں کا حکم ذیل میں لکھا جاتا ہے:

(۱)..... اگر خون کا ڈرپ ختم ہونے کے بعد آپ کی والدہ کو اتنا وقت میسر ہے کہ وضو کر کے نماز پڑھ سکیں تو اس صورت میں ڈرپ لگے ہونے کی صورت میں نماز نہیں ہوگی، ڈرپ اترنے کے بعد نماز پڑھیں، لیکن اگر والدہ کی حالت زیادہ خراب نہ ہو تو ڈاکٹر کے مشورے سے ڈرپ نکال کر نماز پڑھ لیں پھر دوبارہ لگالیں..... لیکن اگر ڈرپ ختم ہونے تک نماز کا وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو آپ کی والدہ شرعاً معذور شمار ہوں گی، ڈرپ لگے رہنے کی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہیں۔

(۲)..... جس مریض کو پیشاب کی تھیلی نلکی کے ذریعے لگائی گئی ہو وہ معذور کے حکم میں ہے، کیوں کہ وہ اپنے پیشاب کے روکنے پر قادر نہیں ہے، چنانچہ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

باقی یہ کہنا کہ بیماری کی حالت میں نماز معاف ہے، یہ بات درست نہیں، قرآن وحدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

☆.....☆.....☆

### سودی رقم کا حکم

سوال:..... میں ایک سرکاری ادارے میں ملازمت کرتی ہوں، میں اپنے شوہر کے بہت زیادہ دباؤ پر اسٹیٹ بینک سے ہاؤس لون لینے پر مجبور ہو گئی تھی، 18000 روپے کی ماہانہ قسط ہے، میرے نام پر کچھ فکس ڈپازٹ بھی ہیں جس پر مجھے سالانہ 50000 سودی پیسے ملتے ہیں جس کو میں استعمال نہیں کرتی ہوں، اور ہاؤس لون میں ماہانہ سودی رقم 10000 روپے ہے تو اب میں کیا کروں؟ میری رہنمائی فرمائیں۔

جواب:..... شریعت مطہرہ میں سود لینا اور سود دینا دونوں ناجائز و حرام اور لعنت کے کام ہیں۔ ہاؤس لون میں سود بھرنا ہوتا ہے اور فکس ڈپازٹ میں سود ملتا ہے؛ اس لیے آپ نے ہاؤس لون لے کر اور رقم فکس ڈپازٹ کر کے ناجائز کام کیا ہے؛ لہذا آپ دونوں گناہوں سے سچی کچی توبہ کریں اور آئندہ پرہیز کریں، اور جتنی سودی رقم آپ نے وصول کی ہے، اسے بغیر نیت ثواب غریبوں پر صدقہ کر دیں۔

☆.....☆.....☆

### موبائل کمپنیوں کی طرف سے اکاؤنٹ کھولنے پر ملنے والے فری منٹس کے استعمال کا حکم

سوال:..... محترم مولانا صاحب! آج کل مختلف کمپنیوں کی طرف سے ایک آفر ہے کہ سم کارڈ پر اکاؤنٹ بناتے ہیں اور اس میں ایک متعین رقم جمع کرنے کی وجہ سے کمپنی کی طرف سے فری منٹس ملتے ہیں، اس فری منٹس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں۔ دوسرا سوال یہ کہ اس فری منٹس کے استعمال سے قطع نظر اس طرح کے اکاؤنٹ کھولنا اور اسے استعمال کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ حالاں کہ اس اکاؤنٹ سے پیسے نکلوانے کے وقت اس سے کچھ فیصدی کٹوتی ہوتی ہے۔

جواب:..... سم کارڈ پر بنائے گئے اکاؤنٹ میں خاص جمع کرنے پر کمپنی کی طرف سے جو فری منٹس ملتے ہیں یہ قرض پر نفع ہے، لہذا اس کا استعمال ناجائز اور حرام ہے، البتہ اس اکاؤنٹ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆.....☆.....☆



ہماری جماعت میں ماشاء اللہ اتفاق و سکون بہت تھا، شاید اس کی بڑی وجہ ہمارے استاد محترم کی صاحبزادیوں، حمیرا بتول اور سمیرا بتول کا ہمارے درجے میں ہونا تھا، ہمیں باجی اسما صاحبہ اور باجی سعدیہ صاحبہ حدیث کا سبق پڑھایا کرتی تھیں، تفریق میں اکثر ہمیں باجی کھانے کی کوئی چیز دیتی تو ہم اکثر ایک دوسرے سے چھین کر کھاتی تھیں، پورے مدرسے میں بھاگ دوڑ لگادیتی تھیں، ہماری کوشش ہوتی تھی کہ زیادہ چیز ہم کھائیں تاکہ برکت حاصل ہو جائے۔

اُستاد صاحب کی اہلیہ محترمہ تو بہت ہی شفیق ہستی ہیں، جن کو ہم بڑی باجی جان کہتے ہیں، اُن سے ہم ہر بات آرام سے شیئر کر لیا کرتے تھے۔ بہت ہی نرم مزاج اور خوش اخلاق ہیں ماشاء اللہ۔ اللہ پاک باجی جان کے مال جان و اولاد میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

درجہ عالمیہ میں ہماری محبت میں کئی گنا اضافہ

دینداری کے اعتبار سے گھر کا ماحول کچھ بہتر ہی تھا، درجہ عامہ خاصہ توفیق پور میں پڑھا۔ پھر اپنے شہر کروڑ میں ہی آگئے۔ درجہ عالیہ میں جب پہنچے تو مدرسے کی تعمیر کچھ ہو چکی تھی، ایک بیٹھک اور برآمدہ ہی تھا، صرف سادہ برآمدہ کو دیکھ کر دارالعلوم دیوبند کی یاد آ جاتی تھی۔ برآمدے میں لگے پردے کی ایک جانب ہم بیٹھا کرتے تھے دوسری جانب ہمارے استاد محترم حضرت مولانا قاری امان اللہ صاحب مدظلہ تشریف رکھا کرتے تھے۔ کیا حسین دن ہوا کرتے تھے۔ استاد صاحب کے آتے ہی ایک دم سناٹا چھا جاتا، اُن کے رعب و دبدبے کی وجہ سے ہماری زبانیں بھی اکثر لڑکھڑا جاتی تھیں، حالانکہ استاد جی کے اخلاق نہایت وسیع ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آنا اور سراپا سادگی، خلوص و ہمدردی اور سراپا نیکی و تحمل ہیں۔ ماشاء اللہ۔

ہر اتوار کو درس بھی ہوا کرتا تھا خواتین جو ق اور جوق آیا کرتی تھیں اور اب بھی آتی ہیں ماشاء اللہ،



وہ پڑھی۔ پھر استاد محترم حضرت مولانا عبدالمجید فاروقی صاحب نے بخاری شریف کا آخری درس دیا اور وعظ و نصیحت کیں، آج تک شیخ صاحب دامت برکاتہم کی کبھی ہوئی بات میری کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔

”اے بیٹیوں! آج جو تمہارے سروں پر جو چادر ڈالی جائے گی خدا اس کی لاج رکھنا کیونکہ تمہاری نسبت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہو گئی ہے۔“ مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم کے درس کے بعد پھر ہماری دوپٹہ پوشی کی گئی، دوپٹہ پوشی استاد محترم قاری امان اللہ صاحب کی والدہ محترمہ اور اہلیہ محترمہ اور دیگر بزرگ خواتین نے کی۔

ہماری کلاس فیلوز کا تو رورو کے بُرا حال تھا جن میں سمیرا، بتول، مدرہ جبین، حمیرا، بتول، عائشہ عزیز، فرحانہ ایوب، سمیہ یسین، فاطمہ یامین اور حسینہ فاروقی تھی، پھر آخر میں کھانا وغیرہ تقسیم کیا گیا۔ یوں ہماری ختم بخاری شریف کا حسین یادگار اختتام ہوا، اب تو ماشاء اللہ سب کی شادیاں اور بچے بھی ہو چکے ہیں ماشاء اللہ سے، سوائے عائشہ عزیز کے۔

آخر یہ دعا ہے اللہ پاک جامعہ عائشہ طیبہ للبنات کو اور باقی تمام مدارس دینیہ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور دن رات ترقیاں نصیب کرے اور استاد محترم کی عمر، صحت و عمل، رزق، مال و جان میں برکت عطا فرمائے اور ان سے عالم کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆.....☆.....☆

ہو گیا۔ ہمارا مل کے کھانا، مل کے سونا مل کے رونا، مل کے نماز پڑھنا، سبقتوں کا تکرار کرنا، الوداع ہونے کی باتیں کرنا اور آئندہ رابطہ رکھنے کے عہد و پیمان کرنا۔ وقت پر لگا کے اُٹ گیا۔ سال کے افتتاحی دن بھی آپہنچے، اُستاد جی کی اکثر نصیحتیں سنا کرتی، بلکہ فرمائش کرتی تھیں استاد جی ہمیں کوئی نصیحت کریں۔ استاد صاحب بہت محنت، پیار، خلوص، بہترین اسلوب کے ساتھ ہمیں پڑھاتے۔

اختتامی دنوں میں ہم بھی رنجیدہ رنجیدہ رہنے لگیں اور ہمارے استاد جی بھی قدرے خاموش خاموش رہنے لگے تھے، کیونکہ ہمارا اس جامعہ میں پہلی بار ختم بخاری شریف ہونے والا تھا مطلب کہ اختتامی کلاس ہو رہی تھی۔ پھر ختم بخاری شریف کا دن مقرر ہو گیا، ہم خوش بھی بہت تھے کہ ختم بخاری شریف کی تقریب پہلی بار شہر میں ہونے والی تھی، اور استادوں اور جامعہ سے جدائی کا غم بھی کھائے جا رہا تھا، بس ملے جلے جذبات تھے۔

آخری درس استاد جی کے شیخ و مرشد محترم حضرت مولانا شیخ عبدالمجید فاروقی صاحب دامت فیوضہم نے دینا تھا پھر آخر وہ دن بھی آپہنچا جب ختم بخاری شریف تھا۔ بہت ہی حسین سماں تھا، سادہ پُر وقار سا اسٹیج بنایا گیا تھا، اسٹیج کا نظام باجی سعدیہ صاحبہ نے احسن طریقے سے سنبھالا ہوا تھا۔

جلسے کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا پھر نعتیں و حمد پڑھی گئیں، طالبات کے مختصر بیانات بھی ہوئے، پھر میں نے بھی استاد جی کیلئے ایک نظم لکھی تھی

کیا آپ اپنی پروڈکٹ اور ادارے کی تشہیر چاہتے ہیں.....

## اگر ہاں!!..... تو

### ماہنامہ حیا کراچی

میں اشتہار دے کر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک  
اپنی پروڈکٹ کو متعارف کروائیں۔

ماہنامہ حیا میں دیا جانے والا اشتہار نا صرف آپ  
کے پروڈکٹ اور کاروبار کی وسیع ترقی کا سبب  
ہوگا بلکہ ماہنامہ حیا کی دینی، اصلاحی اور علمی کاوشوں  
میں معاون ہوگا۔

### رابطہ

صدر دفتر: میز انائن فلور، فریئر بزنس سینٹر، فریئر روڈ، نزد فریئر مارکیٹ کراچی 74200۔  
خط و کتابت کا پتہ: ادارہ ماہنامہ حیا کراچی پی او بکس نمبر 15009 جی، پی، او۔ صدر، کراچی

92 21 35681520 92 21 35688828

## قارئین سے گزارش

☆ خطوط کے ساتھ جواب طلب امور کے لیے جوابی لفافہ یا ڈاک ٹکٹ ضرور ارسال کریں۔

☆ اپنا پتہ صاف اور خوش خط لکھیں۔

☆ رسالہ بذریعہ دی۔ پی طلب نہ کریں۔

## مضمون نگار خواتین و حضرات سے گزارش

☆ اپنے مضامین صاف اور خوش خط ایک سطر چھوڑ کر صفحے کی ایک جانب لکھیں۔

☆ مضامین مختصر، اہم اور جامع ہوں۔

☆ مضمون کی اصل کاپی بھیجیں، زیر و کس کاپی قابل قبول نہ ہوگی۔

☆ اگر کوئی انتخاب یا ترجمہ بھیج رہے ہوں تو حوالہ ضرور لکھیں۔

☆ ناقابل اشاعت مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

☆☆☆

## سالانہ خریداروں سے گزارش

ماہنامہ حیا ڈائجسٹ کے سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ جن کا سالانہ زر تعاون ختم ہو رہا ہے وہ ازراہ کرم آئندہ سال کے لیے زر تعاون کی رقم فوری طور پر روانہ کریں۔ زر تعاون کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ یا ایزی پیسہ کے ذریعے روانہ کریں۔ عدم ادائیگی کی صورت میں ادارہ رسالے کی ترسیل سے معذرت خواہ ہوگا۔

ادارہ

## غذاؤں سے علاج کیجیے



کرن حیا فاروقی

فطری معالجے (نچر و پیتھی) اور حکمت میں غذا کے ذریعے سے علاج کا تصور موجود ہے۔ جو افراد متوازن غذا نہیں کھاتے، انہیں جسمانی، ذہنی اور اعصابی کم زوری لاحق ہو سکتی ہے۔ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ آج بھی جو افراد فطری ماحول، سادہ غذاؤں اور فطری طرز زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں، وہ بہت سے جسمانی، ذہنی اور اعصابی مسائل سے محفوظ ہیں۔ مجموعی طور پر غذاؤں کے اثرات طرز زندگی اور عادات کی وجہ سے مرتب ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم کی غذا روزانہ کھانے والے افراد حیاتین (وٹامنز) اور معدنیات (منرلز) کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی مخصوص غذا کھا لینے سے خلاف توقع لاحق بیماری عارضی طور پر جاتی رہتی ہے یا افاقہ ہو جاتا ہے۔ معدنیات اور حیاتین والی غذائیں کھانے سے جسم کا مدافعتی نظام بہتر ہو جاتا ہے۔

### غذا سے علاج، مگر کیسے؟

مثال کے طور پر پیرٹ میں درد ہو تو امرود کھانا چاہیے۔ امرود کھانے سے درد ختم ہو جاتا ہے، کھانسی اور گلے کا درد دور کرنے میں شہدا کسیر مانا جاتا ہے۔ ذیل میں بتایا جا رہا ہے کہ چند امراض کا علاج غذاؤں سے کیسے کیا جاسکتا ہے۔

### آدھے سر کا درد

آدھے سر کے درد میں کبھی کبھی اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ لگتا ہے دماغ پھٹ جائے گا۔ تحقیق سے پتا چلا ہے کہ جن افراد میں میگنیزیم جیسا معدنی جز کم ہو جاتا ہے، وہ اس بیماری میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ انسانی جسم میں میگنیزیم کی کمی سے دماغ کے ارد گرد موجود خون کی نالیوں میں اینٹھن ہوتی ہے۔ یہ عمل اعصاب شکن درد پیدا کرتا ہے۔ کیلا، اسی کے بیج، پستہ، خشک خوبانی اور گندم کا دلیا کھانے سے مدافعتی نظام بہتر ہو جاتا ہے۔

## ایام کی تکالیف

خواتین میں ایام سے قبل مختلف ذہنی اور جسمانی تکالیف جنم لیتی ہیں۔ طبی اصطلاح میں یہ کیفیت ایام سے قبل کی تکلیف کہلاتی ہے۔ ماہرین طب کے خیال میں جن خواتین میں رابوفلاون (Riboflavin) مطلوبہ مقدار میں ہوتی ہے وہ ان تکالیف میں مبتلا نہیں ہوتیں۔ فولک ایسڈ باقاعدگی سے کھانے والی نوجوان لڑکیوں میں بھی خلیوں کی تکالیف جنم نہیں لیتیں۔ اگر خواتین اپنی غذاؤں میں بالائی اتر اہوا دودھ، ثابت گندم (جسے حلیم کی شکل میں کھایا جاسکتا ہے) کلیجی، سویا بین، پنیر، تیل اور ٹماٹر شامل رکھیں تو ایام کی تکالیف دور ہو جاتی ہیں۔

## نظر کی خرابی

جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے، آنکھ کے قرینے (Cornea) کے سفیدے میں خرابی پیدا ہونے لگتی ہے۔ یہ خرابی ”میکو لڑی جرنیشن“ (Macular Degeneration) کہلاتی ہے۔ اس مرض میں نظر دھندلا جاتی ہے، تاہم کسی بھی قسم کی گو بھی (بند گو بھی، پھول گھوبی یا بروکولی) اور دیگر سبز پتوں والی سبزیاں کھائی جائیں تو اس مرض سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ سبز رنگ کی سبزیوں میں ایک خاص قسم کا مادہ پایا جاتا ہے۔ یہ مادہ نہ صرف سبزیوں کو سبز رنگ عطا کرتا ہے، بلکہ بینائی کے تمام مسائل سے نجات بھی دلاتا ہے۔

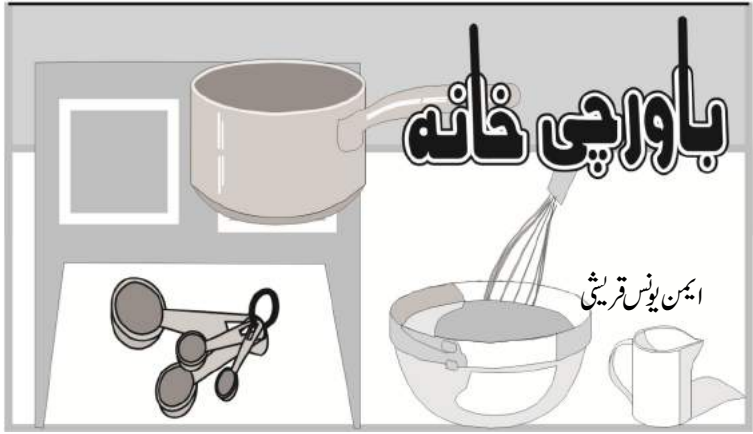
## اضمحلال و افسردگی (ڈپریشن)

عام طور پر معاشرتی دباؤ اور خاندانی مسائل اضمحلال و افسردگی (ڈپریشن) کا سبب مانے جاتے ہیں، لیکن معالجین کے مطابق یہ بیماری انسان کو اس وقت لاحق ہوتی ہے، جب جسم میں ایک مخصوص خلویاتی مادے ”سیروٹون“ (Serotonin) کی کمی واقع ہو جائے، یہ مادہ ہمارے مزاج کو قابو میں رکھتا اور اضمحلال و افسردگی کو دور کرتا ہے۔ ”سیروٹون“ کی مقدار میں اضافے کے لیے نشاستے (کاربوہائیڈریٹ) والی غذا میں کھانا مفید ہے۔ ان غذاؤں میں آلو اور بھورے چاول (براؤن رائس) اہم ہیں۔

## کم زور اعصاب ارتکاز تو ج میں کمی

ہمارے جسم میں ”کولین“ (Choline) نامی مادے کی کمی ارتکاز تو ج کو بُری طرح متاثر کرتی ہے۔ ”کولین“ حاصل کرنے کے لیے انڈے، مرغی اور گائے کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔ اگر ہم چند دن روزانہ ایک انڈا کھالیا کریں یا خوب چربی صاف کر کے مناسب مقدار میں سرخ گوشت کھالیں تو اعصابی کم زوری دور ہو سکتی ہے۔ سیب، میں ”ارسولک“ (Ursolic) نامی تیزاب پایا جاتا ہے، جو انسانی جسم کے ہارمونوں کی افزائش اور بہتر کارکردگی میں مدد دیتا ہے، اس لیے ایک سیب بغیر چھلکا اتارے روزانہ کھالینے سے اعصاب مضبوط ہو جاتے ہیں۔





محترم قارئین! لیجیے آج ایک نئی ریسپی کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، امید ہے آپ کو ریسپی پسند آئے گی۔ ایک بار ضرور آزمائیے گا اور اپنی رائے سے آگاہ ضرور کیجئے گا۔ اگر آپ اپنی پسندیدہ کسی ڈش کی ریسپی جاننا چاہتی ہیں تو ہمیں اپنی فرمائش لکھیں، ان شاء اللہ آپ کی فرمائش ریسپی بھی ان صفحات میں بتائی جائے گی۔

چلیے جی! اپنا خیال رکھئے گا..... آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

آدھا کپ	میدہ
1/2 ٹی سپون	کالی مرچ پسی ہوئی
حسب ذائقہ	نمک

(ایک دوسرے میں ان تمام اجزاء کو اچھی طرح  
مکس کر کے ایک طرف رکھ دیں)  
کرپسی کوئنگ کے لئے

مقدار	اجزاء
آدھا کپ	بریڈ کریمز
1/2 ٹی سپون	لال مرچ پاؤڈر
حسب ذائقہ	نمک
1/2 ٹی سپون	خشک تلی کے پتے

(ایک اور باؤل لے کر اس میں یہ تمام اجزاء

فرائیڈ چکن ٹینڈر دوساس  
چکن میرنیٹ کرنے کے لئے

مقدار	اجزاء
500 گرام	چکن بون لیس (لبائی کے رخ کاٹ لیں)
1/2 ٹی سپون	لبسن پاؤڈر
1/2 ٹیبل سپون	کالی مرچ پسی ہوئی
حسب ذائقہ	نمک

(ایک باؤل لے کر اس میں یہ تمام اجزاء اچھی  
طرح مکس کر کے ایک گھنٹے کے لئے رکھ دیں)  
کوئنگ کے لئے اجزاء

مقدار	اجزاء
-------	-------

اچھی طرح مکس کر کے ایک طرف رکھ لیں)  
فرائنگ کے لئے

اجزاء	مقدار
انڈے	دو عدد
دودھ	1/4 کپ
تیل تلنے کے لئے	حسب ضرورت

ترکیب:

میرینٹ کیے ہوئے چکن کو سب سے پہلے والی کوئنگ میں کوٹ کریں۔ پھر بریڈ کریمز والی کوئنگ میں اچھی طرح کوٹ کریں۔ پھر آخر میں دودھ اور انڈوں کو آپس میں پھیٹ کر اس میں اچھی طرح کوٹ کر کے ڈیپ فرائی کر لیں اور ہلکا براؤن ہونے پر باہر نکال لیں۔

اور خوبصورت سی ڈش میں ان کو سلیقے سے سجا لیجئے۔ لیجئے آپ کے چکن ٹینڈر تیار ہیں..... مگر ٹھہریئے..... پیش کرنے سے پہلے ساس تیار کیجئے..... اس ڈش کے ساتھ خاص قسم کا ساس پیش کیا جاتا ہے تو آئیے ساس کی ریسی بھی دیکھتے ہیں۔

گارلک اینڈ سار کریم ڈپ

اجزاء	مقدار
کریم	ایک کپ
لیموں کا رس	2 ٹیبل سپون
لال مرچ پاؤڈر	1 ٹی سپون
لہسن	2 جوے کوٹ لیں
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	1 ٹیبل سپون
نمک	حسب ذائقہ

زیتون کا تیل

1 ٹیبل سپون

ترکیب:

ایک باؤل میں ان تمام کو ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر لیں۔ لیجئے گارلک اینڈ سار کریم ساس تیار ہے۔ اب چکن ٹینڈر و ساس بالکل تیار ہیں۔ آپ اب ان دونوں چیزوں کو گھر والوں کے سامنے پیش کریں اور یہ ہلکی پھلکی ڈش آپ چائے پر مدعو مہمانوں کے سامنے بھی پیش کر سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

ایک بات سلیقہ کی

یاد رکھیں! صاف ستھرے اور خوبصورت برتن میں کھانا پیش کرنے سے نہ صرف عورت کا سلیقہ نظر آتا ہے بلکہ جن کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا ہے ان کا دل بھی خوش ہوتا ہے اور کھانے کی اشتہاء بھی بڑھتی ہے۔

☆.....☆.....☆

ٹوٹکہ

لہسن اور ک کا پیسٹ بنا کر جب ہم فرتج میں رکھتے ہیں تو اکثر یہ پیسٹ پانی چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس پیسٹ کا رنگ بھی سبز ہو جاتا ہے۔ ان دونوں مسائل کا حل یہ ہے کہ جب آپ پیسٹ بنا رہی ہوتی ہیں تو اس کو بنانے کے بعد اس میں پیسٹ کی مقدار کی مناسبت سے تھوڑا سا کوکنگ آئل ملا دیں۔ (کوکنگ آئل کوئی بھی ہو) اس ٹوٹکے سے پیسٹ نہ پانی چھوڑے گا اور نہ اس کا رنگ بدلے گا۔ اور زیادہ دن تک پیسٹ کی فریش نیس برقرار رہے گی۔

☆.....☆.....☆



حمد باری تعالیٰ:.....

تیرے پاک نام پے اے خدا!	میرا تن فدا میرا من فدا
میری روح میری جان فدا	میرے باپ میری ماں فدا
تیری بندگی میری آرزو	اللہ جلّ جلالہ! اللہ جلّ جلالہ!
تیرے در پہ لاکھوں اغنیاء	تیرے در پہ لاکھوں بادشاہ
گوہ وہ گر گڑا تے رہے صدا	تیرا بھید پھر بھی نہ کھل سکا
تو ہی جانتا ہے کیا ہے تو	اللہ جلّ جلالہ! اللہ جلّ جلالہ!
تیرا ایک ہی دستور ہے	تو نہاں ہے تو مستور ہے
ہاں اتنی بات ضرور ہے	تو ضرور ہے تو ضرور ہے
مولا! توں جلال ہے تو جمال ہے	تو کمال ہے تو لا زوال ہے
نہ تیرا اہل و عیال ہے	نہ تیری کوئی مثال ہے
تو ہے آپ اپنی مثال ہے	اللہ جلّ جلالہ! اللہ جلّ جلالہ!

(انتخاب: محمد عامر)





## نعت رسول مقبول ﷺ:.....

ہوگا ایک جلسہ حشر میں ایسا جس میں سرکار کی عظمت پر خطابت ہوگی  
 ہوگا سر مصطفیٰ ﷺ کا سجدے میں جب پریشانی کے عالم میں یہ امت ہوگی  
 رب کہے گا یہ میرا وعدہ ہے اس کو بخشوں گا جس میں تیری محبت ہوگی  
 میں پرہوں گا قصیدہ قاسم جلسہ حشر میں اگر مجھ کو اجازت ہوگی  
 قبر کا خوف نہ رکھنا اے دل! وہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت ہوگی

(انتخاب: محمد عامر حسین)

☆.....☆.....☆

## اک مدینے کا بس نامہ بر چاہیے:.....

اک جہاں معرفت کا ادھر چاہیے پر نہیں مجھ کو کچھ بھی ادھر چاہیے  
 مجھ کو جنت کی اب کچھ بھی چاہت نہیں اک مدینے کا بس نامہ بر چاہیے  
 غم کی نگری میرے دل کی میراث ہو اُن کے غم کا ہی مجھ کو نگر چاہیے  
 عشق میں اُن کے ہر خطرہ لے مول جو دل کو وہ چاہت بے خطر چاہیے  
 حکم ان کا سنانے کو دنیا پھروں ان کا در موت کے دم مگر چاہیے  
 کھا کے پتھر بھی طائف میں کی تھی دعا اُن سا مجھ میں بھی ہونا صبر چاہیے  
 کٹ گیا دل تو کیا ہے یہ کچھ بھی نہیں اُن کے رستے میں کٹنا تو سر چاہیے  
 کہ دین پیارے نبی ﷺ میری بیٹی ہے یہ روزِ محشر یہ مجھ کو حشر چاہیے  
 ہو بتول ان کی نظروں میں منظور بس ہے یہ مقبول، ایسی خبر چاہیے

(شاعرہ: صاحبہ بتول)

☆.....☆.....☆



### چار شخصوں کا عذر اور ان کا جواب

قیامت کے دن کچھ لوگ عذر پیش کریں گے امیری، غربی، بیماری اور غلامی کا عذر کریں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بلائیں گے اور ان کے عذروں کو جواب دیں گے۔

(۱)..... امیر لوگ کہیں گے ہماری دولت نے ہمیں مصروف رکھا لہذا عبادت نہ کر سکے۔ اللہ پاک حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلائیں گے اور فرمائیں گے ان کے پاس حکومت تھی اور تمہارے سے زیادہ مال تھا۔ انہوں نے میری عبادت نہیں چھوڑی۔

(۲)..... بیمار لوگ کہیں گے ہم بیمار تھے۔ اللہ پاک حضرت ایوب علیہ السلام کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ یہ تم سے کہیں زیادہ بیمار تھے لیکن انہوں نے عبادت نہیں چھوڑی۔

(۳)..... غلام کہیں گے ہم تو آزاد نہ تھے اس لئے آپ کا حکم کیسے پورا کرتے۔ اللہ رب العزب یوسف علیہ السلام کو بلائیں گے فرمائیں گے یہ بھی غلام تھے اور مجبور کئے گئے تھے لیکن انہوں نے میرے حکم کو نہیں چھوڑا۔

(۴)..... غریب لوگ کہیں گے ہم غریب تھے غربت کی وجہ سے آپ کا ذکر و عبادت نہیں کر سکے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلائیں گے اور ان کے اس عذر کا جواب دیں گے کہ یہ تم سے زیادہ غریب تھے یہاں تک کہ ان کے پاس گھر بھی نہیں تھا انہوں نے میری اطاعت نہیں چھوڑی۔

اس طرح چاروں قسم کے لوگ ناکام اور لا جواب ہو جائیں گے ان کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام باقی انبیاء علیہم السلام سے چالیس سال بعد جنت میں جائیں گے (بوجہ بادشاہت) اور غریب

لوگ ۵۰۰ سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ ” (رہنمائے تبلیغی سفر“ سے انتخاب: فہیمہ رانی)

### ہمارے پیارے نبی ﷺ کی غذا اور طریقہ طعام

اگرچہ آپ ﷺ کو اینٹار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے یہاں تک کہ (حیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاثمہ میں ہے) تمام عمر آپ ﷺ نے چپاتی کی صورت نہ دیکھی، تاہم بعض کھانے کھانے نہایت مرغوب تھے۔ سرکہ، شہد، حلوہ، روغن زیتون، کدو، خصوصیت کے ساتھ پسند تھے، سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے، ایک دفعہ حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے.....؟ بولیں سرکہ ہے فرمایا: کہ جس گھر میں سرکہ ہو اس کو نادار نہیں کہہ سکتے۔

عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جس کو حیس کہتے ہیں، یہ پنیر اور کھجور ڈال کر پکا یا جاتا ہے آپ کو یہ بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ام سلمیٰؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلائیں جو آنحضرت ﷺ کو بہت مرغوب تھا، وہ بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگوں نے اسرار تو جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھایا اوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچ ڈال دیں پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھوا اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کی محبوب ترین غذا تھی۔

گوشت کے اقسام میں سے آپ ﷺ نے دنبہ، مرغ، بٹیر، اونٹ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا، دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ شامک ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہ آپ ﷺ کو چنداں مرغوب نہ تھا، بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا اس لئے جب کبھی مل جاتا تو آپ ﷺ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ اسی کی فرمائش کرتے لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپ ﷺ کو یہ گوشت پسند تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں جب آپ ﷺ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تو صرف کھجور اور ستون تھا، تروبز، کوکھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے پتلی کٹڑیاں پسند تھیں۔

ایک دفعہ معوذ بن عفرارضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی کٹڑیاں خدمت میں پیش کیں۔ (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)۔ ”سیرۃ النبی ﷺ“ سے بنت نجم الدین کا انتخاب)

☆.....☆

### سنہری باتیں

☆..... اس دن پر جو تیری زندگی کا گزر گیا اور تو نے اس میں کوئی نیکی نہیں کی۔

☆.....جس پر نصیحت اثر نہ کرے تو جان لے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔  
☆.....یاد رکھو! بغیر حُبِ علی کے جنت نہیں ملے گی اور بغیر حُبِ صدیق کے علی نہیں ملیں گے۔  
☆.....لوگوں کی اندر کی باتوں کو ہرگز نہ کھولنا..... بلکہ ان کے ظاہری اعمال پر اکتفاء کرنا۔  
☆.....گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے..... مگر گناہ سے بچنا زیادہ واجب ہے۔  
☆.....شکست کھانا بری بات نہیں..... شکست کھا کر ہمت ہار جانا بری بات ہے۔  
☆.....اگر کوئی تم سے نصیحت مانگے تو اسے صحیح اور مخلص مشورہ (نصیحت) دو۔  
☆.....زندگی سادہ اور مختصر ہونی چاہیے ورنہ قیامت کے دن حساب میں بڑی پریشانی ہوگی۔  
☆.....زبان کو شکوے سے روک لو، خوشی عطا ہوگی۔  
☆.....چوری اور خیانت سے بچو یہ افلاس پیدا کرتی ہیں۔  
☆.....ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:  
ہم نے بزرگی تقویٰ میں..... اور مال داری یقین میں..... عزت تواضع میں..... پائی۔  
(انتخاب: بنت نجم الدین)

☆.....☆.....☆

### بیٹیاں

ایک شخص کے ہاں صرف بیٹیاں تھیں۔ ہر بار اسے امید ہوتی کہ اب بیٹا پیدا ہوگا مگر ہر بار بیٹی ہی پیدا ہوتی اور اس طرح اس کے ہاں یکے بعد دیگرے چھ بیٹیاں ہو گئیں، اس کی بیوی کے ہاں پھر ولادت متوقع تھی، اسے ڈرتھا کہ کہیں لڑکی پیدا نہ ہو جائے۔ شیطان ملعون نے اسے بہکا یا چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ اگر اب بیٹی پیدا ہوئی تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا۔ اس کی کج فہمی پر غور کریں بھلا اس میں بیوی کا کیا قصور.....؟؟  
رات کو جب سویا تو اس نے عجیب و غریب خواب دیکھا، کیا دیکھتا ہے کہ قیامت برپا ہو چکی ہے، اور اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جن کے سبب فرشتوں نے اسے پکڑا اور جہنم کی طرف لے گئے، پہلے دروازے پر گئے تو دیکھا اس کی ایک بیٹی کھڑی ہے، جس نے اُسے جہنم میں لے جانے سے روک دیا۔ فرشتے اسے لے کر دوسرے دروازے پر لے گئے، وہاں اس کی دوسری بیٹی کھڑی تھی، جو جہنم سے آڑ بن گئی اب فرشتے اسے تیسرے دروازے پر لے گئے تو تیسری رکاوٹ بن گئی، اس طرح فرشتے جس دروازے پر لے کر جاتے وہاں اس کی ایک بیٹی کھڑی ہوتی جو اس کا دفاع کرتی، غرضیکہ فرشتے اسے جہنم کے چھ دروازوں پر لے گئے مگر ہر دروازے پر اس کی کوئی نہ کوئی بیٹی رکاوٹ بن جاتی۔ اب ساتواں دروازہ باقی تھا، فرشتے اس کو لے کر اس دروازے کی طرف چل دیے، اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی کہ اس دروازے پر میرے لئے رکاوٹ کون بنے

گا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ جو نیت اس نے کی تھی، غلط تھی۔ وہ شیطان کے بہکاوے میں آ گیا تھا، اسی خوف کے عالم میں اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے فوراً رب العزت کے حضور ہاتھ بلند کیے اور دعا کی: ”اے اللہ مجھے ساتویں بیٹی عطا فرما۔“

اس لئے جن لوگوں کا قضا و قدر پر ایمان ہے انہیں لڑکیوں کی پیدائش پر رنجیدہ ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہیے، ایمان کی کمزوریوں کے سبب جن لوگوں کا یہ عقیدہ بن چکا ہے کہ لڑکیوں کی پیدائش کی وجہ ان کی بیویاں ہیں، سراسر غلط ہے ان میں میاں بیوی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ہاں وہ تو صرف ایک ذریعہ ہیں، پیدا کرنے والی ذات تو صرف اللہ رب العزت کی ہے جس کو چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکی دیتا ہے۔  
(”سنہری کرنیں“ ص: 24 سے انتخاب: ام عاتکہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ)

☆.....☆.....☆

### لونڈی کی پکار پر معصوم باللہ کی یلغار

مشہور عباسی خلیفہ معصوم باللہ (833ء تا 843ء) کے دربار خلافت میں ایک شخص کھڑا ہوا، عرض کی: امیر المومنین میں عموریہ سے آ رہا ہوں، میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک موٹے عیسائی نے ایک مسلمان لونڈی کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا، لونڈی نے بے بسی کے عالم میں آنہ بھری اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا:

”ہائے خلیفہ معصوم تم کہاں ہو!“

اس موٹے عیسائی نے لونڈی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

”معصوم باللہ اس پکار کا کیوں کر جواب دے سکتا ہے! کیا وہ چنگبرے گھورے پر سوار ہو کر تیرے پاس آئے گا اور تیری مدد کرے گا؟“

پھر اس لونڈی کے رخسار پر کھینچ کر ایک دوسرا تھپڑ رسید کیا جس سے وہ تمللا اٹھی۔

یہ سن کر خلیفہ معصوم باللہ نے اس آدمی سے دریافت کیا: ”عموریہ کس سمت میں ہے؟“

اس آدمی نے عموریہ کی سمت اشارہ کر کے بتلایا کہ عموریہ اس طرف ہے۔

خلیفہ معصوم باللہ نے اپنا رخ عموریہ کی سمت موڑا اور کہا:

”میں تیری آواز پر حاضر ہوں اے لونڈی، معصوم تیری پکار کا جواب دینے آ رہا ہے۔“

پھر خلیفہ نے عموریہ کے لیے بارہ ہزار چنگبرے گھوڑے تیار کرائے اور ایک لشکر جرار لے کر عموریہ پہنچا اور

اس کا محاصرہ کر لیا۔ جب اس محاصرے کی مدت طول پکڑ گئی تو اس نے مشیروں سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا: ”ہمارے خیال کے مطابق آپ عموریہ کو انگور اور انجیر کے پکنے کے زمانے ہی میں فتح کر سکتے ہیں۔“

چونکہ اس فصل کے پکنے کے لیے ایک لمبا وقت درکار تھا، اس لیے خلیفہ پر یہ مشورہ بڑا گراں گزرا۔  
خلیفہ اسی رات اپنے خاص سپاہیوں کے ہمراہ چپکے چپکے لشکر کے معائنے کے لیے نکلا تا کہ مجاہدین کی باتیں سن سکے کہ اس بارے میں ان کی چہ گویاں کس نتیجے پر پہنچنے والی ہیں۔ خلیفہ کا گزرا ایک خیمے کے پاس سے ہوا جس میں ایک لوہا گھوڑوں کی نعلیں تیار کر رہا تھا، ہٹھی گرم تھی، وہ گرم گرم سرخ لوہے کی نعل نکالتا تو اس کے سامنے ایک گنجا اور بد صورت غلام بڑی تیزی سے ہتھوڑا چلاتا جاتا۔

لوہا بڑی مہارت سے نعل کو الٹا پلٹتا اور اسے پانی سے بھرے برتن میں ڈالتا جاتا۔

اچانک غلام نے بڑے زور سے ہتھوڑا مارا اور کہنے لگا:

”یہ معصوم کے سر پر۔“

لوہار نے غلام سے کہا: تم نے بڑا برکلمہ کہا ہے، اپنی اوقات میں رہو، تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں کہ خلیفہ کے بارے میں ایسا کلمہ کہو۔

غلام کہنے لگا: ”تمہاری بات بالکل درست ہے مگر ہمارے خلیفہ بالکل عقل کا کورا ہے۔ اس کے پاس اتنی فوج ہے۔ تمام تر قوت اور طاقت ہونے کی باوجود جملہ میں تاخیر کرنا کسی صورت مناسب نہیں، اللہ کی قسم! اگر خلیفہ مجھے یہ ذمہ داری سونپ دیتا تو میں کل کا دن عمور یہ شہر میں گزرتا۔“

لوہار اور اس کے غلام کا یہ کلام سن کر خلیفہ معصوم باللہ کو بڑا تعجب ہوا، پھر اس نے چند سپاہیوں کو اس خیمے پر نظر رکھنے کا حکم دیا اور اپنے خیمے کی طرف واپس ہو گیا۔

صبح ہوئی تو ان سپاہیوں نے اس ہتھوڑے مارنے والے غلام کو خلیفہ معصوم باللہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ خلیفہ نے پوچھا:

”رات جو باتیں مین نے سنی ہیں، ان باتوں کی کرنے کی تمہیں جرات کیسے ہوئی؟“

غلام نے جواب دیا:

”آپ نے جو کچھ سنا ہے، وہ سچ ہے۔ اگر آپ جنگ میں مجھے کماندر بنادیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عمور یہ کو میرے ہاتھوں فتح کروادے گا۔“

خلیفہ نے کہا: ”جاؤ میں نے فوج کی کمان تمہیں سونپ دی۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عمور یہ کو اس غلام کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔ پھر معصوم باللہ شہر کے اندر داخل ہوا، اس نے فوراً اس آدمی کو تلاش کیا جو لونڈی کے متعلق اس کے دربار تک شکایت اور پیغام لے گیا تھا اور اس سے فرمایا: جہاں تو نے اس لونڈی کو دیکھا تھا وہاں مجھے لے چلو۔ وہ آدمی خلیفہ کو وہاں لے گیا اور لونڈی کے اس کے گھر سے بلا کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس وقت خلیفہ نے لونڈی سے کہا:

”لڑکی! بتا معصم تیری مدد کو پہنچایا نہیں؟“

اس لڑکی نے اثبات میں اپنا سر ہلادیا اور اب تلاش اس موٹے عیسائی کی ہوئی جس نے اس لڑکی کو تھپڑ رسید کیا تھا۔ اس کو پکڑ کر لایا گیا اور اس لڑکی سے کہا گیا کہ آج وقت ہے تم اس سے اپنا بدلہ لے لو۔ اللہ اکبر (انتخاب: ام عاتکہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ)

☆.....☆.....☆

### اللہ تعالیٰ کا رحمت والا ہاتھ

آقا محمد ﷺ کا فرمان ہے:

”اللہ تعالیٰ ہر رات اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ کوئی دن کا گناہ گار توبہ کر لے اور ہر دن اپنا رحمت والا ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گناہ گار توبہ کر لے..... اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہو جاتا“۔ (صحیح مسلم)

اللہ اکبر کبیرا..... اللہ تعالیٰ کا رحمت والا ہاتھ.....!!! ہمیں یہ رحمت نصیب ہو جائے تو پھر شیطان ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے..... اللہ پاک بلا رہا ہے..... اپنی رحمت کی طرف توبہ کے دروازے کی طرف۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم کا میاب ہو جاؤ۔“

پس اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ پڑو..... اے مسلمانوں.....! آج کا سورج بھی مشرق کی طرف سے نکلا ہے..... معلوم ہوا کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحمت والا ہاتھ ہمیں اپنی طرف بلا رہا ہے..... رب عظیم کو ہماری ضرورت نہیں مگر پھر بھی ہمیں بلا رہا ہے..... پھر دیر کس بات کی.....؟ ہم گناہ چھوڑ دیں، ہم مایوسی کو پرے پھینک دیں..... اور دوڑ پڑیں اپنے رب کی طرف اپنے پیدا کرنے والے، پالنے والے مالک کی طرف..... یا اللہ توبہ..... یا اللہ توبہ..... یا اللہ توبہ.....

(”الی مغفرۃ اللہ“ سے انتخاب: عامر حسین)

☆.....☆.....☆

### کہاں گئیں پیکر حیا خواتین

کچھ عرصہ پہلے ایک بزرگ کے پاس جانا ہوا..... وہاں معلوم ہوا کہ کچھ دن پہلے یہ بزرگ بہت پریشان اور غمگین ہو گئے تھے..... ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور ہر وقت آنسو جاری رہتے تھے..... لوگوں نے بہت پوچھا تا بالآخر بتایا کہ..... گاؤں کے قبرستان میں ایک عورت پر عذاب ہو رہا ہے..... اس کے عذاب کی شدت نے میری یہ حالت بنادی ہے..... پھر ان بزرگوں نے اور تمام اہل مسجد نے خوب گڑ گڑا کر دعائیں

مانگیں.....تب وہ عذاب کا سلسلہ ٹھنڈا ہوا۔

کہاں گئیں سجدوں میں رونے والی عبادت گزار خواتین.....؟ کہاں گئیں ”حب“ کی پیکر وہ خواتین جنہوں نے پردے کو رب تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر..... دل سے قبول کیا اور پھر اپنے چہرے، کانوں اور آنکھوں کی ہر گناہ سے حفاظت کی..... کہاں گئیں وہ اللہ تعالیٰ کی بندیاں جو اُٹھتے بیٹھتے توبہ اور استغفار میں لگی رہتی تھیں.....؟ (”الی مغفرۃ اللہ“ سے انتخاب: عامر حسین)

☆.....☆.....☆

## محمدی وظیفہ

محترم قارئین! یہ وظیفہ میرا آزمایا ہوا ہے اور اس پر ہم سب گھر والوں کا یقین بھی بن چکا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم خاصہ میں تھے۔

میری چھوٹی بہن آمنہ بہت سخت بیمار ہو گئی، کسی بھی دوا سے طبیعت پر فرق نہ پڑتا تھا اور مرض دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ ہم سب کو وہ بہت بہت پیاری ہے، کیونکہ وہ سب سے چھوٹی بھی ہے اور بہت ذہین بھی ہے، ماشاء اللہ باتوں میں بھی بہت تیز ہے۔ پورا گھر اس کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشانی میں تھا۔ ایک رات میں بہت پریشان تھی اور اسی پریشانی کے عالم میں میری آنکھ لگ گئی۔

خواب میں کیا دیکھتی ہوں کہ محبوب کبریاہ حسن ارض و سماء محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کی چھت پر ہیں اور میرے والد محترم سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ میں بھی پاس ہی کھڑی تھی، اسی دوران پیکر حیا، مجسم اخلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری جانب رخ انور کر کے فرماتے ہیں: ”آمنہ (میری چھوٹی بہن جو کہ بیمار تھی) بیمار ہے؟“

بندی نے عرض کیا: ”جی ہاں آمنہ بہت بیمار ہے“۔ فرمایا: ”سات مرتبہ درود ابراہیمی اور ستر مرتبہ ”یا وثاب“ پڑھ کر اس پر پھونک دو“۔ اسی وقت میری آنکھ کھلی، صبح کی نماز پڑھ کر جامعہ جانے سے پہلے ہی بہن پر یہ وظیفہ پڑھ کر پھونک دیا اور بفضل الہی سے اسی دم کے ساتھ آمنہ کی طبیعت ٹھیک ہو گئی۔

اور کیوں نہ ٹھیک ہوتی کہ امام انبیاء رحمۃ دو جہاں سید العلماء والفقہاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات بتائیں اور اس میں نعوذ باللہ شفا نہ ہو۔ قارئین آزمائیں اور بیماریوں اور دکھوں سے نجات پائیں، غرض ہر موقع پر، رنج و تکلیف کے وقت پڑھیں اور دعا دیں۔

(آپ کی پیارا و خلوص بھری دعاؤں کی طلبگار ”رقیہ عبدالحمید“)

☆.....☆.....☆



## ماہنامہ حیا کا ایک نیا قدم

دورِ حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، جدید  
تقاضوں سے ہم آہنگ

ماہنامہ حیا پرنٹ میڈیا کے ساتھ اب آن لائن بھی .....  
آج ہی ہماری ویب سائٹ اور سوشل میڈیا پیجز لائنک کریں۔

### Web Site

[www.hayadigest.com](http://www.hayadigest.com)

### Facebook

[facebook.com/hayadigest](https://facebook.com/hayadigest)

### Twiter:

[twitter.com/hayadigest](https://twitter.com/hayadigest)



محترم قارئین و قاریات، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہر بار کی طرح اس بار بھی ہمیں اپنے رب سے بھرپور اُمید ہے کہ آپ تمام حضرات بخیر و عافیت ہوں گے اور زندگی کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خوشیاں سدا سلامت رکھے۔ آمین

ماہنامہ حیا کے سب سے زیادہ پسندیدہ حصہ میں ہم اور آپ حاضر ہیں..... جہاں ہم سب مل کر پیار و محبت کے ماحول میں اپنے عزیز از جان رسالے کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے مفید مشورے اور تجاویز پیش کرتے ہیں..... یقین جانے یہ رسالہ آپ کا ہے، اس کی جان و روح آپ ہی ہیں..... ہم بار بار یہ گزارش کر چکے ہیں کہ کوئی کمی کوتاہی ہو ہمیں ضرور مطلع کریں..... مزید بہتری کے لیے کوئی تجویز وہ بلا جھجک پیش کریں۔ ہمیں خوشی ہے کہ الحمد للہ نئے قارئین کا اضافہ ہو رہا ہے، اور حیا کی محفل میں بھی نئے نئے نام نظر آنے لگے ہیں..... ہماری درخواست ہے کہ اور جتنے خاموش قارئین ہیں، وہ بھی اپنی خاموشی کو توڑیں اور کاغذ قلم تھام کر حیا کی محفل کا حصہ بن جائیں۔

آپ کی آراء اور خطوط کا انتظار رہے گا۔

اقصیٰ منور، صادق آباد سے لکھتی ہیں: محترمہ! پی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیسی ہیں آپ؟؟ امید ہے بخیر وعافیت ہوں گی۔ اس مرتبہ ماہنامہ حیا ۱۸ جنوری کو ملا۔ ٹائٹل پر سبز گنبد کے ساتھ مسجد اقصیٰ نظر آرہی ہے۔ ”آوازِ حیا“ میں بھی سنہری گنبد کی واپسی کیلئے بلند ہوتی نظر آئی۔

سب سے پہلے آوازِ حیا پھر اس کے بعد ”بہنوں کی محفل“ میں گئے، جہاں امامہ عبداللہ صاحبہ طویل مگر انتہائی دلچسپ خط کے ساتھ جلوہ افروز تھیں۔ بنتِ یعقوب صاحبہ کے بھی دو خطوط شائع ہوئے وہ ابھی ایک ساتھ مبارک ہو بھی۔ ارے ہاں ان کی تحریر بھی ”یہ عزتیں تیرے ہی دم سے“ بہت سبق آموز تھی۔ امید ہے آپ دوبارہ بھی ایسی تحریریں لکھتی رہیں گی۔ اس کے بعد اپنا پسندیدہ سفر نامہ پڑھا، گھر بیٹھے یورپ کی سیر، اسی لئے تو ہر مہینے ”حیا“ کا انتظار رہتا ہے۔ ”اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا“ حقیقت پر مبنی تحریر تھی ”الہی تیری چوکھٹ پر“ بہت دلچسپ قسط تھی، ہمیشہ کی طرح نہر والا سین تو گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، کیونکہ یہی رحیم یار خان والی نہر ہمارے صادق آباد میں بھی آتی ہے..... ہا ہا..... ویسے کرن آپنی ”ذائقہ“ ہوٹل والوں کی قلفی بھی بہت مزے کی ہوتی ہے نا، کیا خیال ہے.....؟ ”پابندیِ وقت“ بس ٹھیک ہی تھی، ”سیلفیاں یا موت کا سودا“ معلومات افزا تھی۔ ”شکوہ..... جواب شکوہ“ بہت سبق آموز تحریر تھی۔ مریم شہزاد صاحبہ نے واقعی ٹھیک لکھا کہ ”ثواب کھدیا ہم نے“۔ ”ہم نے بھی کہانی لکھی“ اور ”بیت الخلدیا.....“ نے بہت ہنسایا ویری ناکس ”فرخندہ“ کچھ نٹ کھٹ کچھ سسپنس، کچھ دل دہلانے والی اور آخر میں پپی اینڈ بہت ہی زیادہ پسند آئی۔ بے اختیار عصمت چغتائی صاحبہ کیلئے دل سے داد نکلی ایسی بے مثال کہانی لکھنے کیلئے۔ ”ٹھیللا لگانے سے صدر بننے تک“ عزم و ہمت اور جدوجہد کا سبق ملا۔ واقعی کبھی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ”سہانا بچپن“ بہت پسند آیا۔ آپنی جان! میں بھی لکھ کر سمجھوں اپنے بچپن کے بارے میں؟ کیا خیال ہے.....!؟

باقی تمام تحریریں بھی بہت زبردست تھیں، دل تو ایک ایک تحریر پر تبصرہ کرنے کو کرتا ہے، مگر خط بہت زیادہ طویل ہو رہا ہے۔ اس لئے پھر کبھی ایک ایک تحریر پر تبصرہ کروں گی انشاء اللہ۔ ویسے بھی میرا حیا میں یہ پہلا خط ہے۔ امید ہے آپ حوصلہ افزائی کریں گی۔ اس سے پہلے میرے ”خواتین اور بچوں کا اسلام“ میں بھی خطوط شائع ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ!

آپنی میں نے ایک تحریر بھی ارسال کی ہے ”پچھتاوا“ آپ ضرور بتائیے گا کہ قابلِ اشاعت ہے یا نہیں؟ ویسے آپنی آپس کی بات ہے بہت محنت سے لکھی ہے میں نے، آپ کو ضرور جگہ دیجئے گا۔ اف! قلم ایک بار پھر بے قابو ہو رہا ہے..... اللہ آپ کو دنیا و آخرت کی کامیابیاں نصیب فرمائے۔ ”حیا“ کو دن گنی اور رات چگنی ترقی عطا فرمائے، یہ یونہی نیکی کی دعوت گھر گھر پہنچاتا رہے۔ (آمین)

مجھے حق محبت کی بس اتنی ہی تمنا ہے

دعاؤں میں یاد کر لینا گر جو یاد آئے میری

کھنکھ عزیزہ انصی منور صاحبہ۔ آپ کا بھرپور تبرہ اچھا لگا، اور حیار سالہ آپ کا ہی تو ہے، کوئی تحریر بھیجنے سے پہلے پوچھتے نہیں ہیں بلکہ کھٹک سے بھیج دیتے ہیں، ہاں!!

☆.....☆.....☆

✉ بنت یعقوب: جھنگ سے لکھتی ہیں: پیاری آپی حیا حرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید کرتی ہوں آپ اور تمام لکھنے، پڑھنے والی بہنیں خیریت سے ہوں گی انشاء اللہ۔

جنوری کا رسالہ ہاتھ میں آیا تو یہ دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی کہ میری تحریر شامل اشاعت تھی اور حیا کی محفل میں جب ایک ساتھ اپنے دو خط دیکھے تو سردی میں بھی خوشی کی وجہ سے پسینہ آ گیا، بھائیوں سے ہاتھ ملا کے مبارک باد وصول کی۔ آپ کا بے انتہا شکریہ کہ آپ نے میری حوصلہ افزائی کی، جزاک اللہ۔

آپ سے دو باتیں پوچھنی ہیں دونوں کا جواب ضرور دیجئے گا۔ ایک یہ کہ ایک صفحہ اور ایک لائن چھوڑ کر لکھنا ضروری ہے؟ کیا باقی تمام بہنیں اسی طرح لکھتی ہیں؟ جبکہ میں نے کسی دوسرے رسالے میں پڑھا تھا یہ شرط صرف ان کیلئے ہے جن کی رائٹنگ اچھی نہ ہو، باقی لوگوں کیلئے یہ شرط نہیں ہے اور ایک تحریر بھیج رہی ہوں۔ ”نظر جن کی خدا پر ہو“ کیا یہ قابل اشاعت ہے.....؟ اور ہاں آپ کی کہانی کا انتظار ہے۔ آپ سے اور باقی تمام بہنوں سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

کھنکھ عزیزہ! دعا ہے کہ آپ مزید قلمی عروج کو پہنچیں، اگر تحریر خوش خط ہے تو سطر چھوڑنا ضروری نہیں۔

☆.....☆.....☆

✉ بنت نجم الدین، ڈی آئی خان سے لکھتی ہیں: محترمہ وکرمہ جناب پیاری اور ہر دل عزیز باجی صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے بخیر وعافیت اپنے کام میں مگن اجر عظیم کمانے میں مصروف ہوں گی، اس رسالے کے ذریعے سے یہ رشتہ اپنے قریبی عزیزوں سے بھی زیادہ قریب اور عزیز لگتا ہے، اس لئے کہ بے غرض رشتہ بے پناہ محبت لئے ہوئے، سب سے بڑی بات جو اصل مقصد ہے زندگی کا اس کی طرف رہنمائی کرتا ہوا اب تو بس یہ خواہش ہوتی ہے رب کائنات سے تعلق مضبوط ہو جائے۔ آپ سے بہت زیادہ دعاؤں کی درخواست ہے، اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے اور میری والدہ صاحبہ کو یاد رکھنا۔ اب آتی ہوں رسالے کی طرف۔

جنوری کا رسالہ ملا۔ سب سے پہلے حیا کی محفل کو کھولا، خوب جی تھی اس بار تو بہنوں کے بھرپور تبصرے نے اس محفل کو گرمادیا۔ کچھ رسالہ پڑا کچھ رہ گیا اسی لئے تبصرہ مختصر ہوگا۔ ”بیت الخلا..... یا.....“ نے خوب ہنسایا۔ ”پابندی وقت“ نے وقت پر پہنچنے کا بڑے احسن طریقے سے درس دیا۔ ”اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا“ نے کھی کیا، دین سے دوری ہی پردے جیسے اہم فرائض سے غافل کر دیتی ہے۔ اللہ پاک سمجھ دے اس

فرض کو اپنانے کی توفیق دے۔ آمین

”الہی تیری چوکھٹ پر“ بھی اچھی جا رہی ہے۔ ”یہ عزتیں تیرے ہی دم سے“ بنت یعقوب کی تحریر راہ سے بھٹکنے والی شیطان کی چالوں میں جھوٹی محبت میں گرفتار ہونے والیوں کیلئے بہت بڑا سبق تھا، اللہ پاک سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ باجی آنکھیں ان دونوں کو تلاش کرتی ہیں جنہوں نے گہرا نقش چھوڑا تھا دل پر، ایسا ہی کوئی ناول دوبارہ شائع ہو۔ (۱) ”اذن حضور مل گیا“ امانیہ اور افنان کے کردار نے بہت متاثر کیا تھا، جب سے ہی امانیہ اور افنان نام بے حد پسند ہیں، اس ناول کو اختتام پر جو مفتی انس یونس کے نعتیہ اشعار تھے: ”جذبات کی موجوں میں لفظوں کی زباں گم ہے“ جب بھی اس نعت کو سنتی ہوں اس ناول کی طرف ذہن گھوم جاتا ہے اور (۲) دوسرا ناول، ”دشت جنوں کی نقش پائی“ کیا خوبصورت ناول تھا یہ مغیرہ نے کیا کردار ادا کیا تھا۔ مجھے لکھاریوں کے نام تو یاد نہیں لیکن میں چاہتی ہوں دوبارہ اس طرز پر کوئی ناول شائع ہو۔ باجی میں نے اپنی تحریر ”یک راز تھا جو گھل گیا“ کا ذکر کیا تھا آپ سے کہ میں پہلے بھی بھیج چکی ہوں۔ اب دوبارہ بھیج رہی ہوں، قابلِ اشاعت ہو تو شائع کر دینا کہیں کوئی غلطی ہو تو تصحیح فرما دینا۔ اللہ پاک آپ جو جزائے خیر دے..... والسلام

عزیزہ بہن! سلامت رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی والدہ کو دارین کی عافیتیں نصیب فرمائے

☆.....☆.....☆

بنت مولانا سیف الرحمن: لکھتی ہیں کہ جنوری کا ماہنامہ حیلا، قبلہ اول مسجد اقصیٰ کا سنہری گنبد اور گنبد حضریٰ کا روح پرور منظر دل کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا۔ سرورق تو بہت منفرد اور نفیس آتے ہیں اب، ماشاء اللہ پروف ریڈنگ کی غلطیاں بھی کافی کم ہو گئی ہیں۔ ناول بھی بالترتیب شائع ہو رہے ہیں، یعنی ہر لحاظ سے بہترین شمارہ۔

اس مرتبہ ”آئینہ حیا“ بہت خوبصورتی سے دکھایا گیا ہے، اس شمارے میں سب سے سبق آموز کہانی ”یہ عزتیں تیرے ہی دم سے“ بنت یعقوب جھنگ کی ہے، ویسے یہ موضوع گھسا پٹا سا ہے، انداز بھی کوئی منفرد نہ تھا لیکن آج گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ کا ناسور جس تیزی سے پھیل رہا ہے تو ایسے مضامین بیان کرنے کی اشد ضرورت ہے لیکن اب نئے اسلوب میں کہانیاں پڑھنے کو جی کرتا ہے۔ فلسطینی خاتون محترمہ وکرمہ (ام محمد) سے بات چیت پڑھ کر دل خوش تھا، غم سے معمور بھی۔ عجیب سے احساسات وابستہ ہیں ارض مقدس سے۔ بس ہر دم لبوں پہ تینوں حرم کی حفاظت کی دعا چلتی رہتی ہے۔

عائشہ خفی! کیا خوب عنوان دیا آپ نے کہانی کا ”اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا“ یعنی ماحول

میں ڈھلنا نہیں بلکہ ماحول کو ڈھالنا ہے رفتہ رفتہ، دھیرے دھیرے۔ آج کل تو ویسے بھی خوش قسمت لوگ ہی ایسے ہیں جو دین پہ مکمل عمل پیرا ہیں، ورنہ اچھے خاصہ دیندار گھرانوں کا حال بھی اندرونی طور پر بہت برا ہے اور مکمل دین کو عمل میں لانا، سنتوں کو ادا کرنا ہاتھ پیرا نگارہ رکھنے کے مترادف ہو چکا ہے۔ ”کرن سلطان“ کی قسط وار کہانی بھی اچھی ہے اور اس سے آگے جو کہانی نظر آئی، وہ تھی ”پابندی وقت“ میں جب بھی کہانی پڑھنے لگتی ہوں، سب سے قبل لکھاری کا نام دیکھتی ہوں۔ ”نامعلوم“ والی کہانی کا مزہ ادھورا رہ جاتا ہے، میرا ایک مشورہ ہے ادارے کو ”نامعلوم“ کے بجائے میرا نام لگا دیا کریں۔ کہانی کی خوبصورتی تو برقرار رہے ناں! ایسا کرنے سے بہت جلد لکھاریوں کی نام نہ لکھنے کی عادت ختم ہو جائے گی۔ (ہی ہی ہی)

عبدالباسط ذوالفقار نے بھی حقیقت پر مبنی مضمون لکھا۔ بالکل ٹھیک کہا محترم نے کہ ”سیلفیاں یا موت کا سودا؟“۔ مریم شہزاد نے بھی جس موضوع پہ قلم اٹھایا ”ثواب کھودیا ہم نے“، فکر انگیز بات ہے۔ اس بات کی طرف میرے ابوجان بھی بہت دھیان رکھتے ہیں۔ ہمارے اکابر سے بھی بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات ملتے ہیں۔ جیسے روشن دان کی یہ نیت کر لینا کہ اذان کی آواز آئے گی کی باعثِ ثواب بن جاتا ہے۔ کلائی میں گھڑی اس نیت سے باندھنا کہ نمازوں کے اوقات معلوم ہوں تو باعثِ ثواب بن جاتا ہے یعنی نیت کرنا کتنا اہم ہے۔ ہر کام میں دین کا پہلو مد نظر رکھو اور ثواب نامہ اعمال میں درج کرواتے جاؤ۔ سبحان اللہ! قربان جا سکیں اپنے پیارے آقائے مہدیؑ پر جن کے طفیل ہمیں اس قدر پیارا دین عطا کیا گیا۔

فرحانہ تاج! لکھنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے، یہ صلاحیت قدرتی بھی موجود ہوتی ہے یا لکھاریوں کے طریقہ کار کو اپنا کر لکھنے کی جسارت کی جاسکتی ہے، جیسے میرے ابوجان ہیں۔ خاندان میں کوئی ایسا فرد نہیں گزرا جو لکھاری ہو۔ لیکن ابوجان ماشاء اللہ اپنے بل بوتے پر بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں بہترین استاد، انتہائی شفیق باپ اور بے حد محبت کرنے والے شوہر بھی ہیں، بات زیادہ لمبی ہو گئی۔ اصل بات یہ کہنی تھی کہ ابوجان کے اندر لکھنے کی صلاحیت قدرت کی عطا ہے۔

حسنہ محمد عارف کا تحریر کردہ واقعہ واقعی کھلکھلاتا واقعہ تھا۔ آج کل لوگ کہاں بیت الخلاء کہتے ہیں ہاتھ روم، واش روم، زیادہ تر چلتا ہے۔ لیکن ہمارے گھر شروع ہی سے امی جان ابوجان نے بیت الخلاء ہی کہلویا۔ محمد عصر عثمانی نے تو ہمیں بھی آئینہ دکھایا۔ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ کچھ اٹھانے والے اگر غیر مسلم بھی ہوں تو حقیر نہ سمجھو، کیونکہ اگر یہ نہ ہوں تو پھر ہم میں ہی سے کوئی اس کام پر مقرر ہوتا۔ پچیس دسمبر کی چند چھٹیوں کے اندر اندر ہمارے ملک کا حال بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ عیسائی طبقہ بھی چھٹی پر ہوتا ہے اور گلی، محلے، سڑکیں اس قدر گندی ہو جاتی ہیں کہ گھن آتی ہے۔ اس لئے مسلم ہو یا غیر مسلم۔ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والا ہو، بس حقیر نہ سمجھو۔ دھتکار و مت کسی کو۔ عصمت چغتائی سمیت جب لکھاری بہن بھائیوں نے بہت اچھا لکھا حیا کیلئے پہلا

تبصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے سو اس پر بس کرتی ہوں۔  
 کھینچ پیاری بہنا! پہلا تبصرہ ہی مکمل توجہ سے لکھا گیا جو بہت اچھا لگا، آئندہ بھی آپ کی آمد کا انتظار رہے گا۔

☆.....☆.....☆

عطیہ عروج لکھتی ہیں: محترمہ پیاری آپ! صاحبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!  
 اُمید کرتی ہوں یقیناً آپ بالکل ٹھیک ہوں گی آخر آپ کیلئے اتنے دُعا کرنے والے جو موجود ہیں۔ آپ کا رسالہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے اور جب اس میں میری کہانی شائع ہو جائے تو بس پھر کیا ہی بات ہے؟! میں نے آج تک جو بھی لکھا وہ آپ نے شائع کیا اور پھر آپ کیلئے دل سے ہزار دعائیں نکلی اور دل سے نکلی ہر دُعا قبول ہوتی ہے۔ آپ! میری اب کے بار چھوٹی سی گزارش ہے، پلیز میں نے جو کہانی آپ کو بھیجی ہے اس کو مکمل شائع کرنا قسط وار نہیں، آپ! اس لئے تو میں نے اسے چھوٹا لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن اب کیا کرتی بڑی ہو گئی۔ لیکن پلیز آپ ایک ساتھ شائع کرنا اور آخر میں حیا کے تمام قارئین کو بہت محبت بھرا سلام اور ڈھیر ساری دعائیں۔ اور آخر میں بس یہی دُعا ہے کہ خدا ہمارے وطن عزیز اور اُس کے محافظوں اور اس میں بسنے والوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

محبت بھری دعاؤں کا بے حد شکریہ!!

☆.....☆.....☆

ام حبیبہ نور لکھتی ہیں: چراغ کہن ماہ و خورشید کی فروغ انگیز آپ! حیا حریم صاحبہ دامت برکاتہم فیوضک علینا الی الحیات (آمین)

جس محبت سے شیرازہ مجوسیت بکھر گیا وہ ہے..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
 بقعہ نور، شمس ہدایت، اسعباد و استعمار کی زنجیروں کو کاٹ دینے والی دعاؤں کے رافت و عطوفت کے ابر گہر بار برساتے ہوئے نئے سال کی آمد کے ساتھ محترمہ صبا یونس قریشی کو معاون مدیرہ بننے کی مافوق مبارکباد کے ساتھ خرام ناز سے جنبشِ تخیل سے محفل حیا میں حاضر ہوں۔

۲۰۱۸ کے پہلے ماہنامہ حیا کے سروق پر امضائے توفیعاتِ ربانی ﷺ کے روضہ مبارک و مسجد اقصیٰ کی جھلک اور آوازِ حیا سے آتش کدہ کفر نے سرد ہو کر تمازت کو خیر باد کہہ دیا۔ خولہ بنت سلیمان، ہمشیرہ محمود الحسن، ام سفیان، عائشہ حنفی، کرن سلطان، مریم شہزاد، صبا یونس، بنت محمد یعقوب، فرحانہ تاج، حمزہ عارف، عصمت چغتائی، عابدہ حسام الدین، سعیدہ قمر کے حقائق کی سطوت کے بیر غرس نے ”الہی روزِ محشر عذر رہائے من پذیر“ کی آرزو میں روش راہوار کارزار و شاخسار حصن و حصین یتیم مکہ ﷺ کی امتی ماؤں بہنوں کو حیا

سے سرفییدہ کر دیا۔

سہیل اختر، محمد اسحاق، عبدالشکور فاروقی، مفتی رفیع الدین، مولانا محمد عظیم، مولانا عبدالمجید و یا آبادی، احتشام الحسن، صاحبزادہ نعمت اللہ، عبدالباسط، محمد اسماعیل بدایونی، شاکر فاروقی، محمد عنصر عثمانی، سید عاصم محمود، عبد الصبور شاہ، حکیم محمد سعید، مولانا محمد اسلم شیخوپوری کے انشائے رموز، باد بہاری رفیق و فتوت سے بزم حیا روشن ہو گئی۔

گلدستہ حیا میں ”فقیرہ“ و عامر حسین کے غبار مسکنت جملہ نور سے رباب و چنگ کے زمزمے بہت جھنجھلائے۔ ”محفل حیا“ میں عطیہ، بنت یعقوب، بنت ڈاکٹر عبدالقدیر، عائشہ محمد اصغر، بنت حواء، امامہ عبداللہ کے رازِ غم نہاں سے پُر مغز ”ماہنامہ حیا“ کے سارے سوزش پنہانے مہتر کہتر مزمزے کو دیدہ گریا نے کر دیا اور روحِ ثریا پر نئی تہذیب کے عامل کامل محترم قاری مولانا عبدالرشید صاحب دامت ظلہ علیہا کے کشتہ دلوں کے حروفِ ناگفتہ ماہنامہ حیا میں ہر جانب دارو گیہ و شورشِ زنجیر سے ایک کہرام مچا دیا، اس لئے کہ:

جاء الذی یعاش فی اکنافہ

جاتے ہوئے کفک بحرِ کرم تشنگانِ یاس دعاؤں کے غزالاں و زبانِ سخن طرازاں کے ساتھ ربِ بدرت بنگر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور با اشک، کشتِ زعفران، ”آمین“ کے وفورِ شوق سے غرقِ روانی کے حصول کی امید کے ساتھ مہک تاری ”محفل حیا“ سے مرمر کے سلوں کے قضا و قد تبصرے کے بزمِ آراء فیضان کی اشعلا معہ کو کائنات کی خوابیدہ قوتیں بیدار کر کے مصروفِ عمل کرنے والے لمعات دینے والے سرمدی نکات کی ڈائری کا ورقِ پستی ہوں کہ:

تیری زندگی کا ہر لمحہ شادماں گزرے  
بہارِ سجدہ کرے تو جہاں جہاں گزرے  
خدا نصیب کرے تجھے زندگی کی ہر خوشی  
تو سرخرو رہے جب کوئی تیرا امتحان گزرے (آمین)

آپ کے محبت بھرے تبصرے سے دل سرشار ہوا، سلامت رہیں۔

☆.....☆



محترم قارئین..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ ”حیا“ نے ماہِ رمضان المبارک کی مناسبت سے ”رمضان اسپیشل“ ایڈیشن شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، دیگر سلسلوں کے ساتھ ساتھ ایک سلسلہ انٹرویو کا بھی ہے۔ آپ کی خدمت میں ایک سوال نامہ بھیجا جا رہا ہے، اُمید ہے کہ جوابات سے نوازیں گی۔

(۱)..... اپنا مختصر سا تعارف؟ (مکمل نام..... مشاغل و مصروفیت)

(۲) رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ اس مبارک مہینے کی آمد سے پہلے آپ کے کیا احساسات ہوتے ہیں؟

(۳)..... آپ نے اپنا پہلا روزہ کس عمر میں رکھا، اس روزے کی کچھ یادیں کچھ باتیں بتائیں؟

(۴)..... بچپن کے رمضان اور آج کے رمضان میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

(۵)..... سحری اور افطار میں آپ کیا اہتمام کرتی ہیں؟

(۶)..... آپ کے رمضان المبارک میں کیا معمولات ہوتے ہیں؟

(۷)..... ہمیں اپنا رمضان کس طرح گزارنا چاہیے؟

(۸)..... رمضان کے حوالے سے خواتین اور لڑکیوں کو کوئی نصیحت کریں!

10 اپریل 2018 سے پہلے جوابات عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

# قارئین کے لیے خوش خبری

ہر بار کی طرح اس بار بھی ماہنامہ حیا پیش کر رہا ہے

## ”رمضان المبارک کی خصوصی اشاعت“

جس میں شامل ہوں گی.....

☆..... ماہ رمضان کے حوالے سے خصوصی تحریریں۔

☆..... دل چسپ کہانیاں۔

☆..... اچھوتے افسانے۔

☆..... شرعی مسائل۔

☆..... چٹ پٹے مزے دار پکوان۔

☆..... ”ہم نے رکھا روزہ“..... قارئین کے قلم سے اپنے پہلے روزے کی دل چسپ

روداد۔

☆..... ”قارئین حیا کے انٹرویو“ (سوال نامہ منسلک ہے)

مستقل سلسلے اور بہت کچھ..... جو آپ پڑھنا چاہیں.....

ادارہ حیا آپ کی قیمتی نگارشات اور تحریروں کا منتظر ہے۔

تحریر بھیجنے کی آخری تاریخ 10 اپریل 2018

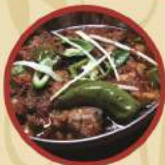
# Royal

Ice & Spice

SINDHI MUSLIM SOCIETY,  
KARACHI.

☎ 021-34551384, 34551113,  
34382296, 34382297,  
03008243510

Now  
**FREE Delivery**  
from 12 Noon to 12 Midnight



\* Free delivery within 5 kms after that nominal amount will be charged

# بینکاری سہولیات ہر جگہ آپ کے ساتھ

البرکہ بینکنگ کی خبریں سے ہم آگے نکل کر رہیں ایک اور مثال بنیں ہم آپ کی بینکنگ سہولتیں آسان  
جس کا مقصد ہے 24/7 سہولتیں اور بہبود بینکنگ فراہم کرنا ہے۔

## نمایاں سہولیات

- بینکی ڈائجسٹ
- موبائل پیمنٹس
- آن لائن عوامی سہولتیں
- واپس ڈر
- آن لائن البرکہ بینک
- البرکہ بینک ڈرائیور (IBFT) سے
- البرکہ بینک ٹرانس لینک

